بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تو بہارِ دلِ من

سائرہ ناز

انتصاب

میری پیاری بیٹی زینب شہزاد اور ہر اس قاری کے نام جسے اس ناول کا انتظار تھا۔

پیش لفظ

اعتبار، اعتماد، ساتھ، مان اور بھروسہ! کہنے کو یہ کچھ الفاظ ہیں لیکن ان کے گرد حضرت انسان کی پوری زندگی گھومتی ہے۔۔۔ ان جذبات اور احساسات میں سے چند ایک بھی آپ کی نذر کر دیے جائیں تو زندگی سہل ہو جاتی ہے لیکن جب ساتھ دینے والے، آپ کا مان توڑ کر، آپ سے اعتبار کی

نعمت چھین لیں تو پھر وہ کسی کے اعتماد اور بھروسے کے قابل نہیں رہتے۔۔۔ محبت بھی انھی کو نوازتی ہے جو محبوب کی قدر کرتے ہیں۔۔۔ حالات کی ذراسی صعوبتوں سے گھبرا کر راستہ بدل لینے والے کسی طور محب کہلانے کے لائق نہیں۔۔۔ زندگی میں محبت نہ بھی مل رہی ہو لیکن اعتبار مل جائے تو اس ہاتھ کو تھامنے میں دیر نہ کیجیے گا کہ جہاں اعتماد نہ ہو، وہاں محبت بھی ریت کی بھربھری دیوار کی مانند ڈھے جاتی ہے، پھر چاہیں آپ لاکھ تاویلیں دیں کہ آپ سے جو بھی خطا ہوئی، بحالت مجبوری ہوئی تو وہ سارے الفاظ بے اثر و نامراد ہو جاتے ہیں۔

بسا تو لیتے نیا دل میں ہم مکیں لیکن

ملا نہ آپ سے بڑھ کر کوئی حسیں لیکن

کسی کے بعد بظاہر تو کچھ نہیں بدلا

ہمارے پاؤں تلے اب نہیں زمیں لیکن

جہانِ عشق سے باہر بھی ایک دنیا ہے

دلایا دل کو بہت ہم نے یہ یقیں، لیکن

یقیں مجھے ہے مرے ساتھ سانپ کوئی نہیں

ہر ایک ہاتھ کی ہوتی ہے آستیں لیکن

ہزار جام مچلتے رہے ہمارے لئے

ہماری پیاس نہ چھلکی کبھی کہیں لیکن

سبھی فریب تھا لیکن وہ آخری جملہ

کبھی ملیں گے دوبارہ یہیں کہیں لیکن

یہ اور بات خوشی ساتھ ساتھ ہے ابرک

ہمارے بیچ کوئی رابطہ نہیں لیکن

اتباف ابرک

گھپ اندھیرے نے چہار سو پر پھیلا کر ماحول کی ہولنا کی کو مزید بڑھا دیا تھا۔۔تاریکی ایسی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔۔۔فضا پہ طاری ہو کا عالم بنی نوع انسان کے اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہونے کی دلیل تھا۔۔ایک سڑک کنارے بنے فٹ پاتھ پہ بھی کچھ وجود محو استراحت تھے کہ تاریکی کو چیرتی ایک گاڑی کی تیز روشنیاں چھن سے اس ویرانے کے بے سر و سامان مکینوں کی نیند میں خلل کا باعث بن جاتیں لیکن ان کی گہری نیند اس بات کی غماز تھی کہ وہ اب ایسی بے ترتیبیوں کے عادی ہو چکے ہیں یا پھر ان کی نیند ہر فکر سے ماورا تھی۔۔اس گاڑی کے گزرنے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد ایک اور گاڑی اس تیز رفتاری سے ان کے پاس سے گزری کہ ہوا کی تیز سرسراہٹ پر ان کے گندے میلے جسموں پہ چیتھڑوں کی صورت پڑی چادریں بھی پھڑ پھڑا اٹھیں۔۔اس بار ایک نسوانی وجود کی آنکھ اس گاڑی کے زن سے گزرنے پر کھلی تھی۔۔چند پل دور جاتی روشنی کے نقطوں کو تکتی، وہ پھر سے آنکھیں موند گئی، یوں جیسے اسے بھی کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

ان افلاس کے مارے لوگوں سے کچھ پل کی مسافت پر آئیں تو ایک کھلے میدان کے احاطے میں وہ دو گاڑیاں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔۔۔ارد گرد موجود خالی جھگیاں شاید انھی لوگوں کی تھیں جو اس وقت وہاں کے کرتا دھرتاؤں کے حکم پر آج کسی فٹ پاتھ کو اپنا مسکن بنائے ہوئے تھے۔

''گنتی کر لیں عالی جاہ! مال پورا ہے۔'' پہلے آنے والی گاڑی کے پچھلے دروازے سے اترنے والے شخص نے گاڑی کی ڈگی سے برآمد ہونے والی لکڑی کی پیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جسے اس کے اشارے پر وہاں پہلے سے موجود دو نفوس نکال کر لائے تھے۔

''ہمم! یہ رہی تمھاری رقم!'' اس شخص نے اپنے ماتحت کے، سب اچھا ہے، کے اشارے پر ہاتھ میں پکڑا بریف کیس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں!'' اس شخص کے انکار پر دوسرے شخص کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا جب کہ اس خلاف توقع بات کو کسی خطرے کا پیش خیمہ گردانتے، اس کے ماتحتوں کے ہاتھ فوراً اپنے اسلحے کی طرف بڑھے تھے۔

''کیوں انوار میاں! گھاس سے دوستی کرلی ہے کیا؟'' اپنے بندوں کو ہاتھ اٹھا کر ہتھیار سونتنے سے منع کر کے، اس شخص نے مسکراتے لہجے میں مقابل کھڑے وجود سے استفسار کیا تھا۔

''نہیں عالی جاہ! آپ کو خود وصولی کے لیے یہاں بلانے کا مقصد صرف دادا کا پیغام آپ تک پہنچانا ہے۔'' اس شخص نے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ سجا کر جواب دیا تھا۔۔۔ وہ شاید عالی جاہ کے گرگوں کی بوکھلاہٹ سے محفوظ ہوا تھا۔

''کیسا پیغام؟'' عالی جاہ کی آنکھوں میں اس بار تجسس کا رنگ نمایاں تھا۔

''دادا کو ان ہتھیاروں کے بدلے رقم کی بجائے کسی کی موت چاہیے ہے۔'' اس شخص کی بات پر عالی جاہ نے ایک بلند و بانگ قہقہہ لگایا جو اس ویرانے میں دور دور تک گونجا تھا۔

”کیا ہی عجب بات ہے کہ اس شہر کے دادا کو کسی کی جان لینے کے لیے کسی اور کی مدد کی ضرورت آن پڑی ہے۔“ عالی جاہ کے لہجے میں حیرت واستعجاب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جیسے ابھی بھی اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

”دادا نے کہا تھا کہ آپ یہ سوال کریں تو آپ کو بتادوں کہ مرنے والے کو مروانا کیسے ہے۔“ انوار نے بنا کوئی اثر لیے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

”وہ بھی پوچھ لیں گے، پہلے یہ تو بتاؤ کہ کون ہے وہ خوش نصیب جو اکرم دادا کی گولیوں سے بچ کر عالی جاہ کے ہاتھوں میں تڑپنے کا منتظر ہے؟“ عالی جاہ نے اس بار پیشہ ورانہ انداز اپنایا لیکن اس کا لہجہ خود پسندی سے بھرپور تھا۔

”اسے کسی کے ہاتھوں میں تڑپنا ہی تو نہیں ہے۔۔۔نہ ہی اسے کسی گولی سے مارنا ہے۔۔۔اس کی موت حادثہ لگنی چاہیے لیکن اس کا الزام بھی ہماری من چاہی ہستی پہ لگنا ضروری ہے۔“ انوار کی بات پر عالی جاہ کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

”کون ہے وہ؟“اس بار عالی جاہ کا انداز اور لہجہ، دونوں ہی دوٹوک تھے۔

”مرنے والے کا نام ہے حسامہ سہگل اور مارنے والی کا۔۔۔“انوار کی بات پر عالی جاہ نے لطف اندوز ہونے والے انداز میں باقی کی تفصیل پوچھی تو وہ اسے سارے معاملات سے آگاہی دینے لگا۔۔۔اس ملاقات کے اختتام سے کچھ ہی دیر بعد رات کی تیرگی، کئی رازوں کو اپنے اندر سمو کر اک نئے سویرے کی صورت طلوع ہو گئی تھی۔

اک نیا سویرا اپنے ساتھ بہت سے اسرار لے کر طلوع ہوا تھا۔۔۔سورج کی روپہلی کرنیں چہار سو پھیلتیں، سارے عالم کو منور کرتی نظر آتی تھیں۔۔۔سازشوں کے جال میں جکڑا شاہ خاور خود کو

آزاد کروانے کی کوشش میں کبھی بادلوں کی اوٹ میں پناہ لیتا تو کبھی ان بدلیوں کو جھپٹا کر پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔۔۔ بادلوں اور سورج کی یہ آنکھ مچولی یوں ہی جاری تھی جب شہر کے کاروباری مرکز کے وسط میں بنی ایک کئی منزلہ عمارت کی پانچویں منزل پر واقع لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ برآمد ہونے والے شخص نے اردگرد موجود تمام نفوس کو مزید مستعد ہو کر کام کرنے کے لیے چوکنا کر دیا تھا۔

گہرے سرمئی رنگ کے کوٹ پتلون میں متناسب سراپے، سرمئی اور سیاہ امتزاج کے بالوں کو سلیقے سے ترتیب دیے، سیاہ چمکتے جوتوں میں مقید پیروں کے ساتھ مضبوط قدم اٹھاتے اس شخص کی گہری بھوری آنکھوں میں آباد حزن کا ایک جہاں، اس کی شخصیت کو ایک عجیب سی تمکنت بخش رہا تھا۔۔۔ اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی اس کے وقار کو چار چاند لگا رہی تھی۔۔۔ اپنے اردگرد کام کرتے لوگوں کو سر کے اشارے سے ان کے سلام کا جواب دیتا وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا جب اپنے دفتر سے کچھ فاصلے پر دھرے ڈیسک کے پیچھے موجود لڑکی نے سلام کے بعد مزید اسے مخاطب کیا تھا:

"سر! مادام جازمہ اندر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" اپنی ماتحت کی بات پر وہ شخص ایک پل کو ٹھٹھک کر رکا اور اس کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری چھلکی جسے وہ فوراً ہی سر جھٹک کر چھپا گیا تھا۔

"معذرت سر! میں نے انھیں باہر انتظار کرنے کا کہا تھا لیکن وہ بضد تھیں کہ وہ آپ کے دفتر میں ہی بیٹھیں گی۔" اپنے باس کے یک دم رکنے پر اس نے مزید وضاحت کی تو وہ شخص محض سر ہلا کر، بنا کچھ کہے پھر سے آگے بڑھ گیا تھا۔

"سہگل سر کتنے شائستہ اور ٹھہرے ہوئے مزاج کے ہیں نا!" اپنے پیچھے کسی ماتحت کے تبصرے نے اس شخص کی سماعتوں کو بھی سیراب کیا تو وہ بے ساختہ کرب سے آنکھیں میچ گیا۔۔۔کون جانتا تھا وہاں کہ اس کی ذات کے اس ٹھہراؤ کے پیچھے کتنے طوفان پنہاں تھے۔۔۔اپنے دفتر کے دروازے پر ایک پل کو رک کر اس نے ایک گہرا سانس بھرتے، خود کو پر سکون کیا اور پھر اگلے ہی پل دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو چکا تھا۔

سفید و سرمئی امتزاج کے اس کمرے میں موجود ہر شے اس کے مالک کی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھی۔۔۔ قیمتی سجاوٹی سامان سے زیادہ اس کمرے کی آرائش وزیبائش کے دوران چیزوں کی ترتیب کا رکھا گیا دھیان، اس جگہ کو مزید شاندار بناتا تھا۔ سامنے کی دیوار پر جس مہارت سے ایک قدرتی منظر تخلیق کیا گیا تھا، پہلی بار دیکھنے والا اسے حقیقی ہی تصور کرتا۔۔۔ اسی منظر سے آگے، کچھ فاصلے پر موجود سفید صوفہ نما کرسیوں میں سے ایک پر براجمان لڑکی اسی منظر کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔۔۔ صوفے کے ہتھے پر کہنی جمائے، اپنے ہاتھ کی مٹھی پر سر ٹکا کر بیٹھی وہ شاید کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

''ہائے سیم! آج بہت دیر سے آئے۔'' وہ کمرے میں داخل ہوا تو ایک جانب لگے صوفوں میں سے ایک پر براجمان طرح دار سی لڑکی اپنی جگہ چھوڑتی، پرجوش سے انداز میں اس کی طرف بڑھی لیکن اسے بیچ میں ہی رک جانا پڑا کیوں کہ وہ ہاتھ اٹھا کر اسے مزید آگے بڑھنے سے روک گیا تھا ورنہ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس کے گلے کا ہار ہی بن جاتی۔

''کیوں آئی ہو یہاں؟''اپنی کرسی کی طرف بڑھتے،اس نے بے تاثر انداز میں استفسار کیا تھا۔

''اور کہیں تم ملتے نہیں،تو پھر یہی ایک جگہ بچتی ہے جہاں سے تم بھاگ نہیں سکتے۔''لجاحت سے کہتی،وہ اس کی کرسی کے آگے رکھے میز کی مخالف سمت موجود نشست سنبھال گئی تھی۔

''ہمارے ملنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا سو مجھے تم سے بھاگنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔۔۔تمھارا معاوضہ تمھیں مل چکا ہے سو اب تم جا سکتی ہو۔''اس شخص نے بے لچک انداز میں کہتے،ہاتھ کے اشارے سے اس کی توجہ دروازے کی سمت مبذول کر کے،خود اپنے سامنے رکھا لیپ ٹاپ کھول لیا۔۔۔اس کا لہجہ اس بار بھی بے تاثر ہی تھا۔۔۔ایک نظر لیپ ٹاپ پر نگاہیں دوڑاتے شخص پر ڈال کر وہ دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

"لیکن مجھے تو تم چاہیے ہو۔" دروازے سے باہر جانے کی بجائے وہ لڑکی اسے مقفل کر کے اس کی جانب آ کر رکتے، اک ادا سے بولی تو اس کے بے تاثر چہرے پر اس سارے عرصے میں پہلی بار ناگواری ابھری تھی۔

"تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے اپنے کسی اچھے برے عمل کے لیے مقفل دروازوں کی ضرورت نہیں سو اپنے دل سے یہ خیال نکال دو کہ تم مجھے یوں زیر کر سکتی ہو۔" مقابل کے لہجے کی ٹھنڈک اس لڑکی کو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی لیکن اس کے بھڑکتے جذبات ابھی بھی سرد نہ پڑے تھے۔

"میں نے تو دروازہ اس لیے بند کیا ہے کہ کوئی ہمیں پریشان نہ کر سکے۔" وہ کہتے ساتھ ہی اس شخص کی جانب جھکی لیکن اگلے ہی پل وہ ایک زوردار جھٹکے سے زمین بوس ہو چکی تھی۔

"میں عورت سمجھ کر اگر تمھارا لحاظ کر رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اپنی حدود بھول جاؤ۔۔۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، جسم فروشی تمھارا منشور کبھی نہیں رہا تو پھر آج تم اپنی یہ عادت

کیوں بھول رہی ہو؟'' زمین پر گری وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مقابل کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر پھیلی سنجیدگی اس کا دل ہولا گئی۔۔۔ وہ اسے بازو سے دبوچ کر ایک کرسی پر دھکیلتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔

''میں تم سے محبت۔۔۔۔'' اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا لیکن اس نے ہار ابھی بھی نہ مانی کہ اسے خود کو دیا گیا کام پورا کرنا تھا۔

''چپ۔۔۔ ایک دم چپ!'' اس شخص کی تیز دھاڑ، جازمہ کے بقیہ الفاظ اس کے منہ میں ہی دبا گئی تھی۔

''یہ سب بکواس کرنے سے پہلے کم از کم اپنی عمر کا ہی لحاظ کر لیا ہوتا۔۔۔ جانتی ہی کیا ہو تم محبت کے بارے میں؟ جو یوں بے دھڑک کسی غیر مرد کے کمرے میں چلی آئیں۔۔۔ محبت کو چور راستوں کی ضرورت کبھی نہیں ہوتی۔۔۔ بنا کسی رشتے کے مقفل دروازوں کے پیچھے موجود نفوس میں کوئی بھی

جذبہ ہو سکتا ہے لیکن محبت نہیں۔''اس کی بات پر وہ لڑکی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونا شروع کر چکی تھی۔

''کس کے کہنے پر آئی ہو تم یہاں؟''کچھ پل رو چکنے کے بعد جب وہ تھوڑا سنبھلی ہوئی لگی تو اس کے دریافت کرتے ہی جازمہ اگلے پل کسی رٹو طوطے کی طرح شروع ہو چکی تھی۔

''میری ایک بات یاد رکھنا! تمھاری مجبوری چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن آئندہ کبھی بھی یوں کسی بھی غیر مرد کے پاس جانے کی غلطی ہر گز نہ کرنا۔۔۔ضروری نہیں کہ ہر مرد اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔۔۔تم اب جاسکتی ہو۔''اس کی بات سننے کے بعد وہ شخص اسے نصیحت کرتا، جانے کا عندیہ دے گیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کے مصداق وہاں سے نکلی تھی۔۔۔اس کی تیزی پر اس شخص کے چہرے پر محض ایک پل کو نا محسوس سا تبسم بکھرا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر اپنا فون ہاتھ میں لیتے، اس پر کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔

یہ صدر بازار کی ایک وسیع و عریض سڑک تھی لیکن سڑک کے دونوں جانب قریب ہر دکان کے باہر موجود موٹر سائیکل یا گاڑیوں نے آدھی سے زیادہ سڑک کو گھیر رکھا تھا جس کے باعث وہاں سے گزرنے والی ٹریفک کو رش کی صورت میں ڈرائیور حضرات کو کافی پریشانی بھی ہوتی۔۔۔ابھی بھی موٹر سائیکلوں کی دو تین قطاروں کے باعث ایک شاندار سی گاڑی کو وہاں سے نکلنے میں خاصی دقت کا سامنا ہو رہا تھا۔

"یااللہ!" گاڑی میں سوار شخص جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش میں تھا جب آگے چلتی دو لڑکیوں کی جانب سے گاڑی تھوڑا ترچھا رخ کر کے نکالنے کی تگ ودو میں نا چاہتے ہوئے بھی اس کی گاڑی کے باہنی جانب والا عدسہ ان لڑکیوں میں سے ایک کی کہنی سے ٹکرا گیا جس کے نتیجے میں اس کے ہاتھ میں موجود سامان زمین پہ گر گیا۔۔۔وہ لڑکی بے ساختہ اپنا بازو تھامتی، نیچے کو جھکی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ کوفت و پریشانی کے ملے جلے تاثرات سمیت بڑبڑایا۔۔۔وہ گاڑی روک کر اس لڑکی کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن وہاں گاڑی روکنے کا مطلب تھا کہ پہلے سے موجود ٹریفک کے جم غفیر کو مزید بڑھانا۔۔ بالفرض وہ گاڑی روک بھی لیتا تو اطراف میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ دروازہ کھول کر باہر ہی نکل سکتا سو اس کا ارادہ کچھ فاصلے پر واقع موڑ کاٹ کر سڑک کے دوسری جانب گاڑی کھڑی کر کے اس طرف آنے کا تھا۔۔اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے، پچھلے شیشے سے اپنے عقب میں نگاہ دوڑائی تو اسی لڑکی کو ہاتھ اٹھا کر کچھ کہتے ہوئے دیکھا۔۔اس کے لبوں کو ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔۔۔وہ سر جھٹک کر اپنی توجہ سامنے موڑ پر ٹکا گیا۔

"لگتا ہے جے زی نے زبان کھول دی ہے۔" وہ موڑ کاٹ کر گاڑی سے نکلنے کا ارادہ باندھ ہی رہا تھا جب اس کے فون کی بجتی گھنٹی نے اس کا دھیان بٹایا۔۔۔وہ رابطہ بحال کر کے فون پر بات کرنے لگا تھا۔

-________________________

وہ اپنی دوست سے باتوں کے دوران چلتے چلتے ہاتھ میں پکڑے تھیلوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے، رکشہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہی تھی جب ایک گاڑی نے ان کے عین پیچھے سے نکل کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔

"اففف! کتنی گرمی ہے آج؟ کوئی رکشہ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔" چادر کے پلو سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتی، وہ ساتھ چلتی جلیشہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ہاں تو کس نے کہا تھا کہ اتنی گرمی میں نکلو گھر سے۔۔۔ایک تو رش اتنا ہے اور اوپر سے کوئی رکشہ بھی خالی نہیں مل رہا۔" جلیشہ نے جل کر کہتے، اس کی مسکراہٹ کو باہر کا راستہ دکھایا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہم لوگ پیدل گھر چلے جائیں گے۔" اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی جب ان کے ساتھ سے نکلتی گاڑی کا جانبی شیشہ اس کی کہنی سے ٹکراتے اسے کراہنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"یا اللہ!" اسے درد کی ایک شدید لہر اپنی کہنی میں دوڑتی محسوس ہوئی۔۔۔دوسرے ہاتھ سے بازو تھامتے وہ بے ساختہ دوہری ہوئی تھی۔

"رائقہ! تم ٹھیک ہو؟" جلیشہ نے اسے کندھے سے تھام کر سہارا دیتے، فکرمندی سے استفسار کیا تھا۔

"کیسے جاہل لوگ ہیں! گاڑیاں اتنی شاندار رکھی ہوئی ہیں اور چلانے کی تمیز رتی بھر بھی نہیں۔۔۔ اتنا بھی شعور نہیں کہ کسی کو تکلیف دینے کے بعد از راہ ندامت رک بھی جاتے ہیں۔" اس کے سر ہلانے پر جلیشہ نے اس گاڑی والے کو کوسا تھا۔

"رکو تم! کدھر جا رہے ہو؟" رائقہ نے اس کی بات پر سر اٹھا کر اس سمت دیکھا جدھر وہ گاڑی والا جا رہا تھا۔۔۔وہ بے ساختہ اپنی تکلیف بھلا کر اسے پکارنے لگی لیکن گاڑی میں سوار شخص کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے آگے بڑھ گیا تھا۔

''بیٹا! آپ ٹھیک ہیں؟'' گرمی ہونے کے باعث اس وقت سڑک پر پیدل چلتے لوگ نہ ہونے کے برابر تھے اور جو تھے بھی وہ گاڑی، رکشوں میں ہی سوار تھے سوایک دکان کا دروازہ کھول کر آتے ادھیڑ عمر جوڑے کو ان تک پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی ورنہ شاید وہ اس گاڑی والے کو روک ہی لیتے۔

''جی شکریہ!'' رائقہ نے کہنی سہلاتے ہوئے، مروت کے مارے دو لفظی جواب دیا تھا۔۔اس کا ارادہ جلد از جلد اس گاڑی والے کو اس کے موڑ کاٹنے سے پہلے ہی گردن سے دبوچنے کا تھا کہ اگر وہ مڑ جاتا تو سڑک کے دوسری جانب ٹریفک کم ہونے کی وجہ سے وہ جلد ہی وہاں سے نکل جاتا لیکن ان انکل آنٹی کی وجہ سے وہ رکی رہی۔۔۔ نظریں ہنوز اس گاڑی کا پیچھا کر رہی تھیں۔

''دکھاؤ کہیں زیادہ تو نہیں لگی۔'' اس خاتون کے لہجے کی فکرمندی پر رائقہ یک دم انھیں منع نہیں کر پائی تھی۔

”انسانیت نام کی تو چیز ہی نہیں ہے آج کل کے نوجوانوں میں۔۔۔ہر وقت بس دوڑے پھرتے ہیں۔۔۔اگر غلطی سے بھی لگ ہی گئی تھی گاڑی تو انسان ایک پل کو رک کر اگلے کی خیریت ہی دریافت کرلیتا ہے۔“وہ خاتون اس کے بازو کا جائزہ لینے لگیں جب کہ ان کے ساتھ موجود قریب انھی کا ہم عمر مرد اب اس گاڑی والے کی شان میں قصیدے پڑھنے میں مگن تھا۔

”بچت ہو گئی ہے۔۔۔بالکل ہلکی سی سوجن ہے، گھر جا کر نمک ملے پانی کی ٹکور کرنا تو فوری آرام آ جائے گا۔۔۔یہ لو تمھارے انکل نے رکشہ روک دیا ہے، تم اپنا پتا بتا دو ان کو۔“وہ خاتون اسے نصیحتوں سے نوازنے لگیں جب کہ انکل بنا پوچھے ہی رش چھٹنے پر ان کے لیے کوئی سواری دیکھنے لگے تھے۔۔۔ایک رکشہ کے رکتے ہی اس خاتون نے جلیشہ کو مخاطب کیا تو وہ سر ہلا کر اسے مطلوبہ پتا بتانے لگی۔

”منحوس انسان! بچ گیا میرے ہاتھوں۔۔۔ایک بار ملے تو اس کا گلا دبا کر ہی دم لوں۔“رکشہ میں سوار ہوتے ہی رائقہ نے تپے ہوئے لہجے میں کہا تو جلیشہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔۔حساب برابر نہ ہونے پر اسے اپنی دوست کی کوفت کا اچھے سے اندازہ تھا۔

”ارے رکو رکو بھائی۔۔۔رکو!“رکشہ جیسے ہی موڑ مڑا تو رائقہ کی نگاہ ایک جانب کھڑی گاڑی پر پڑی۔۔۔۔اس کے یک دم چیخنے پر رکشہ ڈرائیور نے بے ساختہ بریک دبائی تھی۔

”جاہل انسان! مجھے زخمی کر کے خود یہاں گپیں لڑا رہا ہے کسی سے۔۔۔اس کو تو میں ابھی پوچھتی ہوں۔“ان کا رکشہ گاڑی کے برابر ہی رکا تھا سو رائقہ اسے دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلی اور کسی کے بھی کچھ سمجھ آنے سے پہلے وہ جلیشہ کے ہاتھ میں پکڑا شاپر کھینچ کر، پوری قوت سے اس کی گاڑی کے شیشے پر مار چکی تھی۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں سر؟'' رابطہ بحال کرتے ہیں اس نے معصومیت بھری خوش دلی سے مخاطب کو سلام جھاڑا تھا۔

''وعلیکم السلام! سر کے بچے یہ کیا حرکت تھی؟'' جوابی سلامتی بھیجتے ہی مقابل نے اس کی کھنچائی شروع کر دی تھی۔

''کون سی حرکت؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' اس نے ان جان بننے کی بھرپور اداکاری کی تھی۔

''حمود ربانی!'' اس بار ان کے لہجے میں ہلکی سی تنبیہ تھی لیکن اس پر کچھ خاص اثر نہ ہوا۔

''جی سہگل سر!'' اس نے اپنی اداکاری ہنوز جاری رکھی تھی۔

''تم نے جے زی کو میرے دفتر کیوں بھیجا تھا؟'' اس بار مخاطب نے سیدھا سیدھا سوال کیا تھا۔

”میں بھلا کیوں بھیجوں گا اسے؟“ اس کے سوال در سوال پر فون کے پار موجود حسامہ سہگل نے اپنے دانت پیسے، گویا اسے سالم نگلنے کا ارادہ ہو۔

”حمود! یہ تم بھی جانتے ہو کہ وہ خود سے یہ جرات نہیں کر سکتی، یہ تمھاری دی ہوئی شہ کی ہی بدولت ہے۔“ ایک گہرا سانس خارج کر کے، اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

”وہ آپ سے ملنا چاہتی تھی۔“ حمود نے بھی اس بار صاف جواب دیا تھا۔

”میں اس سے نہیں ملنا چاہتا سو دوبارہ یہ حرکت مت کرنا۔۔۔ ویسے بھی مجھے نہیں لگتا کہ تم اس ملاقات کے اصل مقصد سے بے خبر ہو گے۔“ اس نے بات ختم کرنا چاہی لیکن حمود کو ابھی مزید بات کرنی تھی۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے، آپ کب تک یوں اکیلے رہیں گے؟" حمود کا یہ بات ختم کرنے کا شاید کوئی ارادہ نہ تھا سو اس نے اس کی مؤخر الذکر بات پر دھیان دینا بھی ضروری نہ سمجھا۔۔۔ اس ساری گفتگو کے دوران وہ کچھ دیر قبل ہوئے واقعہ کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔

"اس کی نہیں تو کم از کم میری عمر کا ہی لحاظ کر لیتے تم۔۔۔ تمھیں اندازہ بھی ہے کہ اس کی میرے دفتر میں یوں بلاوجہ آمد اس کے لیے کتنے مسائل کو جنم دے سکتی ہے؟" حسامہ کا لہجہ تنبیہ بھرا تھا۔

"حسامہ سر! یہ بات آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ عمروں کا فرق ان چیزوں میں کوئی معنی نہیں رکھتا اور آپ کوئی ضعیف النفس انسان ہوتے تو مجھے اسے بھیجتے ہوئے کچھ سوچنا ضرور پڑتا۔" حمود کی بات پر حسامہ سہگل نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

"حمود! جانتے ہو ایک مرد کے لیے سب سے قیمتی متاع ایک نیک عورت ہوتی ہے اور جو لوگ اس نعمت کی ناقدری کر دیں، وہ پھر کسی انعام کے حقدار نہیں رہتے۔۔۔ ایسے ہی کسی گناہ کا ارتکاب کر کے میں اپنی زندگی کا یہ باب بہت پہلے بند کر چکا ہوں اور میں کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ

ان مقفل دروازوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی کوشش بھی کرے۔'' حسامہ کا لہجہ اس بارے قدرے خشک اور دوٹوک تھا۔

''جو ہوا آپ اسے بھول کیوں۔۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، اس کی نشست کے مخالف سمت والی کھڑکی پر کسی چیز سے ایک زوردار ضرب لگائی گئی تھی۔ حمود نے اپنی بات بیچ ہی اپنی توجہ اس جانب موڑتے، اس طرف کا شیشہ نیچے کر کے صورت حال کا جائزہ لینا چاہا جس پر ایک لمبی لکیر پڑ چکی تھی۔ اسی پل ایک لڑکی کھلے شیشے سے نیچے جھکی تھی۔

''باہر نکلو لاٹ صاحب!'' حمود اسے دیکھتے ہی پہچان چکا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس سے وہ کچھ دیر پہلے معافی کا ارادہ باندھ رہا تھا۔۔ وہ ایک گہرا سانس بھرتے، فون کی طرف متوجہ ہوا۔

''انکل! میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔'' اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر ہی وہ رابطہ منقطع کر کے واپس اس لڑکی کی جانب مڑا جو کھڑکی سے جھانکتی، اپنی شعلہ بار نگاہوں سے اسے بھسم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''دیکھیں محترمہ! میں کچھ دیر پہلے ہوئے واقعہ کو لے کر معذرت خواہ ہوں۔۔۔میں نے وہ جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔''اپنی گاڑی کے شیشے پر لگنے والی ضرب کو نظرانداز کرتے،اس نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی معاملہ سلجھانے کی کوشش کی کہ کچھ دیر پہلے واقعی غلطی اس کی ہی تھی۔

''آپ کتنے شرمندہ ہیں، یہ مجھے بہت اچھے سے نظر آرہا ہے۔۔۔اسی لئے مضروب کا حال پوچھنے کی بجائے آپ یہاں بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔''رائقہ کسی طور اسے بخشنے پر تیار نہ تھی۔

''آپ یہاں تک آکر اتنی تندی سے بحث کر رہی ہیں تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں سو میرا نہیں خیال کہ مجھے اب آپ کی خیریت دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔''اس بار حمود نے بھی جواب دینے میں کوئی لحاظ روا نہیں رکھا تھا۔۔۔اسے اس لڑکی کے اکھڑ انداز پر تپ چڑھی سو وہ اپنی غلطی ماننے کا ارادہ موقوف کر گیا تھا۔

''رکو تم! اسے کہتے ہیں کہ ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری! کتنی ڈھٹائی سے آپ اپنی غلطی پر پردہ ڈال رہے ہیں۔''رائقہ کے تو سر میں لگی اور تلوؤں میں جا کر بجھی تھی۔وہ بھڑک ہی اٹھی،اس

کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو گھسیٹ کر باہر نکال پھینکتی۔۔۔ جلیشہ کے اس کا بازو تھامنے پر وہ اسے ٹوکتی، پھر سے حمود کو کھری کھری سنانے لگی تھی۔

"محترمہ آپ بلاوجہ بحث کو طول دے رہی ہیں۔ ٹھیک ہے آپ کو لگی، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ اب جان چھوڑیں میری۔۔۔ فضول میں میرے گلے پڑ رہی ہیں۔" وہ سخت کوفت کا شکار ہو کر بولتا، آخر میں پھر سے اسے بھڑکا گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمھاری بات کا؟ میں کیوں تمھارے گلے پڑنے لگی۔۔۔ کہیں کے راجہ اندر ہو ناں تم جو اتنا اترا رہے ہو۔۔۔ پہلے تو میرا بازو توڑ ڈالا اور اب معافی یوں لٹھ مار انداز میں مانگ رہے ہو گویا مجھ پر کوئی احسان کر رہے ہو۔۔۔ میرا تو خیال ہے کہ مجھے پولیس کو ہی بلا لینا چاہیے۔" رائقہ کی دھمکی پر اسے بھی تپ چڑھی تھی۔

"غلطی ہو گئی جو منھ کی بجائے آپ کے بازو کو ٹکر ماری دی۔۔۔ بلائیں پولیس کو، میں بھی دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔۔۔ آپ کی چتر چتر چلتی زبان دیکھ کر کوئی نہیں مانے گا کہ میں نے گاڑی ٹھوکی ہے لیکن جو تم نے میری گاڑی کے شیشے پر اپنا تھیلا مار کر اس کی اسکرین خراب کی ہے ناں، اس پر میں

ضرور تمھیں پولیس کے حوالے کروں گا۔'' حمود نے بھی اس بار کوئی کسر نہ چھوڑی، رائقہ کی دیکھا دیکھی وہ بھی آپ سے سیدھا تم پر آیا تھا۔اس کی بات پر رائقہ تو نہیں لیکن جلیشہ ضرور ڈر گئی تھی۔۔۔اس نے پوری قوت سے رائقہ کو بازو سے تھام کر پیچھے کی طرف کھینچا تھا۔

''رائقہ! چلو یہاں سے۔۔۔لوگ اکٹھے ہونے لگے ہیں، خوامخواہ ہی کوئی تماشا کھڑا ہو جائے گا۔'' جلیشہ اس کی مزاحمت کو ناکام بناتی، اسے اپنے ساتھ ایک طرف موجود رکشہ کی جانب کھینچ رہی تھی۔

''ارے جاؤ جاؤ! میں ڈرتی نہیں تم سے۔۔۔دوبارہ میرے سامنے آئے تو پھر بتاؤں گی تمھیں۔۔۔ابھی تو صرف ایک ضرب لگائی ہے ناں، اگلی بار میرے سامنے آئے تو میں تمھاری گاڑی سمیت تمھیں بھی کھٹارا کر دوں گی۔'' جلیشہ کے ساتھ گھسیٹتی رائقہ ابھی بھی اسے للکار رہی تھی۔۔۔اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو اس کی گاڑی سمیت دریا برد کر دیتی۔۔۔رکشہ میں سوار ہونے تک وہ مڑ مڑ کر اسے دھمکیاں دیتی رہی تھی۔

''پاگل!'' حمود ایک نظر اس پر ڈالتے، سر جھٹک کر زیر لب بڑبڑاتا گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔۔۔آج کی یہ ملاقات ان دونوں کو ایک لمبے عرصے تک یاد رہنے والی تھی۔

تپتی دوپہر میں گرمی کی شدت کے باعث اسپتال کی راہداریوں میں حبس کچھ مزید بڑھ گیا تھا۔۔۔ جلتا سورج لوگوں کی آنکھیں چندھیا کر گویا ان کی بینائی ہی چھیننے کے درپے تھا۔۔۔ وہ جو سورج کی اسی کارستانی سے نپٹنے کے لیے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر اپنی بصارت بحال کرنے کی تگ و دو کر رہی تھیں، تیز دھوپ کی بدولت وہ اس کوشش میں ناکام ہوتیں نیم تاریک راہداری کا موڑ کاٹ کر آنے والے شخص سے ٹکرا گئیں۔۔۔ اس تصادم کے نتیجے میں ان دونوں کے ہی ہاتھ میں پکڑی طبّی دستاویزات چھوٹ کر نیچے گری تھیں۔

”سنبھل کر!“ مقابل نے ایک بازو سے تھام کر انھیں گرنے سے بچاتے، انھیں سیدھا کر کے، نگاہ نیچے گرے کاغذوں پر ڈالی تھی۔

”اوہ! یہ تو سارے گڈمڈ ہو گئے۔“ اس شخص نے ان پر نگاہ ڈالے بنا ہی نیچے بیٹھ کر وہ طبّی کاغذات سمیٹنے شروع کر دیے جب کہ وہ خاتون تو ان کی آواز سنتے ہی گویا پتھر کی ہوئی تھیں۔۔۔ اپنی بصارتوں کے اسپتال کی اس راہداری سے متعارف ہوتے ہی انھوں نے نظریں سر جھکا کر نیچے بکھرے کاغذ کے ٹکڑوں کو چنتے شخص پر گاڑھی تھیں۔۔۔ اس شخص کا چہرہ دیکھے بنا بھی وہ اک پل

میں اسے پہچان گئیں کہ وہ شخص بھلے سے ان کے ساتھ نہ تھا لیکن یہ آواز تو ہر رات ان کے ساتھ محو خواب ہوا کرتی تھی۔

''حسامہ!'' ان کے لبوں نے بے آواز سرگوشی کی تو وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہوئی تھیں۔۔۔ دوسری جانب ایک رپورٹ اٹھا کر نام کی تصدیق کے لیے اس پر نگاہیں دوڑاتے وجود نے بھی ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔۔۔ یہ نام اتنا عام تو ہرگز نہیں تھا کہ وہ ٹھٹھک نہ جاتے۔۔۔ کسی انہونی کا احساس ان دونوں کو ہی لرزائے دے رہا تھا۔

''حاویہ!'' وہ بے آواز ان کا نام پکارتے، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''نہیں!'' حاویہ نفی میں سر ہلاتے، الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھیں۔

''حاویہ! رکو، میری بات سنو!'' انھیں یک دم پلٹ کر، تیز قدموں سے باہر کی جانب جاتے دیکھ کر وہ ان کے پیچھے لپکے تھے۔

''سر!'' ان کا مصاحب خاص بھی ان کے پیچھے لپکا جو ڈاکٹر سے ان کے معائنے کے بارے میں معلومات لیتا، وہاں آیا تھا۔

''نذیر! یہ سارے کاغذات سمیٹو۔'' وہ چلتے چلتے ہی اسے ہدایت دے کر خود حاویہ کے پیچھے بھاگے جو دوڑنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی تھیں۔

''حاویہ! حاویہ تم ٹھیک ہو؟'' حسامہ نے ان کے زمین بوس ہونے سے پہلے ہی انھیں تھام لیا جن کا سانس پھول کر دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

''حسامہ!'' گہرا سانس بھرتے انھوں نے اپنے سامنے کھڑے وجود کو پکارا تھا۔

''حاویہ!'' وہ کچھ پوچھتے یا کہتے، اس سے پہلے ہی حاویہ بے دم ہو کر لہراتی ہوئیں ان کی بانہوں میں جھول گئی تھیں۔

''کوئی اسٹریچر لاؤ جلدی!'' حسامہ نے انھیں سہارا دے کر سنبھالتے، زوردار آواز میں مدد طلب کی تھی۔۔۔ اگلے کچھ ہی پلوں میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں ڈاکٹر ان کا معائنہ کر رہے تھے۔

''ڈاکٹر انجم! سب ٹھیک ہے نا؟'' ڈاکٹر حاویہ کا معائنہ کر کے باہر نکلے تو حسامہ نے ان میں سے سب سے تجربہ کار ڈاکٹر کو مخاطب کیا تھا۔

''آپ میرے ساتھ آئیں۔'' وہ انھیں لیے اپنے دفتر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''مسٹر حسامہ! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کا مریضہ سے کیا رشتہ ہے؟'' ڈاکٹر انجم کے سوال پر حسامہ سہگل کے ماتھے پر سوچ کی کچھ پرچھائیاں، شکنوں کی صورت نمودار ہوئی تھیں۔۔۔ وہ ان کے سوال کا جواب دینے کے لیے الفاظ ترتیب دینے لگے۔۔۔ انھیں کہاں علم تھا کہ زندگی میں کبھی ایسا مقام بھی آنا تھا کہ زندگی اور موت کے بیچ جھولتی، اس ہستی کے ساتھ اپنے رشتے کا تعارف

کروانے کے لیے انھیں کسی سوچ بچار سے کام لینا پڑنا تھا۔۔اس سوال کا جواب ماضی کے پنوں پر اٹی گرد جھاڑنے کو تھا۔

سفر تمام ہوا، راستے تمام ہوئے
سحر ہوئے نہ تری ہم، نا تیری شام ہوئے
نہیں تھا تجھ میں ذرا سا بھی وصفِ شہنشہی
سو دیکھ ایسے میں ہم پھر ترے غلام ہوئے
وہ باتیں ہائے وہ باتیں، وہ رس بھری باتیں
کہ جب وہ نینوں سے دو نین ہم کلام ہوئے
اُسے تو یار! کوئی فرق ہی نہیں پڑتا
ہم اُس کی زیست میں جیسے برائے نام ہوئے

چلو یہ ٹھیک ہوا تم سے جان چھوٹ گئی

ہمیشہ کل پہ جو ڈالے وہ سارے کام ہوئے

ہم اپنے آپ کو اک روز ڈھونڈنے نکلے

تجھے بھی کھو دیا، سوا بھی گام گام ہوئے

زین شکیل

گھر آنے تک رائقہ کے غصے کا پیمانہ کچھ مزید بڑھ چکا تھا۔۔۔وہ سارا راستہ جلیشہ کو سناتی آئی تھی لیکن اس کے اندر کی بھڑاس ہنوز یوں ہی برقرار رہی۔۔۔اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ابھی بھی جا کر اس شخص کی گردن مروڑ آئے۔ل، جو اسے اتنا کچھ سنانے کے بعد بھی وہاں سے سلامت نکل گیا تھا۔

''تم مجھے کھینچتی نہیں تو میں اس شخص کو مزہ چکھاتی اچھی طرح۔۔۔مجھے پولیس کی دھمکی دے رہا تھا۔۔۔ہمت دیکھو ذرا اس کی!'' رکشہ ان کے گھر کی گلی میں داخل ہو گیا لیکن رائقہ کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔۔۔جلیشہ نے ایک کوفت بھری نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔

"رائقہ! اب بس بھی کر دو۔۔۔ جتنے کوسنے تم اس بے چارے کو دے چکی ہو، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی گاڑی سمیت اب تک اس دنیا سے غائب ہی نہ ہو گیا ہو۔" جلیشہ کی بات پر اس نے اوپر کی طرف چہرہ کر کے، ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھائے تھے۔۔۔ جانے اب آمین کہا تھا کہ لاحول ولا پڑھی تھی۔۔۔ وہ مزید بھی کچھ کہتی لیکن اسی وقت جلیشہ کی نشاندھی پر رکشہ ایک دو منزلہ مکان کے آگے رکا تو وہ بھی خلافِ توقع خاموشی سے نیچے اتر آئی تھی۔

"امی! امی جان!" پیسے دے کر، اپنے بیگ میں موجود چابی سے دروازہ کھول کر اندر آتے ہی اس نے حسبِ عادت ماں کو آواز لگائی تھی لیکن جواب ندارد!

"لگتا ہے کہ آنٹی گھر پر نہیں ہیں۔" اپنے پیچھے آتی جلیشہ کی آواز پر اس نے اپنے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔

"صبح ہی امی نے کہا تھا کہ آج انھیں بینک جانا ہے۔" پنکھا چلا کر، سر کے گرد لپٹا دوپٹہ اتار کر ایک جانب اچھالتے، رائقہ نے برآمدے میں بچھے تخت پر جگہ سنبھالی تھی۔

"آہ!" پیچھے کی طرف چت لیٹتے ہی اس کی کہنی تخت سے ٹکرائی تو درد کی ایک شدید لہر اسے اپنے پورے بازو میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس کی کراہ پر ایک طرف دھرے میز پہ سارے لفافے رکھتی جلیشہ تیزی سے آگے آئی تھی۔

"یار! پہلے تو ہلکا ہلکا ہی درد تھا لیکن اب کہنی کے تخت سے لگتے ہی پورے بازو میں درد ہونے لگا ہے۔۔۔ یہ سارا اسی شخص کا قصور ہے۔" رائقہ ایک بار پھر حمود کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع ہو چکی تھی۔۔۔ جلیشہ نے اس کی کسی بھی بات کا جواب دیے بنا اس کی کہنی سے کپڑا ہٹا کر اس کا جائزہ لیا اور پھر اگلے آدھ گھنٹے میں وہ اس پر ہلدی اور تیل میں سینکی ہوئی روئی باندھ کر، اسے سیب کے ساتھ درد کش گولی بھی کھلا چکی تھی۔۔۔ اس دوران اس کے ہاتھوں کی طرح رائقہ کی زبان بھی تیزی سے چلتی رہی لیکن جلیشہ نے اس بار کوئی بھی جواب دینے کی غلطی نہیں کی تھی۔

"اچھا اب بس کرو اور بخش دو اس بے چارے کو۔۔۔ میں گھر جا رہی ہوں۔۔۔ امی نے بھی آج اپنی رپورٹس لینے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" جلیشہ اسے ٹوک کر بنا جواب سنے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی کہ یہاں رکنے کا مطلب تھا نئے سرے سے ساری بحث شروع کرنا۔۔۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئی تھی سو رائقہ وہیں تخت پر نیم دراز منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہی۔۔۔۔ چند پل بعد وہ تھکاوٹ کے باعث وہیں سو چکی تھی۔

یہ کچھ پل حسامہ سہگل کی زندگی کے کٹھن ترین لمحات میں سے تھے۔۔۔ڈاکٹر کا سوال انھیں کئی سال پیچھے لے گیا جب ان کی حاویہ سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔

''اچھا یار! میں اب چلتا ہوں۔'' حسامہ نے اٹھ کر کھڑے ہوتے، ارسلان ربانی کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''ابھی کہاں چل دیے جگر! ابھی تو محفل موسیقی شروع ہوئی ہے۔'' ارسلان نے اس کا ہاتھ تھام کر، اس پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے، اسے رکنے کا عندیہ دیا تو حسامہ نے ایک بے زاری سے بھرپور نگاہ اسٹیج کی طرف دوڑائی جہاں چست قمیض پتلون میں ملبوس لڑکی اچھل اچھل کر جانے کون کون سے راگ الاپ رہی تھی۔

''تم جانتے ہو کہ میں ایسی محافل کا شغف نہیں رکھتا۔'' حسامہ کی بات پر ارسلان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری تھی۔

''فکر نہ کر! تیرے مطلب کی موسیقی کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔'' ارسلان نے اس کا ہاتھ ابھی بھی نہیں چھوڑا تھا۔

''اس بے ہنگم شور شرابے کے بعد تو کچھ بھی سننے کا دل نہیں چاہے گا۔'' حسامہ نے گویا اس کی بات ہوا میں اڑائی۔۔۔وہ مزید کچھ کہتا، اس سے پہلے ہی ارسلان کی بیوی روزینہ ایک سالہ حمود کو اٹھائے

ان کے پاس چلی آئی جس کی سالگرہ کی خوشی میں ہی یہ سارا اہتمام کیا گیا تھا۔۔۔اس کے ساتھ اس کی بہن عنبر بھی ایک ادا سے چلتی ہوئی آئی۔۔۔اسے دیکھتے ہی حسامہ کو خاصی کوفت ہوئی جو بلاوجہ ہی اس سے روابط بڑھانے کی کوششوں میں تھی۔

"روزی! تم ہی سمجھاؤ اسے۔۔۔یہ جانے کی بات کر رہا ہے۔" ارسلان کے چہرے کی شرارتی مسکراہٹ دیکھتے، حسامہ کا دل کیا کہ وہ اسے دو مکے تو رسید کر ہی دے۔۔۔ارسلان اچھے سے جانتا تھا کہ اب وہ مارے مروت کے یہاں سے ہلے گا بھی نہیں!

"کیا ہوا بھائی؟ ہمارا کیا گیا انتظام پسند نہیں آیا آپ کو؟" روزینہ کے لوچ دار آواز میں پوچھے گئے سوال پر حسامہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔۔۔ہر بات دوست کے منہ پر دے مارنے والا حسامہ، اس کی بیوی کے سامنے گھگھیا جایا کرتا تھا۔۔۔مارے مروت کے اس کے منہ سے کم ہی الفاظ نکل پاتے اور ابھی بھی یہی بات ہوئی تھی۔

"نہیں بھابھی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔مجھے بس کچھ کام تھا تو اسی لیے رخصت لینا چاہی۔" اس نے مؤدب سے لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔۔۔ارسلان کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔۔۔مرتا کیا نا کرتا کے مصداق حسامہ کو واپس اپنی جگہ سنبھالنی پڑی۔۔۔بے ہنگم موسیقی اور بے سری آوازوں کے ساتھ ساتھ عنبر کی نگاہوں کے بے باک اشارے اس کی نفیس

طبع پہ خاصے گراں گزر رہے تھے۔۔۔کچھ دیر بعد جب اس کے صبر کی انتہا ہو گئی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر

کہ دل ابھی بھرا نہیں''

وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ ان لفظوں کی تکرار نے اس کے پاؤں زنجیر کیے۔۔۔اسے یوں لگا کہ جیسے کہنے والے نے اپنے پورے دل سے اسے ہی مخاطب کیا ہو۔۔۔وہ ایک جھٹکے سے مڑا تو نگاہ سامنے اسٹیج پر موجود ہستی پہ جا ٹھہری۔۔۔اتنے بے سروں کے بیچ یہ لوچ دار آواز حسامہ سہگل کو پل بھر میں اپنا اسیر کر گئی تھی۔۔۔وہ جو کوئی بھی تھی، بہت زیادہ حسین تو نہ تھی لیکن اس کے چہرے کے نقوش کی ملاحت یوں اسے اپنے سحر میں جکڑ گئی کہ پہلی نظر کی محبت کا تیر اس کے دل میں بہت اندر تک اتر گیا تھا۔

''ابھی ابھی تو آئے ہو

بہار بن کے چھائے ہو''

اس کی آواز میں ایک ایسی مٹھاس تھی کہ حسامہ کو اپنی زندگی کی تمام تر تلخیاں ہوا میں تحلیل ہوتی دکھائی دیں۔۔۔حسامہ کسی سحر کے زیرِ اثر چلتا ہوا اس سمت بڑھا جہاں وہ مغنیہ اپنی آواز کا جادو بکھیر رہی تھی۔

"ہوا ذرا مہک تو لے

نظر ذرا بہک تو لے"

اس نے عین سٹیج کے سامنے کرسی سنبھالی تو ارسلان ربانی کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی۔۔۔کسی کو خاطر میں نہ لانے والا حسامہ سہگل ایک گانے والی کے سامنے یوں چاروں شانے چت ہوا تھا کہ وہ اپنے ارد گرد سے بے نیاز بس اس کے ہی چہرے پر نگاہیں جھکائے بیٹھا رہا۔

"یہ شام ڈھل تو لے ذرا

یہ دل سنبھل تو لے ذرا

میں تھوڑی دیر جی تو لوں"

وہ گا رہی تھی اور حسامہ اس کی آواز کے جادو میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔۔۔وہ تھوڑی دیر جینے کی بات کر رہی تھی اور حسامہ سہگل نے زندگی بھر کے ساتھ کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔وہ لڑکی گاتے ہوئے خود پہ ٹکی حسامہ کی نظروں سے خاصا جز بز ہو رہی تھی لیکن ہائے رے مجبوری! کہ وہ ایک دم اپنی جگہ بھی

نہ چھوڑ سکتی تھی۔۔۔اس تقریب کے میزبان کی فرمائش پر اسے پورے تین گانے گنگنانے پڑے اور اس دوران وہ شخص ایک پل کے لیے بھی وہاں سے نہ ہلا تھا۔

''مسٹر سہگل!'' وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا کہ ڈاکٹر کی آواز پر وہ واپس ہوش کی دنیا میں لوٹا۔

''آپ کا کیا رشتہ ہے ان سے؟'' وہ ماضی کی ایک معروف گلوکارہ تھی سو ڈاکٹر صاحب کا اتنا متجسس ہونا تو بنتا ہی تھا۔

''میری بیوی ہے وہ۔'' انگریزی میں جواب دیتا، وہ اپنے سامنے موجود ڈاکٹر کو بھی حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''آپ مجھے یہ بتائیں کہ ان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟'' اسے مزید کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر ہی حسامہ نے اگلا سوال کر دیا۔۔۔اس بار کچھ پل کے لیے سوچنے کی باری ڈاکٹر کی تھی۔

''وہ جگر کے سرطان کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہیں۔'' حسامہ کو اسپتال کی چھت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی۔۔۔ایک عرصے بعد ملے بھی تو تب، جب جدائی پھر سے سر پر کھڑی تھی۔۔۔۔ حسامہ نے کرسی کے ہتھے پر گرفت مضبوط کرتے، خود کو اس طوفان کے دھارے چھوڑ دیا جو اس کے پورے وجود کو ہچکولوں کی زد میں لیے ہوئے تھا۔۔۔گویائی ایسی سلب ہوئی کہ کتنے ہی پل وہ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''ان کا علاج ممکن۔۔۔'' حسامہ کی بات بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔

''میرے ناقص طبّی علوم کے مطابق ان کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ چھ ماہ ہیں۔۔۔اللہ کے کسی معجزے کے سوا اب انھیں کوئی بھی چیز نہیں بچا سکتی۔'' ڈاکٹر نے گویا بات ہی ختم کر دی لیکن امید کا ایک دیا تو اب بھی روشن تھا کہ رب کائنات چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔۔۔جانے ان کی قسمت میں کوئی معجزہ تھا یا نہیں؟

دوپہر ڈھل کر سہ پہر میں بدلی تو کچھ ہی دیر میں شام نے اپنے پر پھیلانے شروع کر دیے تھے۔۔۔اندھیرے میں ڈوبے اس گھر کے برآمدے میں بچھے تخت پر محو استراحت وجود کی آنکھ بھوک کے احساس کے تحت کھلی تو اس نے چند پل اپنی آنکھوں کو روشنی سے شناسا کروانا چاہا لیکن بے سود! کچھ دیر پلکیں جھپکنے کے بعد بھی اسے کامیابی نہ ہوئی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔۔۔اپنے اطراف میں چھایا ملگجا سا اندھیرا چند ثانیے کے لیے اس کے حواس معطل کر گیا۔۔۔اسے سب سے پہلے خیال اپنی ماں کا آیا جو کہ یقیناً اب تک نہ لوٹی تھی۔

"امی۔۔۔امی جان!"اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے انھیں آواز لگائی مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔۔۔ اندھیرے میں ڈوبا گھر اس کی غیر موجودگی کی علامت تھا لیکن وہ پھر بھی کوشش کرتی رہی۔۔۔۔ چند بار مزید یوں ہی آواز لگانے پر بھی خاموشی ہنوز برقرار رہی تو رائقہ نے سب سے پہلے اٹھ کر صحن کی بتی روشن کی اور پھر بیگ میں سے موبائل نکال کر ماں کا نمبر ملانے لگی۔۔۔دوسری طرف موبائل بند ہونے کی اطلاعی آواز اس کا دل دہلانے کو کافی تھی۔۔۔آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ کہیں گئی ہوں اور مقررہ وقت پر ان کی واپسی نہ ہوئی ہو یا انھوں نے تاخیر کی صورت میں اسے کوئی اطلاع نہ دی ہو۔۔۔اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے لرز رہا تھا۔۔۔وہ کانپتے ہاتھوں سے ایک بار پھر ان کا نمبر ملا کر کان سے لگا گئی لیکن نتیجہ ہنوز پہلے جیسا ہی تھا۔۔۔اندر جانے کی بجائے اس نے تخت سے گھر کی چابی اٹھائی اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گئی۔۔۔اس کا رخ جلیشہ کے گھر کی طرف تھا جو ان کے گھر سے کچھ گھر چھوڑ کر ہی تھا۔۔۔وہاں جاتے ہی انھیں ساری صورتحال سے آگاہ کرتے، رائقہ اب اپنے فون پر پھر سے کوئی نمبر ملا رہی تھی۔

خاکی یونیفارم میں ملبوس وہ ابھی ابھی اپنے عملے کے ہمراہ گشت کر کے لوٹا تھا جب اس کا ایک ماتحت اس کی جانب آیا۔

"سر! ہمارے مخبر کے مطابق عالی جاہ کے جنگل والے اڈے پر آج ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ آنے والی ہے۔" اس کی بات پر وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"خبر پکی ہے؟" اس نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

"جی سر! سو فیصد درست خبر ہے۔۔۔ ہمارا مخبر عالی جاہ کے ایک قریبی ساتھی کا دوست بنا ہوا ہے۔" اس کے ماتحت نے یقین دہانی کروائی تھی۔

"قدیر! کتنی بار بولا ہے کہ ایسے مافیا کے لوگوں کو یوں تکریم سے مت پکارا کرو۔۔۔ یہ لوگ جو ہمارے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں، یہ کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہوتے۔" اثبات میں سر ہلاتے، اس نے اس شخص کو تنبیہ بھی کی تھی۔

"معذرت جناب! بس وہ شخص ہر جگہ اس نام سے پکارا جاتا ہے تو یہی منھ سے نکلتا ہے۔۔۔ لیکن کیا کریں! اس کا اصلی نام بھی بڑا پیارا ہے مگر وہ شخص اس قابل ہی نہیں کہ اسے عبدالکلیم بھی کہیں۔۔۔ اس رب کا بندہ ہو کر اس کی مخلوق کو ایذا پہنچاتا ہے وہ کم بخت! ایسے لوگوں کو تو بیچ سڑک کے لٹکا دینا چاہیے۔" قدیر بھی جوش سے بولتا اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو قدیر! یہ ہمارے نظام کی ہی غلطی ہے کہ اس جیسے درندے یوں آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔۔۔ میرا بس چلے تو ان سب کو چوراہے پر کھڑا کر کے بھون دوں۔۔۔ خیر ہم اپنے حصے کا کام کرتے رہیں گے۔۔۔ ان شاءاللہ کامیابی ضرور ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔"اس نے قدیر کی بات کی تائید کرتے، آخر میں بحث سمیٹی تو وہ بھی سر ہلا کر، اس کے اشارے پر ایک جانب بڑھ گیا جہاں پہلے ہی دو مزید نفوس موجود تھے۔۔۔ وہ لوگ اپنا آگے کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے جب اس کی جیب میں پڑا فون تھرتھرایا۔۔۔ اس نے اس تھرتھراہٹ کو نظرانداز کرتے، اپنی بات جاری رکھی لیکن مسلسل ہوتے ارتعاش نے اسے جیب سے فون نکالنے پر مجبور کیا تھا۔۔۔ فون آنکھوں کے سامنے کرتے ہی نظر آنے والے نام نے اسے چونکایا۔۔۔ وہ بلاوجہ فون کرنے کی عادی ہرگز نہ تھی۔۔۔ اسی سوچ کے ساتھ ہی اس نے رابطہ بحال کر لیا۔

"ایاس!"فون کان سے لگاتے ہی رائقہ کی جانب سے اپنے نام کی گلوگیر پکار اسے مزید حیرت میں غوطہ زن کر گئی۔۔۔ ضرور کوئی سنجیدہ بات تھی ورنہ وہ اتنی آسانی سے تورونے والوں میں سے نہیں تھی۔

"رائقہ! کیا ہوا ہے؟ تم رو رہی ہو کیا؟"اس نے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے ماتھا مسلتے، پریشانی سے استفسار کیا تھا۔

''ایاس! امی پتا نہیں کدھر ہیں؟ میں دوپہر کو گھر آئی تو۔۔۔'' وہ اب اسے ساری صورتحال سے آگاہ کررہی تھی جس نے اسے بھی فکر میں مبتلا کردیا۔

''تم پریشان مت ہو میں پتا کرواتا ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں ٹریفک میں پھنس گئی ہوں۔۔۔ ہمارے شہر کی ٹریفک کا حال تو تم جانتی ہی ہو۔'' ایاس نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔۔۔ آپ جلدی سے پتا کریں ان کا۔'' رائقہ نے نم لہجے میں اس سے التجا کی تھی۔

''میری جان! ایسے گھبراتے نہیں ہیں۔۔۔ میں پتا کرواتا ہوں نا۔۔۔ وہ بالکل ٹھیک ہوں گی۔'' ایاس نے ایک بار پھر اس کی تشفی کراتے، رابطہ منقطع کیا اور اپنے فون سے حاویہ کی تصویر مختلف نمبروں پر بھیجنے لگا۔۔۔ اگلے دس منٹ میں وہ کئی لوگوں کو ان کی تلاش کا کام سونپ چکا تھا۔۔۔۔ اسے کچھ ہی دیر میں بریگیڈیر صاحب کو ایک کیس کی تجزیاتی رپورٹ پیش کرنی تھی سو وہ چاہ کر بھی ابھی خود دفتر سے نہیں نکل سکتا تھا۔

رائقہ مسلسل حاویہ کا نمبر ملا رہی تھی لیکن نتیجہ ہنوز صفر تھا۔۔۔جلیشہ اور اس کے گھر والے اسے مسلسل تسلی سے بھی اس کے دل کو قرار ہی نہ مل رہا تھا۔۔۔جلیشہ کے دونوں بھائیوں کے ساتھ محلے کے بھی چند لڑکے حاویہ کی تلاش میں سرگرداں تھے لیکن تاحال ان کی جانب سے کوئی خیر خبر نہ ملی تھی۔

''رائقہ ! یہ تھوڑا سا پانی پی لو۔۔۔ایاس بھائی پتا کروا رہے ہیں نا۔۔۔ان شاءاللہ آنٹی ٹھیک ہوں گی۔''جلیشہ نے اس کے ساتھ بیٹھتے،اسے تسلی دینا چاہی جو آنسو بہاتے ہوئے مسلسل فون پر ہی لگی تھی۔

''اتنی دیر ہو گئی ہے۔۔۔کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔۔۔میں خود جا رہی ہوں انھیں ڈھونڈنے۔''رائقہ نے اس کا ہاتھ پرے کرتے،فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

''بیٹا ! تم کہاں خوار ہوتی پھرو گی ؟لڑکے گئے ہیں نا دیکھنے اور پھر ایاس بھی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھا ہو گا۔۔۔اللہ کرے وہ خیر کی خبر ہی لائیں گے۔''جلیشہ کی والدہ نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی۔

''آنٹی ! امی کو کچھ ہو گیا تو پھر میں سچ میں خوار ہو جاؤں گی۔۔۔آپ جانتی ہیں کہ میرا ان کے سوا کوئی نہیں۔۔۔بس آپ مجھے جانے دیں۔''رائقہ نے منت آمیز لہجے میں کہہ کر باہر کی راہ لی تو وہ گھرا

سانس بھر کر رہ گئیں۔۔۔ جلیشہ نے بھی اس کے ساتھ جانا چاہا مگر اس نے اسے منع کر دیا کہ وہ بس اسے اپنے بھائیوں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی اطلاع کے متعلق آگاہ کر دے۔

"آپ نے انھیں کہیں دیکھا ہے؟" رائقہ رکشے پر متعلقہ بینک کے قریب پہنچ کر اب آس پاس موجود لوگوں کو اپنے فون میں موجود حاویہ کی تصویر دکھا کر ان کی بابت دریافت کر رہی تھی۔۔۔ اسے کیا علم تھا کہ حاویہ بینک کی بجائے اسپتال گئی تھیں۔

"آپ نے انھیں دیکھا ہے؟" وہ جو کسی میٹنگ سے فارغ ہو کر گھر جا رہا تھا، راستے میں ایک اشارے پر رکتے، اس نے تعجب سے اس لڑکی کو کئی گاڑیوں کے شیشے کھٹکھٹاتے دیکھا جو اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔۔۔ وہ ابھی اس سے پوچھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا مسئلہ ہے، جب وہ خود ہی اس کے پاس چلی آئی۔۔۔ وہ اپنا فون اس کے سامنے کر کے پوچھ رہی تھی لیکن اسے خود بھی شاید علم نہ تھا کہ اس کے موبائل کی اسکرین تاریک ہو چکی ہے۔۔۔ اس کی متورم آنکھیں اور بھیگا لہجہ اس کی پریشانی کا غماز تھا۔۔۔ یہ ٹوٹی بکھری لڑکی اس لڑکی سے یکسر مختلف تھی جو صبح اس سے بڑھ بڑھ کر لڑ رہی تھی۔۔۔ اس نے یقیناً اپنی پریشانی میں حمود کو نہیں پہچانا تھا۔

"میں کچھ دیکھ نہیں پا رہا۔" حمود نے شائستگی سے کہتے، اس کے موبائل کی تاریک اسکرین کی طرف اشارہ کیا تو اس نے 'اوہ' کہتے موبائل کا رخ اپنی جانب کیا اور اس پہ انگلیاں چلانے لگی۔

''رائقہ!'' وہ اسے تصویر دکھا پاتی، اس سے پہلے ہی وہ اپنے نام کی پکار پر پلٹی تھی۔۔۔ حمود نے بھی آواز کی سمت دیکھا تو سامنے ہی خاکی وردی میں ملبوس ایک شخص رائقہ کی جانب آرہا تھا۔

''ایاس!'' وہ بھی اس کا نام پکارتی تیزی سے اس شخص کی جانب بڑھ گئی۔۔۔ اگلے ہی پل وہ اس کے کندھے سے لگ کر سسک پڑی تھی۔

''تم کیوں نکل آئیں گھر سے؟'' ایاس نے اس کا سر تھپکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا تھا سو میں امی کو ڈھونڈنے آ گئی۔'' رائقہ نے اپنے ہاتھ کی پشت سے گال رگڑتے، جواب دیا۔۔۔ حمود کی نگاہیں ان دونوں پر ہی جمی تھیں جب وہ اپنی گاڑی کے پیچھے موجود ایک دوسری گاڑی کے چنگھاڑتے ہوئے ہارن کی آواز پر سر جھٹکتا، گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔۔۔ اشارہ کھل چکا تھا اور یہاں انتظار کا یارا کسی میں نہیں تھا۔

''تمھاری امی کا پتا چل گیا ہے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ!'' مبہم لہجے میں کہتا، ایاس اسے لے کر اپنی جیپ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''میں اسی لیے کہتا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ ہی رہو مگر تم پتا نہیں کیوں ہر بار اڑ جاتی ہو؟ میں اب اس سلسلے میں تمھاری ایک نہیں سنوں گا۔۔۔ ہمارا جو رشتہ ہے، مجھے پورا حق ہے کہ میں زبردستی تم لوگوں کو اپنے ساتھ رکھوں۔۔۔ اس بار تمھیں میری بات ماننی ہی ہو گی۔'' جیپ چلاتا

ایاس اسے اپنا فیصلہ سنا رہا تھا لیکن اس کی سوچوں کا محور اس وقت صرف اور صرف حاویہ کی ذات تھی۔

''ہم کدھر جا رہے ہیں۔۔۔امی کدھر ہیں؟'' رائقہ نے اس کی بات کو سرے سے نظرانداز کرتے، بے چینی سے استفسار کیا تھا۔

''ہم سٹی اسپتال جا رہے ہیں۔۔۔ وہ ٹھیک ہیں۔۔۔ فکر مت کرو۔'' اپنی بات کے جواب میں اس کے چہرے کے اڑتے رنگ دیکھ کر، ایاس نے ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی تھی۔۔۔ رائقہ اب بس بے صبری سے راستہ کٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ اسے علم تھا کہ اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دے گا سو خاموشی سے باہر دیکھتی رہی۔

ڈاکٹر سے تفصیلی بات چیت کے بعد حسامہ اس کے کمرے سے نکلا تو سوچوں کے کئی در اس پر وا ہوئے تھے۔۔۔ ابتدا میں لگنے والے جھٹکے کے بعد وہ بظاہری طور پر خود کو سنبھال چکا تھا لیکن اندرون خانہ وہ شدید قسم کی شکست و ریخت کا شکار تھا۔۔۔ اندر کمرے میں بے سدھ پڑے وجود سے کبھی اس نے ٹوٹ کر محبت کی تھی لیکن بس اس نے ایک غلطی کر دی اور وہ تھی کچھ پلوں کی

بے اعتباری! وہ چند لمحے اس سے اس کے جینے کی وجہ چھین کر لے گئے تھے۔اس نے برسوں اس خطا کی سزا کاٹی تھی سو اب وہ اسے یوں ہی جانے نہیں دے سکتا تھا۔۔۔وہ حاویہ کے کمرے میں جانے سے پہلے، باہر لگے صوفوں میں سے ایک پر براجمان اپنے اندر اتنی ہمت جمع کر رہا تھا کہ اسے اس حال میں دیکھ سکے۔۔۔اسے اس سے بہت کچھ پوچھنا تھا،اسے بہت کچھ بتانا تھا لیکن ڈاکٹر کے کہے الفاظ بار بار اس کی سماعتوں سے ٹکراتے،اسے مخمصے میں ڈال رہے تھے۔

"مسٹر سہگل! کوئی بھی شاک یا پریشانی ان کے لیے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔۔۔انھیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کریں۔"اسے اب سمجھ ہی نہ آ رہی تھی کہ وہ کس طرح حاویہ کی عمر بڑھا سکے۔۔۔زندگی اور موت کا اختیار بے شک اللہ عزوجل کے پاس ہے اور وہی ان پر قادر ہے لیکن انسانی تدبیر ان دونوں کو آسان بنا سکتی ہے۔۔۔آپ کے اعمال آپ کی خوش حالی کی ضمانت ہیں اور وہاں بیٹھے حسامہ سہگل کو اس وقت صرف اور صرف پچھتاوا ہو رہا تھا۔۔۔جس لڑکی سے شادی کے لیے اس نے اپنے خاندان والوں کی مخالفت مول لی تھی،اسی لڑکی کو اس نے بے اعتمادی کی مار مار کر اس حال میں پہنچا دیا تھا کہ وہ آج اسے ملی بھی تو بسترِ مرگ پر! وہ ایک بار پھر کئی سال پیچھے چلا گیا تھا۔

''تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمھیں ایک طوائف سے شادی کی اجازت دوں گا۔'' فہام سہگل اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی فرمائش پر دنگ ہی تو رہ گئے تھے جوان سے ایک گلوکارہ سے نکاح کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

''گستاخی معاف باباجان! لیکن وہ طوائف نہیں ہے۔۔۔ وہ صرف گانا گاتی ہے جو کہ وہ شادی کے بعد چھوڑ دے گی۔'' حسامہ نے حتی المقدور اپنے لہجے کو دھیما رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''عورت چاہے اپنے جسم سے کسی غیر مرد کو لبھائے یا اپنی آواز سے۔۔۔ وہ طوائف ہی کہلائے گی۔'' فہام سہگل کی بات پر حسامہ نے مٹھیاں بھینچ کر خود کو پر سکون کرنا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔۔۔ وہ ارسلان کے گھر ہوئی تقریب کے بعد حاویہ سے کئی بار مل چکا تھا اور اسی دوران اسے پتا چلا کہ اس کی ماں ایک رقاصہ تھی جو پہلے تو مختلف تقاریب میں ناچا کرتی تھی لیکن پھر اس نے ایک ہدایت کار سے شادی کے بعد فلمی ستاروں کو رقص سکھانا شروع کر دیا تھا۔۔ گو ان دونوں نے کبھی جسم فروشی نہ کی تھی لیکن ایک چیز جوان کا پیچھا کبھی نہ چھوڑتی، وہ تھا حاویہ کی نانی کا طوائف ہونا۔۔ یہ وہ حوالہ تھا جو کوشش کے باوجود بھی ان سے الگ نہ ہو پا رہا تھا۔۔۔ حاویہ بہت کم عرصے میں تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتی شوبز کی دنیا میں ایک نام بنا چکی تھی۔۔۔ بہت سے لوگوں نے اس کی طرف پیش قدمی کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس نے کسی کی بھی حوصلہ افزائی

نہی کی لیکن حسامہ کی مستقل مزاجی اسے اس کی طرف متوجہ کر ہی گئی۔۔۔وہ دونوں اب اس نہج پر تھے کہ شہرت کی بلندیوں پر موجود حاویہ اس کے لیے سب کچھ چھوڑنے پر بھی راضی تھی۔

"باباجان! ہم جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، وہاں میں نے تمام عمر مختلف تقاریب میں زیادہ تر عورتوں کو غیر مردوں کو اپنی اداؤں سے لبھاتے ہی دیکھا ہے تو پھر آپ انھیں کیا کہیں گے؟"

حسامہ کو اپنے سوال کا جواب اپنے گال پر پڑنے والے ایک زوردار تھپڑ نے دیا تھا۔۔۔وہاں اس کے دونوں بڑے بھائیوں اور ان کی بیویوں کے ساتھ اس کی دونوں بہنیں بھی موجود تھیں اور وہ سب ہی اپنے باپ کے حمایتی تھے ماسوائے اس کے چھوٹے بھیا کے جو دل ہی دل میں اس کی ہر بات سے اتفاق کر رہے تھے۔۔۔ازمیر سہگل نے خود بھی اپنی ایک ہم جماعت سے پسند کی شادی کی تھی اور اب انھیں اپنے چھوٹے بھائی کی خواہش پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"بدتمیز! وہ سب شریف گھرانوں کی عزت دار خواتین ہیں جن کو تم ایک طوائف سے ملا رہے ہو۔۔۔چند دن کی محبت میں تم اتنے اندھے ہو چکے ہو کہ تمھیں شرافت کا مطلب ہی بھول گیا ہے۔۔۔مت بھولو کہ اس لڑکی کی ماں اور نانی بھی ایک طوائف تھی۔۔۔بھلا ایک جسم فروش کا ہمارے طبقے کی خواتین سے کیا مقابلہ!" فہام سہگل نے درشتگی سے کہتے اس کی محبت کا بھوت اتارنا چاہا لیکن وہ ان سب نزاکتوں سے نابلد، اپنی ہی ٹھان چکا تھا۔

"باباجان! میں ہر قیمت پر حاویہ سے ہی شادی کروں گا اور دنیا کی کوئی بھی طاقت مجھے اس چیز سے روک نہیں سکتی۔۔۔ میں اپنی ہونے والی بیوی کے لیے دوبارہ ایسے الفاظ سننا ہرگز پسند نہیں کروں گا جن سے اس کی عزت میں کوئی کمی آئے۔۔۔ وہ نہ ہی جسم فروش ہے اور نہ ہی اسے مردوں کو رجھانا آتا ہے۔۔۔ رہی بات اس کے گانے کی تو میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ شادی کے بعد وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔" وہ اس کے بڑے تھے، اسے کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔۔۔ حسامہ نے ان کے تھپڑ کا بھی برا نہ منایا لیکن وہ کسی بھی قیمت پر حاویہ سے دستبردار ہونے پر بھی راضی نہ تھا۔

"اس لڑکی سے شادی کی صورت میں تمھیں ہم سے سارے تعلق توڑنے ہوں گے۔" باپ کی دھمکی پر اس نے بے یقینی سے انھیں دیکھا تھا۔

"باباجان! آپ ایک بار اس سے مل تو لیں۔۔۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" حسامہ کا لہجہ اس بار التجا لیے ہوئے تھا۔۔۔ وہ اپنی نئی زندگی کی شروعات اپنے بڑوں کی دعاؤں کے سائے میں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ اسے اچھے سے علم تھا کہ جو رشتے بزرگوں کی نیک خواہشات کے بغیر بنتے ہیں، وہ خاک کے ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔

"جو ساری دنیا سے ملتی پھرتی ہو۔۔۔ اسے ہم کیا خاک ملیں گے۔" فہام سہگل بھی اپنی ضد پر ہی اڑے رہے۔۔۔ انھوں نے یہ سوچنے کی کوشش ہی نہ کی کہ اولاد جب جوان ہو جائے تو اس کی جائز

خواہشات کو پورا کرنے سے وہ منہ زور نہیں ہوتی اور حسامہ کی خواہش بھی کوئی انہونی نہ تھی۔۔۔ انھیں حاویہ کے گانے پر اعتراض تھا جب کہ وہ اسے چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی تھی سوا سے ایک موقع دینا تو بنتا تھا۔

"باباجان! میں اگر حاویہ سے شادی نہیں کروں گا تو پھر دنیا کی کوئی بھی عورت میری بیوی نہیں بن سکتی۔" حسامہ یہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا۔۔۔اس کے الفاظ جلتی پر تیل کا کام کر گئے۔

"دیکھی اس کی بدتمیزی! میں نے غلطی کی جو تم لوگوں کو تمھارا حصہ دے دیا۔۔۔ابھی اسے عاق کرتا تو پھر دیکھتا کہ کیسے پل بھر میں یہ عشق معشوقی کا بھوت اترتا ہے۔"اس کے جاتے ہی فہام سہگل اپنی بقیہ اولاد کی طرف مڑے تو وہ سب مہر بہ لب بیٹھے رہے۔۔۔ کسی نے بھی ان کی تردید کی کوشش نہ کی لیکن ازمیر نے اپنے بھائی کی حمایت میں زبان ضرور کھولی تھی۔

"باباجان! اس کا مطالبہ ناجائز ہرگز نہیں ہے۔۔۔اسے اپنی پسند سے اپنے لیے شریک حیات چننے کا پورا حق ہے۔"ازمیر نے رسان سے کہتے، انھیں سمجھانا چاہا مگر وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئے۔

"میں اس کا دشمن نہیں ہوں ازمیر! مجھے اس کے اپنی پسند سے شادی کرنے پر بھی کوئی مسئلہ نہیں لیکن میں اسے ایک طوائف کو جیون ساتھی بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔"فہام سہگل کی اپنی ہی ایک منطق تھی جس سے روگردانی انھیں ہرگز منظور نہیں تھی۔

"باباجان! ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یوں کسی کی ہرزہ سرائی کریں۔۔۔ حسامہ نے بارہا کہا ہے کہ وہ صرف ایک گلوکارہ ہے اور شادی کے بعد وہ گائیکی چھوڑ دے گی تو پھر ہمیں اس کی ذات پر یوں سوال نہیں اٹھانا چاہیے۔۔۔ لازمی نہیں کہ ہر گانے والی جسم فروش بھی ہو۔۔۔ ہماری مانیہ نے پچھلے ماہ اپنے کالج میں بہترین گائک کا اعزاز اپنے نام کیا تھا تو کیا ہم۔۔۔ "ازمیر کی آخری بات، آخری حد ثابت ہوئی تھی۔

"ازمیر! بھائی کی محبت میں تم اپنی اقدار ہی بھولتے جا رہے ہو۔۔۔ ہماری پوتی اور اس لڑکی کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔" فہام سہگل کی گرج دار آواز نے اسے بات مکمل کرنے سے پہلے ہی ٹوک دیا لیکن ازمیر بھی اپنی بات کہنا جانتا تھا۔۔۔ اس سارے قصے میں پہلی بار فہام سہگل نے حاویہ کے لیے طوائف یا گانے والی کے بجائے 'وہ لڑکی' کا صیغہ استعمال کیا جو کہ اس بات کی دلیل تھا کہ پتھر کو جونک لگنے ہی والی ہے۔

"معذرت باباجان! میرا مقصد کسی کی دل آزاری ہرگز نہیں ہے۔۔۔۔ میں آپ کو بس یہی بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ بیٹیاں اپنے والد اور پھر شوہر کے ناموں سے جانی جاتی ہیں اور حاویہ اکرام، ایک معروف ہدایت کار اکرام رضوی کی بیٹی ہے جو کہ ایک قابل عزت خاندان کا سپوت ہے۔ وہ لڑکی معاشرے میں اپنے باپ کے نام سے ہی جانی جاتی ہے سو ہم کم سے کم اس کے خاندانی ہونے پر سوال

نہیں اٹھا سکتے اور شادی کے بعد سہگل خاندان کا حوالہ ہی اس کے تعارف کے لیے کافی ہونا چاہیے۔" ازمیر کے پاس ساری معلومات تھیں۔اس نے اپنی فراست سے فہام سہگل کی توجہ اس طرف دلائی، جس سمت حسامہ جذباتی ہونے کی صورت میں نہ دلا سکا تھا۔۔۔ازمیر کی بات کے جواب میں فہام سہگل بنا کچھ کہے وہاں سے چلے گئے تو باقی سب بھی اسے تادیبی وتائیدی نظروں سے دیکھتے ایک ایک کر کے اٹھتے چلے گئے۔

"سر!" وہ جانے مزید کتنی دیر ماضی کی بھول بھلیوں میں گھومتے رہتے اگر ان کا پی اے انھیں مخاطب نہ کرتا۔۔۔وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"مادام کو ہوش آگیا ہے۔" اس کی بات پر حسامہ نے تیزی سے کھڑے ہو کر آگے بڑھنا چاہا لیکن چند قدم

چلتے ہی وہ لڑکھڑا کر گرنے کو تھے جب نذیر نے فوراً انھیں سہارا دیا تھا۔

اپنے ماضی کے تصور سے ہراساں ہوں میں

اپنے گزرے ہوئے ایام سے نفرت ہے مجھے

اپنی بے کار تمناؤں پہ شرمندہ ہوں

اپنی بے سود امیدوں پہ ندامت ہے مجھے

میرے ماضی کو اندھیرے میں دبا رہنے دو

مرا ماضی مری ذلت کے سوا کچھ بھی نہیں

میری امیدوں کا حاصل مری کاوش کا صلہ

ایک بے نام اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں

کتنی بے کار امیدوں کا سہارا لے کر

میں نے ایوان سجائے تھے کسی کی خاطر

کتنی بے ربط تمناوں کے مبہم خاکے

اپنے خوابوں میں بسائے تھے کسی کی خاطر

مجھ سے اب میری محبت کے فسانے نہ کہو

مجھ کو کہنے دو کہ میں نے انہیں چاہا ہی نہیں

اور وہ مست نگاہیں جو مجھے بھول گئیں

میں ان مست نگاہوں کو سراہا ہی نہیں

مجھ کو کہنے دو کہ میں آج بھی جی سکتا ہوں

عشق ناکام سہی زندگی ناکام نہیں

ان کو اپنانے کی خواہش نہیں پانے کی طلب

شوق بے کار سہی سعیٔ غم انجام نہیں

وہی گیسو وہی نظریں وہی عارض وہی جسم

میں جو چاہوں تو مجھے اور بھی مل سکتے ہیں

وہ کنول جن کو کبھی ان کے لئے کھلنا تھا

ان کی نظروں سے بہت دور بھی کھل سکتے ہیں

ساحر لدھیانوی

حاویہ کی آنکھ کھلی تو نگاہوں کے سامنے اک بار پھر وہ آخری منظر لہرایا جو اس کے حواس کھونے کی وجہ بنا تھا۔

”حسامہ سہگل!“اس کے لبوں نے بے نام سرگوشی کی تو نینوں کے کٹوروں نے پلکوں کے بندھ توڑتے، زردی کھنڈے عارضوں پہ سیل رواں بہا دیا۔۔۔ منتظر نگاہوں نے دروازے کی سمت پڑاؤ ڈالا تو بند کواڑوں نے ہونٹوں کو استہزاء اڑانے کا موقع فراہم کر دیا۔۔۔ پھیکی مسکان اور بھیگی پلکیں، نامراد واپس پلٹنے سے پہلے ہی ماضی کے سفر پر روانہ ہو گئی تھیں۔۔۔ وہ ماضی جس میں بہت کچھ ان کہا اور بہت کچھ ان سنا تھا۔۔۔ وہ ماضی جو باہر نذیر کی باہوں میں جھولتے حسامہ سہگل اور اندر اپنی تنہائی سے لڑتی حاویہ سہگل، ان دونوں کے لیے مکمل تھا۔

ان کی شادی کو پانچ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔۔۔ زندگی ایک ڈگر پر چل نکلی تھی۔۔۔ روشن صبحیں اور رنگین شامیں اک دوجے کے سنگ بِتاتے وہ زندگی کی تلخیوں کو یکسر فراموش کر چکے تھے۔۔۔ یہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی شب تھی جب وہ دونوں برف باری سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے شمالی

علاقہ جات کی سیر کو نکل آئے تھے۔۔۔ برف پوش وادیاں اور من پسند جیون ساتھی کی سنگت! کیا زندگی اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہو سکتی تھی بھلا؟

"حسامہ!" وہ دونوں گرم کپڑوں میں ملبوس اپنے ذاتی کاٹیج کے باہر بنے چبوترے پر لکڑیاں جلا کر بیٹھے، آسماں سے گرتے روئی کے گالوں کو دیکھ رہے تھے جب اس کی گرم شال کے حصار میں، اس کے سینے سے لگی حاویہ نے سر اٹھا کر اسے پکارا۔۔۔ حسامہ نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے، ایک ابرو اچکا کر گویا اسے بولنے کا عندیہ دیا تھا۔

"اگر کبھی ایسا ہوا کہ آپ کو محبت یا اعتبار کے بیچ چناؤ کرنا پڑے تو آپ کیا کریں گے؟" حاویہ کے سوال پر حسامہ نے آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟ اللہ نہ کرے کہ ہماری زندگی میں کبھی ایسا کوئی مقام آئے۔" حسامہ نے اس کی بات پر دہل کر کہا تھا۔

"بتائیں نا! میں بس یوں ہی پوچھ رہی ہوں۔۔۔ ذرا آپ کی محبت کی گہرائی تو معلوم ہو۔" اب کی بار حاویہ کے لہجے میں پنہاں شرارت سمجھتے، حسامہ نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

"تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں یا میری محبت پر شک ہے؟" حسامہ نے الٹا سوال کیا تو حاویہ خفگی سے منہ پھلا گئی۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔۔۔آپ بس میری بات کا جواب دیں۔“اس کے نروٹھے پن سے کہنے پر حسامہ نے اس کے خفگی سے پھولے پھولے گالوں پہ اپنی محبت کی مہر ثبت کرتے،اس کی لرزتی پلکوں کو نشانہ بنایا تو حاویہ کی بولتی بند ہوئی تھی۔

”کیا کر رہے ہیں؟ ہم اپنے کمرے میں نہیں بلکہ کھلے آسمان تلے موجود ہیں۔“اس کی جسارتیں مزید بڑھتیں،اس سے پہلے ہی حاویہ نے اس کی وارفتگیوں پر بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔۔۔اس سارے قصے میں حاویہ کا سوال تو لاجواب ہی رہ گیا تھا۔

”ہم جہاں موجود ہیں،وہاں کسی کی رسائی اتنی آسانی سے ممکن نہیں۔۔۔یہاں صرف میں ہوں، تم ہو اور ہمارے بیچ پنپتی یہ محبت ہے۔۔۔باقی ہر سوال،ہر جواب بے معنی ہے۔“حسامہ نے کہتے ساتھ ہی اسے واپس اپنی آغوش میں لیا تو حاویہ بارِ حیا سے سرخ پڑی تھی۔

”جنگل میں منگل! باس یہاں تو کوئی رومانوی فلم چل رہی ہے۔“وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں گم تھے جب اس سناٹے میں گونجتی اس آواز نے،ان دونوں کو ہی چوکنا کیا۔۔۔حاویہ کو نامحسوس انداز میں اپنی چادر میں چھپاتے،حسامہ نے سر اوپر اٹھایا تھا۔

''کون ہو تم لوگ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' حسامہ نے سامنے کھڑے تین نقاب پوش افراد کو دیکھتے کڑک دار آواز میں پوچھا۔۔۔ جس جگہ ان کا کاٹیج تھا، وہاں کسی کا یوں دندناتے ہوئے چلے آنا، اس کے لیے باعث حیرت تھا۔

''رشتے میں تو ہم تمھارے باپ لگتے ہیں لیکن دنیا ہمیں باس بلاتی ہے۔'' ان میں سے ایک بھاری جسامت کے حامل شخص نے نہایت بھونڈے انداز میں اپنا تعارف پیش کیا تو حسامہ کو ایک پل لگا یہ سمجھنے میں کہ یہ کوئی ڈکیت وغیرہ تھے۔۔۔ وہ اپنے ساتھ لگی خوف سے کانپتی حاویہ کو اپنے حصار میں لیے، اٹھ کر کھڑے ہوتے، آہستہ آہستہ پیچھے سرکنے لگا۔۔۔ وہ اکیلا ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا لیکن حاویہ کی موجودگی میں وہ کوئی بھی پیش قدمی کر کے، اس کی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا اور وہ بھی تب جب کہ مقابل کے پاس ہتھیار تھے اور وہ نہتا تھا۔۔۔ اس کے پاس موجود پستول اس وقت وہ کاٹیج کے اندر تھا۔

''تم جانتے نہیں ہو کہ میں کون ہوں۔۔۔ چپ چاپ یہاں سے واپس چلے جاؤ ورنہ انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' اس وقت اس کا مطمع نظر ان کو باتوں میں الجھا کر دروازے تک پہنچنا تھا سو اس نے ان پر رعب ڈالتے ہوئے کہا جب کہ اسے اچھے سے اندازہ تھا کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے پیچھے

نہیں ہٹیں گے۔ وہ لوگ ڈر جانے والے ہوتے تو یہاں آتے ہی کیوں؟ ان دونوں کے موبائل فون بھی اندر تھے سو اس وقت وہ بالکل بے یار و مددگار تھے۔

”اوئے پپو! اس کو بتا ذرا کہ باس کو کیا چاہیے؟“ اس شخص نے ایک بار پھر اپنی بھاری ڈھول جیسی آواز میں کہا تو حاویہ نے ڈر کر حسامہ کی قمیض پر اپنی گرفت مزید سخت کی تھی۔

”آئے تو ہم نقدی لینے تھے لیکن اب ہمیں یہ مال بھی چاہیے ہے۔“ اس شخص کی بات پر حسامہ کے اندر ایک ابال سا اٹھا لیکن وہ جوابی کارروائی کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔۔۔ وہ سب سے پہلے حاویہ کو کاٹیج کے اندر پہنچانا چاہتا تھا لیکن مقابل بھی کائیاں تھے، وہ اس کا ارادہ بھانپتے ہی تیزی سے آگے بڑھے۔۔۔ ان میں سے دو کے ہاتھ میں پستول جب کہ ایک کے ہاتھ میں لوہے کی راڈ نما کوئی چیز تھی۔

”آگے مت بڑھنا!“ حسامہ نے انھیں آگے بڑھتا دیکھ، تیزی سے اپنے قدم پیچھے لیے تھے۔۔۔ وہ اس تک پہنچتے، اس سے پہلے ہی حسامہ نے الٹے رخ بھاگتے قدموں سے کاٹیج کے دروازے تک پہنچتے، حاویہ کو چادر سمیت اندر دھکیلا لیکن اسے خود اندر جانے کی مہلت نہ مل سکی کہ ایک نقاب پوش آگے بڑھ کر اسے دبوچ چکا تھا۔

"دروازہ بند کرو! کچھ بھی ہو جائے دروازہ مت۔۔۔" اس شخص کے پیٹ میں کہنی مارتے، دروازے کے سامنے ایستادہ، وہ چیختے ہوئے حاویہ کو ہدایت کرنے لگا لیکن اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی کہ نیچے گرے شخص نے اندر کی جانب بڑھتے، اس کے پاؤں کو جکڑ لیا تھا۔

"دروازہ بند کرو حاویہ!" اس شخص کو دوسرے پاؤں سے ضرب لگاتے، وہ اب پھر مسلسل خوف سے تھر تھر کانپتی حاویہ کو دروازہ بند کرنے کی ہدایت کر رہا تھا۔۔۔ اسی اثناء میں باقی دونوں بھی ادھر پہنچ چکے تھے سو حاویہ نے بھاری ہوتے دل پہ پتھر رکھتے، جھٹ سے دروازہ بند کرتے، اسے مقفل کر کے کنڈی بھی چڑھادی تھی۔۔۔ خود وہ اب جانبی کھڑکی سے حسامہ کو ان تینوں افراد کے خلاف مزاحمت کرتا ہوا دیکھ رہی تھی جو کسی طور دروازے کے آگے سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔۔۔ وہ کسرتی جسامت کا حامل ایک مضبوط مرد تھا سو اتنی آسانی سے ان کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔۔۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ وہ لوگ ہتھیار بردار ہونے کے باوجود بھی اس سے ہاتھا پائی ہی کر رہے تھے۔۔۔ ان کا مطمع نظر شاید کچھ اور تھا کیوں کہ اگر وہ صرف ڈکیت ہوتے تو اب تک حسامہ کا کام تمام کر کے اندر گھس چکے ہوتے۔۔۔ انھیں یقیناً کسی کی تاکید یا حکم روکے ہوئے تھا لیکن یہ وہ نکتہ تھا جو حسامہ یا حاویہ میں سے کسی کے بھی ذہن میں نہ آیا۔۔۔ چند پل مزید سرکے تو حاویہ کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف گئی۔۔۔ کمرے کا دروازہ بھی مقفل کر کے، وہ دیوار گیر کھڑکی کے سامنے آکر رکتے، اب حسامہ کے فون پر ازمیر سہگل کا نمبر ملا رہی تھی کیوں کہ ایک

وہی تھا جو اسے ان دونوں کے ساتھ سب سے زیادہ مخلص لگتا تھا۔۔۔دو تین گھنٹیوں کے بعد ازمیر کے فون اٹھاتے ہی حاویہ روتے ہوئے، ٹوٹتے اٹکتے لہجے میں اسے ساری صورتحال سے آگاہ کر رہی تھی۔۔۔اس نے اسے تسلی دیتے جھٹ فون کاٹ دیا تھا تاکہ کسی متعلقہ شخص سے رابطہ کر سکے۔

''حسامہ!''دس پندرہ منٹ مزید گزرے تو وہ لوگ تھکنے لگے جبکہ حسامہ ابھی بھی دروازے کے سامنے ہی ایستادہ تھا۔۔۔حاویہ کی نظریں ان پر ہی ٹکی تھیں جب اس نے ان تینوں کے سرغنہ کو کوئی فون سنتے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کے اشارے پر ہاتھ میں لوہے کا راڈ لیے شخص نے وہ آہنی ڈنڈہ حسامہ کے سر پر دے مارا۔۔۔حاویہ کی چیخیں اس کمرے کی دیواروں سے ہی ٹکرا کر واپس آنے لگیں۔۔۔حسامہ کو گرتے دیکھ کر اس نے اپنی زندگی کی فاش غلطی کی اور دروازہ کھول کر اندھا دھند باہر کی طرف بھاگ گئی تھی۔

''حسامہ!''وہ مسلسل اس کے نام کی گردان کرتے، دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ یک دم وہ کسی خیال کے تحت چونک کر رکی۔۔۔پلٹ کر کچن کی طرف جاتے، اس نے شیلف پہ دھری ایک چھری اپنی گرفت میں لی اور قدم واپس باہر کی طرف موڑ دیے۔۔۔اسے اپنی عزت بھی عزیز تھی لیکن حسامہ کی جان اس کے لیے اس کی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔۔۔وہ کچھ پل مزید کمرے میں رک جاتی تو اس وقت حسامہ کے فون پر ازمیر کی مسلسل آتی کال سن کر، وہ باہر جانے کی غلطی کبھی نہ

کرتی یا دروازہ کھولنے سے تاخیر کی صورت میں اسے اپنے بچاؤ کی مہلت مل جاتی لیکن ہونی تو پھر بھی ہو کر ہی رہتی ہے۔۔۔وہ دروازے کی طرف آئی تو اسے یوں لگا کہ کوئی دروازے پر مسلسل ضربیں لگا رہا ہو۔۔۔چند پل رک کر اس کے تالا کھولنے کی دیر تھی کہ دروازے کو ضرب لگانے کی غرض سے اس طرف بڑھتا شخص ایک جھٹکے سے دروازہ کھلنے پر اپنا توازن کھوتا زمین بوس ہو گیا۔۔۔حاویہ نے اپنی چیخ کا گلا گھونٹتے، اپنی پوری قوت صرف کر کے، اس شخص پر ہاتھ میں پکڑی چھری سے وار کیا تھا۔۔۔اگلے ہی پل وہ شخص اپنا بازو پکڑ کر دوہرا ہو گیا جس پر حاویہ کے حملے کی بدولت کافی گہرا زخم آیا تھا۔۔۔۔اس شخص کے واویلے پر بے ہوش پڑے حسامہ کو ہاتھوں پیروں سے اٹھا کر اسی بینچ پر لٹاتے، جہاں وہ کچھ دیر قبل بیٹھے تھے، دونوں نفوس چونک کر دروازے کی سمت بھاگے۔۔۔وہ لوگ یقیناً کسی اور مقصد سے ہی یہاں آئے تھے ورنہ حسامہ کو ادھر لٹانے کی بجائے وہ اسے کہیں اور ہی پھینکتے۔

"اے لڑکی! تیری اتنی ہمت!"اپنے ساتھی کے بازو سے بہتے خون کو دیکھتے ان دونوں میں سے ایک مغلظات بکتے آگے بڑھا لیکن اپنے سرغنہ کی آواز پر اسے رکنا پڑا۔

”ابھی لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا! بس نکلو یہاں سے۔“اس نے جانے کس پیرائے میں یہ کہا تھا لیکن اس کی بات کا مفہوم سمجھتے حاویہ ضرور چونک اٹھی لیکن سوال اس نے اپنی سوچ کے برعکس کیا تھا۔

”حسامہ! حسامہ کدھر ہیں؟ اگر تم آگے بڑھے تو میں تمھیں بھی نہیں چھوڑوں گی۔“حسامہ کو پکار کر، وہ ان سے استفسار کرنے کے ساتھ ہی ان دونوں کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر، الٹے قدم پیچھے لیتی، انھیں تنبیہ بھی کرنے لگی لیکن وہ دونوں رکے نہیں تھے۔

”دیکھو! میں کہہ رہی ہوں کہ میرے پاس مت آنا۔“حاویہ مسلسل انھیں روکنے کی تدبیر سوچ رہی تھی لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔۔۔اگلے ہی پل اس کی نازک کلائی باس کی گرفت میں تھی۔۔۔حاویہ نے بھرپور مزاحمت کی لیکن وہ اسے کوئی دوا سونگھا کر بے ہوش کرنے کے بعد اسے اپنے کندھے پر لاد چکا تھا۔

حمود کی پرسوچ نگاہیں بظاہر سامنے نظر آتی سڑک پر ٹکی تھیں لیکن اس کی سوچ کا محور اس شخص کی ہمراہی میں آگے بڑھتی وہ لڑکی ہی تھی۔۔۔وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھا جب اس کے فون پر ایک

کال آنے لگی۔۔۔ حسامہ کے مصاحب خاص کا نمبر دیکھتے ہی اس نے اس جانب سے توجہ ہٹا کر، جھٹ دوسری جانب رابطہ بحال کیا تھا۔

''خیریت نذیر!''اس کا فون حمود کے لیے اچنبے کا باعث تھا سو اس نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔

''حمود بابا! میں سہگل سر کو لے کر اسپتال آیا تھا لیکن وہ یہاں کسی خاتون کو دیکھ کر پریشانی سے ان کی طرف بھاگ نکلے۔۔۔۔اب ان کے ہوش میں آنے کی خبر سنتے ہی وہ خود ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئے ہیں۔''نذیر اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

''ابھی کدھر ہیں انکل؟''گاڑی کو ایک جھٹکے سے روکتے، اس نے فکر مندی سے نذیر سے دریافت کیا تھا۔

''اندر کمرے میں ڈاکٹر ان کا معائنہ کر رہے ہیں۔''نذیر کی اطلاع پر اسے اپنے آنے کا بتا کر رابطہ منقطع کرتے، اس نے اپنے والد کا نمبر ملایا تھا۔۔۔ سٹی اسپتال کی طرف گاڑی دوڑاتے، وہ انھیں بھی ساری صورتحال سے آگاہ کر چکا تھا۔

جس وقت اس کی گاڑی اسپتال کے احاطے میں رکی، عین اسی وقت اس کی گاڑی کے برابر میں ایک جیپ نے بھی بریک لگائی تھی۔۔۔ اپنی جانب کا دروازہ کھول کر نیچے اترتا حمود، اسی جانب سے جیپ کے کھلے دروازے سے نکلتی لڑکی کو دیکھتے، ایک پل کو ٹھٹھک سا گیا۔۔۔ وہ لڑکی اس کی طرف

متوجہ نہ تھی جب کہ حمود کی نگاہ بھی بلاارادہ ہی اس سمت اٹھی تھی۔۔۔وہ کچھ سوچتا اس سے پہلے ہی اپنے فون پر ارسلان کی کال دیکھتے ہی وہ فون کان سے لگا کر، گاڑی بند کرتا اندرونی عمارت کی جانب بڑھ گیا۔۔۔ایاس اور رائقہ بھی اسی کی پیروی میں آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔

''نذیر! سہگل انکل کدھر ہیں؟'' اسپتال کی داخلی راہداری عبور کرتے ہی اسے نذیر نظر آگیا تو وہ فوراً اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میں استقبالیہ سے پوچھ کر آتا ہوں۔'' حمود کی آواز پر رائقہ نے بھی سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا لیکن اسی پل ایاس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے، سر اثبات میں ہلا گئی۔۔۔ایاس کے آگے بڑھنے پر اس نے ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں دوڑائی تو اسے وہ شخص اس راہداری کا موڑ مڑتے نظر آیا۔۔۔وہ سرسری نظر اس پر ڈالتے، اپنی طرف آتے ایاس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''امی جی!'' وہ ایاس کی ہمراہی میں اسپتال کے اس کمرے میں داخل ہوئی تو بستر پر دراز حاویہ کو دیکھتے ہی وہ بے قراری سے اسے پکارتے، اس کی سمت آئی تھی۔

''میری جان!'' حاویہ نے بھی اٹھ کر بیٹھتے، اسے خود میں بھینچ لیا۔۔۔اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچی کیونکہ اس کے ساتھ موجود ایاس خود ہی ہر سوال کا جواب تھا۔

''آپ نے ہمیں انجان کیوں رکھا؟'' چند پل بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئیں تو وردی میں ملبوس ایاس نے شکوہ کناں انداز میں استفسار کیا تھا۔

''میں چاہتی تھی کہ جتنی دیر ہو سکے، میں تم لوگوں کو آگاہی کی اس اذیت سے بچا لوں۔'' حاویہ نے تکان زدہ لہجے میں جواب دے کر سر تکیے پر ٹکا دیا۔۔۔ رائقہ کی آنکھوں سے بہتے آنسو انھیں تکلیف دے رہے تھے لیکن اس وقت اسے اپنے اندر کا غبار نکال لینے کی بھی اشد ضرورت تھی۔

''میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔'' ایاس ان کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بنا کہہ کر، ایک سرسری نظر آنسو پونچھتی رائقہ پر ڈالتا، کمرے سے نکل گیا تھا۔

''ادھر آؤ!'' اس کے جاتے ہی حاویہ نے نرمی سے رائقہ کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا تو وہ ایک بار پھر شدت سے روتے، اپنی ماں سے لپٹ گئی تھی۔

''امی جی! اب کیا ہوگا؟'' اس سے لپٹتے، وہ رونے کے دوران سرسراتے لہجے میں بولی تو حاویہ نے اس کا سر اونچا کرتے، اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''کیا ہوگا۔۔۔ وہی ہوگا جو اس مالک کی مرضی ہو گی۔۔۔ ہر مسلمان کی طرح ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے سو زندگی اور موت کا اختیار بھی اسی کے ہی پاس ہے۔ موت تو برحق ہے ناں سو اسے لے کر افسردہ کیوں ہونا۔۔۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ آنے والے وقت سے خوف زدہ

ہونے کی بجائے ہم اپنی آگے آنے والی زندگی کو سدھار لیں۔۔۔ تم تو میری بہت بہادر بیٹی ہو۔۔۔ ہر بات اچھے سے سمجھتی ہو، سو مجھے تم سے یہی توقع ہے کہ تم اللہ کی رضا سے راضی ہو جاؤ گی۔'' حاویہ کے نپے تلے لہجے نے رائقہ پر ایک الگ ہی طرح سے اثر کیا۔۔۔ وہ ایاس کے لوٹنے تک خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔۔۔ اس کے آتے ہی وہ لوگ گھر کے لیے نکل گئے تھے۔

حمود بے چینی سے اس کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا، جہاں ڈاکٹر حسامہ کا مکمل طبّی معائنہ کر رہے تھے۔۔۔ کچھ ہی دیر میں ارسلان ربانی بھی وہاں پہنچ چکا تھا اور اب وہ تینوں ہی بے صبری سے ڈاکٹر کے کمرے سے باہر آنے کے منتظر تھے۔

''ڈاکٹر! حسامہ کیسا ہے اب؟'' کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا تو ارسلان نے لپک کر ڈاکٹر سے اس کی بابت دریافت کیا۔۔۔ حمود نے بھی اس کی تقلید کی جب کہ نذیر کچھ دیر قبل ہی عملے کے کسی شخص کے بلاوے پر استقبالیہ کی سمت گیا تھا۔

''وہ اب ٹھیک ہیں لیکن کسی بھی قسم کا اعصابی دباؤ ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر کی بات پر ارسلان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

''انکل کو ہوا کیا ہے؟'' حمود نے باپ کے کندھے کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلاتے، ڈاکٹر سے استفسار کیا تھا۔

''وہ شوگر لیول خطرناک حد تک نیچے جانے کی وجہ سے بے ہوش ہوئے تھے۔۔۔ابھی وہ بہتر ہیں اور دوا کے زیر اثر سو رہے ہیں لیکن میرا مشورہ ہے کہ انھیں اب بائی پاس کروانے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔۔۔اب مزید دیر ان کی زندگی کے لیے جان لیوا ہو گی۔'' ڈاکٹر اپنی بات مکمل کر کے چلا گیا جبکہ پیچھے کھڑے دونوں نفوس ساکت رہ گئے تھے۔

''آجائیں پاپا!'' چند پل مزید سرکے تو حمود خود کو سنبھالتا، ارسلان ربانی کو لے کر کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔۔۔وہ لوگ اب خاموشی سے بیٹھے، حسامہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

''حاویہ! حاویہ!'' انھیں وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب حسامہ کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی۔۔۔وہ مسلسل منھ ہی منھ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

''حاویہ!'' حمود اور ارسلان دونوں ہی اٹھ کر اس کی طرف بڑھے جب وہ یک دم باآواز بلند کہتا اٹھ بیٹھا تھا۔

''حسامہ! تم ٹھیک ہو؟ کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟'' ارسلان نے اسے کندھوں سے تھامتے استفسار کیا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا گیا تھا۔

”حاویہ کدھر ہے؟ وہ میرے ساتھ تھی۔“ حسامہ کے وحشت زدہ سے لہجے پر کمرے کے دروازے سے اندر آتے ازمیر سہگل کے قدم بھی پل بھر کو زنجیر ہوئے تھے۔۔۔ اگلے ہی پل وہ تیزی سے حسامہ کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

”حسامہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ کسی کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ازمیر نے اس کے قریب رکتے بے یقینی سے بھرپور لہجے میں استفسار کیا تھا۔

”ازمیر بھائی! میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔۔۔ وہ یہیں تھی اس اسپتال میں۔۔۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اسے جگر کا سرطان ہے۔۔۔ حاویہ! مجھے حاویہ سے ملنا ہے۔“ حسامہ بولتے بولتے، یک دم اپنے ہاتھ پر لگی ڈرپ کھینچتا، بستر سے نیچے اترنے لگا۔۔۔ ازمیر تو اس کے منہ سے نکلتے الفاظ سن کر ہی پتھر کا ہوا تھا۔

”حسامہ! تمھاری طبیعت ٹھیک نہی۔۔۔“ ارسلان نے اسے بازو سے پکڑ کر واپس لٹانا چاہا لیکن وہ اس کا بازو جھٹکتے، اس کی بات کے بیچ میں ہی بول اٹھا تھا۔

”تمھیں میری بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ مجھے حاویہ سے ملنا ہے۔۔۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ نذیر کدھر ہے؟ اسے معلوم ہے سب!“ گزرے ماہ و سال کی ساری اذیت اس سمے اس کے لہجے سے مترشح تھی۔

''انکل! رات ہو رہی تھی تو نذیر کو میں نے گھر بھیج دیا ہے۔۔۔ آپ پر سکون رہیں اور مجھے بتائیں کہ آپ نے انھیں کدھر دیکھا؟'' ان دونوں کو اشارتاً کچھ بھی کہنے سے روک کر، حمود نے آگے بڑھتے، اس سے رسان سے استفسار کیا تھا۔

''میں وہاں راہداری میں تھا کہ میری کسی سے ٹکر ہوئی۔۔۔'' حسامہ ہولے ہولے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔۔۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی ازمیر سہگل تیزی سے دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں، وہ یہیں ہوں گی۔۔۔ آپ آرام سے ادھر بیٹھیں۔۔۔ میں ابھی ان کا پتا کر کے آتا ہوں۔'' حمود اسے تسلی دے کر ازمیر کے پیچھے باہر نکل گیا تو ارسلان اس کی مزاحمت کو نظر انداز کرتے، اسے واپس بستر پر بٹھا کر، اس کی ڈرپ صحیح کرنے لگا تھا۔

''حاویہ کدھر ہے؟'' تھوڑی ہی دیر گزری تو حمود اور ازمیر سنجیدگی سے سر جھکائے، واپس آئے تھے۔۔۔ حسامہ نے انھیں دیکھتے ہی بے قراری سے استفسار کیا۔

''وہ جا چکی ہیں۔'' حمود کی بات پر وہ بے دم سا ہو کر پیچھے کو گرا تھا۔

''حسامہ! سنبھالو خود کو۔'' ارسلان نے اسے کندھوں سے تھامتے دلاسہ دینا چاہا تھا۔

"وہ ایک بار پھر مجھے انتظار کی سولی پر لٹکا گئی ہے۔۔۔مجھے گھر جانا ہے۔" حسامہ سرگوشی کے انداز میں کہتا وہاں سے جانے پر بضد ہوا۔۔۔گو کہ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اسے اس وقت اسپتال میں ہی رکنا چاہیے لیکن حسامہ کی ذہنی حالت کے پیشِ نظر وہ لوگ اسے سمجھا بجھا کر واپس لانے کے وعدے کے ساتھ گھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔۔۔حمود کے برابر براجمان حسامہ اور رائقہ کی گود میں سر رکھ کر ایا اس کی جیپ میں سوار حاویہ، وہ دونوں ہی ایک بار پھر ماضی کو یاد کرتے افسردہ سے تھے۔

حاویہ کو ہوش آیا تو اپنے ہچکولے کھاتے وجود کو محسوس کرتے، اس نے خود کو کسی گاڑی کی سیٹ پر لیٹے ہوئے پایا۔۔۔وہ کسمسا کر آنکھیں کھولنا چاہتی تھی لیکن ایک مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکراتی اسے ایسا کرنے سے روک تھی۔

"عالی جاہ! لڑکی کو ابھی ہوش نہیں آیا۔۔۔ہم بس کچھ ہی دیر میں سوات پہنچنے والے ہیں۔" اس آواز کے اپنی سماعتوں سے ٹکراتے ہی اسے پہلا خیال حسامہ کا آیا کہ وہ کدھر تھا۔۔۔اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں تو وہ تنہا ایک ڈبل کیبن کی پچھلی سیٹ پر لیٹی ہوئی تھی جس کا پچھلا حصہ بنا چھت کے تھا جبکہ آگے بھی صرف ڈرائیور ہی موجود تھا۔۔۔یہ وہی شخص تھا جس نے خود کو باس کہا

تھا۔۔۔حاویہ نے ذرا سا سر اٹھا کر نگاہ پچھلے شیشے پر دوڑائی تو باقی دونوں اسے پچھلے کھلے حصے میں براجمان نظر آئے۔۔۔وہ یا تو بے وقوف تھے یا پھر انھیں خود پر حد درجہ اعتماد تھا جو اسے یوں بنا کسی بندش کے اکیلے ادھر ڈال رکھا تھا۔۔۔حاویہ نے ایک دو پل رک کر چکراتے سر کو تھامتے،اپنے حواس کچھ مزید بحال ہونے کا انتظار کیا۔۔۔گاڑی کے شیشوں کے پار وہ صبح کی سپیدی پھیلتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔۔۔ایک بار پھر ذرا سا سر اٹھانے پر اسے ڈرائیور کچھ چونکتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔حاویہ نے پل بھر میں ایک فیصلہ لیا تھا۔۔۔اسے جو بھی کرنا تھا،ابھی کرنا تھا کیوں کہ اگر باقی دونوں شخص بھی اس کے ساتھ مل جاتے تو حاویہ کے لیے بچنا مشکل ہو جاتا۔۔۔ایک لمحے کو سوچ کر،اگلے ہی پل حاویہ ڈرائیور کے پیچھے سے اپنے ہاتھ آگے بڑھاتی،اس کے چہرے کو اپنے ناخنوں سے نوچ چکی تھی۔۔۔وہ جو پیچھے موجود لڑکی کے جسم میں ہوتی حرکت محسوس کر کے گاڑی کی رفتار آہستہ کر رہا تھا،اس اچانک حملے پر بے ساختہ اس کا اختیار اسٹیئرنگ سے کھویا اور اگلے ہی پل گاڑی ہچکولے لیتی ایک ڈھلوان کی سمت بڑھنے لگی۔۔۔حاویہ اب ڈرائیور کے سنبھلنے سے پہلے جلد از جلد گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہتی تھی۔۔۔وہ اسی کوشش میں تھی کہ اسی وقت ڈرائیور نے خودکار دروازوں کو کھولنے کے لیے ایک بٹن دبا دیا۔۔۔حاویہ جو دروازے کی ہتھی پر ہی گرفت جمائے ہوئے تھی۔۔۔ایک جھٹکے سے دروازہ کھلنے پر وہ گاڑی کے کھلے دروازے سے باہر گری اور اگلے کچھ پلوں

میں اس نے خود کو ایک ڈھلوان پر تیزی سے نیچے کی طرف لڑھکتے محسوس کیا تھا۔۔۔اپنے حواس کھونے سے پہلے جو آخری چیز اسے یاد رہی، وہ اپنے گالوں کو تھپتھپاتا ہوا کسی کے ہاتھوں کا لمس تھا۔

مرے خلوص پہ وہ اعتبار کیوں کرتا

روش جہاں سے الگ اختیار کیوں کرتا

نہ کوئی آس دلائی کبھی اسے میں نے

پھر عمر بھر وہ مرا انتظار کیوں کرتا

اگرچہ میں کبھی شامل نہ دوستوں میں ہوئی

وہ دشمنوں میں بھی مجھ کو شمار کیوں کرتا

مجھے عزیز تھا اپنا وقار ہر صورت

وہ زندگی کو مری بے وقار کیوں کرتا

میں اس کے واسطے گلشن کا استعارہ تھی

مرے بغیر وہ جشنِ بہار کیوں کرتا

وہ جس کو قدر کبھی ہو سکی نہ جذبوں کی

یہ جان و دل کوئی اس پہ نثار کیوں کرتا

اسے تھا پیار فقط اپنی ذات سے عذرا

سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے پیار کیوں کرتا

عذرا ناز

اسپتال کی طویل راہداریوں میں بھاگتے دوڑتے لوگ خود تو زندہ تھے مگر اپنے پیاروں کی زندگی بچانے کی تگ و دو انھیں تھکنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔۔۔ازمیر بھی بے ہوش پڑے حسامہ کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔۔۔حاویہ کی کال موصول ہوتے ہی وہ اپنے کاٹیج کی دیکھ بھال پر مامور جوڑے کو وہاں جانے کا اذن دے کر خود بھی ان کے پاس جانے کے لیے روانہ ہو گیا۔۔۔ان لوگوں

نے بروقت ایمبولینس منگوا کر اسے قریبی شہر کے اسپتال منتقل کروا دیا تھا۔۔۔اس کے پہنچنے تک حسامہ کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔۔۔ڈاکٹر کے مطابق سر پر چھوٹ لگنے کے بعد اس کے وجود کے برف میں پڑے رہنے کی وجہ سے اس کی بے ہوشی طول پکڑ رہی ہے۔۔۔اس دوران وہ مسلسل حاویہ کی تلاش میں بھی سرگرداں تھا لیکن تاحال وہ لاپتہ ہی تھی۔۔۔وہ فہام سہگل سے بھی مسلسل رابطے میں تھا لیکن ان سے آخری بار ہوئی بات کے بعد سے اس نے ان کو بھی مزید کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ طوائفیں کبھی گھر نہیں بسا سکتیں۔۔۔یہ ضرور اس حرافہ ہی کی کوئی چال ہے۔۔۔ہمارے بیٹے کو زخمی کر کے، وہ ضرور اپنے کسی آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔“فہام سہگل کی بدگمانی اپنے عروج پر تھی۔۔۔اس کی فکر کرنے کی بجائے وہ ابھی بھی اس کی کردار کشی پر آمادہ نظر آتے تھے۔۔۔وہ ان کے لاڈلے بیٹے کی محبوب بیوی اور ان کے گھر کی عزت تھی اور وہ اسے ڈھونڈنے کی بجائے اسی عزت کا جنازہ نکالنے پر تلے تھے۔۔۔ان کی بات پر اس نے ان سے بحث کیے بنا ہی فون بند کر دیا تھا لیکن ان کی بات اس کے ذہن سے نکل ہی نہ رہی تھی۔۔۔اکرام رضوی اپنی اہلیہ کے ہمراہ ان دنوں ایک فلم کی ہدایت کاری کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے سو انھیں تاحال اس واقعہ کا علم نہیں تھا۔۔۔وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب اسے اسپتال کی راہداری میں ایک ہلچل سی محسوس ہوئی۔۔۔بھاگتے قدموں سے ڈاکٹر کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل ہوتا

دیکھ کر، وہ بھی چوکنا ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔قریب آدھ گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد ایک ڈاکٹر اسے وارڈ سے نکل کر اپنی جانب آتا دکھائی دیا تھا۔

''مبارک ہو مسٹر سہگل! آپ کے مریض کو ہوش آگیا ہے۔۔۔اب وہ خطرے سے باہر ہیں لیکن وہ مسلسل کسی حاویہ کا پوچھ رہے ہیں۔۔۔ہم انھیں کمرے میں منتقل کروا رہے ہیں، تب تک آپ مس حاویہ کو بلا لیں۔''ازمیر ڈاکٹر کی دی گئی خبر پر ابھی خوش بھی نہ ہو پایا تھا کہ اس کی اگلی بات اسے تفکر میں ڈبو گئی۔۔۔وہ اب اسے کیا کہتا سو اس نے ڈاکٹر کی بات پر فقط اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''بھیا! حاویہ کدھر ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟''حسامہ کے کمرے میں منتقل ہوتے ہی ازمیر اس کے پاس آیا تو اس نے بھائی کو دیکھتے ہی سب سے پہلا سوال حاویہ کی بابت ہی کیا تھا۔۔۔ازمیر نے اس کی بات پر نفی میں سر ہلا دیا تو حسامہ کے چہرے پر وحشت چھائی تھی۔

''حسامہ! وہ لوگ کون تھے اور وہاں کیا ہوا تھا؟''اس کے سوال پر حسامہ لرزتے کانپتے لہجے میں اسے ساری تفصیل سے آگاہ کرنے لگا جب کہ دل و دماغ مسلسل حاویہ کی جانب لگے تھے۔

''تمھاری باتوں سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو بھی تھے، وہ وہاں حاویہ کو اٹھانے ہی آئے تھے۔۔۔تم فکر مت کرو، ہم جلد ہی اسے ڈھونڈ لیں گے۔''ازمیر کی تسلی کے جواب میں حسامہ بے چینی سی گویا ہوا:

"بھیا! چوبیس گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر گیا ہے اسے کھوئے کوئے، آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس دوران اس پر کیا بیت سکتی ہے۔۔۔ وہ اگر مجھے صحیح سلامت واپس نہ ملی تو میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جس نے بھی یہ کیا ہے، وہ ہمارا کوئی قریبی ہی ہے ورنہ ہمارے کاٹیج تک پہنچنا کسی عام چور اچکے کے لیے آسان نہیں ہے۔" حسامہ اپنی بات کے دوران ہی ہانپنے لگا تھا۔

"حسامہ! تم پر سکون رہو۔۔۔ میرے آدمی اسے ڈھونڈ رہے ہیں، وہ جلد مل جائے گی۔" اس کی تسلی آمیز انداز پر وہ مزید بپھرا تھا۔

"کیسے پر سکون رہوں۔۔۔ میری بیوی کل سے لاپتہ ہے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں۔۔۔ میں خود جاؤں گا اسے ڈھونڈنے۔۔۔ آپ ڈاکٹر سے کہیں کہ مجھے چھٹی چاہیے۔" حسامہ نے دیوانگی سے کہتے، اپنے ہاتھ پر لگی ڈرپ نوچی تھی۔

"حسامہ! تمھاری طبیعت۔۔۔" وہ اس بار ہذیانی انداز میں اس کی بات ٹوک گیا تھا:

"بھاڑ میں گئی میری طبیعت۔۔۔ مجھے ہر حال میں حاویہ کو ڈھونڈنا ہے۔" اس کے چیخنے پر ازمیر کو اس کی بات مانتے ہی بنی۔۔۔ وہ ڈاکٹر کے تحفظات ذہن میں رکھتا، اسے لے کر حاویہ کی تلاش میں نکل آیا لیکن وہ تھی کہ مل کر ہی نہ دی۔۔۔ دو دن ہو گئے تھے اور کہیں سے اس کا کوئی سراغ نہ مل رہا

تھا۔۔۔ازمیر اسے واپس اپنے شہر چلنے کا کہتا تو حسامہ اسے لیے بغیر واپسی پر آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔۔۔ جانے اب کب ان کی مراد بر آنی تھی۔

وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر، ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے ان تینوں پر بھی کڑی نگاہ جمائے ہوئے تھا جو مختلف جگہوں پر پٹیوں میں جکڑے سر جھکائے کھڑے تھے۔

"تف ہے تم لوگوں پر! ایک چھٹانک بھر کی لڑکی نہیں سنبھالی گئی تم لوگوں سے۔۔۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ تمھاری دوسری آنکھ بھی پھوڑ دوں۔" ایک ساتھ تینوں کو مخاطب کرتے، اس نے آخر میں اس شخص کو لتاڑا جس کی آنکھ سوج کر بند ہو چکی تھی۔۔۔ یہ یقیناً باس تھا جس کی آنکھ میں حاویہ کا ناخن لگنے کے باعث گاڑی کا توازن بگڑا تھا۔

"عالی جاہ! اس لڑکی نے یک دم حملہ کر دیا۔۔۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا، گاڑی ڈھلوان پہ اتر گئی۔۔۔ آپ مجھے ایک موقع اور۔۔۔" وہ گھگھیائے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا جب اس کی بات کاٹ دی گئی۔

’’ایک اور موقع! تمھیں لگتا ہے کہ اب حسامہ سہگل پہ ہاتھ ڈالنا اتنا آسان ہو گا۔۔۔ وہ زخمی شیر بنا گھوم رہا ہے۔۔۔ ہو نا ہو اس نے خود ہی لڑکی کو کہیں چھپا دیا ہے اور اب اسے ڈھونڈنے کا ناٹک کر رہا ہے۔۔۔ تمھاری وجہ سے مجھے مادام کے آگے شرمندہ ہونا پڑا ہے۔‘‘ اس نے غصے سے کہتے ہوئے جیب سے پستول برآمد کیا تھا۔

’’دل تو کر رہا ہے کہ یہ ساری کی ساری گولیاں تمھارے بھیجے میں اتار دوں لیکن تمھاری آشا کو نہیں جھیل سکتا میں۔۔۔ اب کس پر اترے گا میرا غصہ!‘‘ وہ شخص جسے وہ لوگ عالی جاہ کہہ رہے تھے اس نے پستول کا دستہ باس کے سر میں دستک کے انداز میں بجاتے، یکدم اس کی نال باقی دونوں کی طرف موڑی اور اگلے ہی لمحے فضا میں بارود کی بو رچی تھی۔۔۔ باس اپنے دونوں ساتھیوں کو زمین پر گر کر تڑپتا دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ گیا۔

’’پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں۔۔۔ دو دن ہیں تمھارے پاس۔۔۔ پتا کرو کہ وہ لڑکی کہاں گئی۔۔۔ کیا حسامہ سہگل نے خود اسے کہیں چھپا رکھا ہے؟ اس بار ناکام لوٹے تو میرے پاس آنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے لینا ورنہ تمھیں مارتے وقت مجھے بہت افسوس ہو گا۔‘‘ عالی جاہ کروفر سے بولتا اسے بھی تھرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں عالی جاہ! میں جلد ہی کسی اچھی خبر کے ساتھ لوٹوں گا۔" وہ کہتے ساتھ ہی فرش پر پڑی لاشوں کو پھلانگتا، تیزی سے وہاں سے نکل گیا کہ کہیں عالی جاہ کا موڈ نہ بدل جائے۔

"مادام! آپ تسلی رکھیں، جلد ہی اس لڑکی کا پتا چل جائے گا۔۔۔ فکر نہ کریں آپ کا نام کہیں بھی نہیں آئے گا۔" اس کے جاتے ہی عالی جاہ فون پر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔۔۔ جانے کون تھی یہ مادام جو حاویہ اور حسامہ کی ہنستی کھیلتی زندگی میں زہر گھولنا چاہتی تھی۔

سورج نے چاند کے ساتھ معاہدے کے چار ادوار مکمل کیے تو اس جھلنگا سی چارپائی پر پڑے ایک نسوانی وجود کے بے حس پڑے جسم میں کوئی حرکت سی ہوئی تھی۔

"حسامہ! حسامہ!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی، دھیرے دھیرے ملگجے سے سرہانے پر دھرا اپنا سر پٹخنے لگی تھی۔

"اماں! بی بی صیب کو ہوش آوے ہے۔" قریب پندرہ سولہ سال کی ایک دوشیزہ کی صدا پر دو تین خواتین بھاگتی ہوئیں اس خیمے نما جھگی میں داخل ہوئی تھیں۔

''بی بی صیب ! بی بی صیب تسی وَل (ٹھیک) او ؟'' ایک ادھیڑ عمر عورت اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

''حسامہ !'' وہ ہولے ہولے ہوش میں آتے، یک دم بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

''میں کہاں ہوں اور تم لوگ کون ہو ؟'' اس نے اٹھتے ساتھ ہی دریافت کیا تو ان ہی عورتوں میں سے ایک اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''بی بی صیب ! تسی پہاڑی سے ڈِگے (گرے) سی تے میرا گھر والا اور میں تانوں ایتھے لے آئے۔'' وہ عورت گلابی اردو میں اسے سمجھانے لگی تو حاویہ کو پوری جزیات کے ساتھ اس دن کا واقعہ یاد آیا تھا۔

''میں کب گری تھی ؟'' اس سوال کا جواب حاویہ کے ہوش اڑانے کو کافی تھا۔

''چار دن ہو گئے بی بی صیب !'' اس کے جواب پر اس کے سر میں ٹیس سی اٹھی تھی۔۔۔ اس نے بے ساختہ سر کو تھاما تو اسے اپنے سر پر پٹی بندھی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''بی بی صیب ! تسی ٹھیک او ؟'' اس عورت نے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت اور اس کی متغیر ہوتی حالت کے پیش نظر پوچھا تھا۔

''میں کہاں ہوں اس وقت اور کسی کے پاس فون ہے کیا ؟'' حاویہ نے سر ہلاتے استفسار کیا تھا۔

”بی بی صیب ! یہ ہم خانہ بدوشوں کی بستی ہے۔۔۔ فون توجی منگو کے کول (پاس) ہی ہوتا ہے۔۔۔ ابھی وہ جی بھیک منگوں کو اکٹھا کرنے گیا ہے، وہ آوے گا تو ہی دسّے (بتائے) گا آپ کو۔“ اس عورت نے ابھی بھی گلابی اردو کا استعمال کرتے، اپنی بات اس تک پہنچائی تھی۔۔۔ منگو شاید ان کے سرغنہ کا نام تھا۔۔۔ حاویہ تو بھیک منگوں کا لفظ سنتے ہی تھرا اٹھی کہ کہیں وہ غلط ہاتھوں میں تو نہیں آ گئی۔۔۔ شام تک اس کی پریشانی حد سے سوا ہو چکی تھی۔۔۔ وہ جلد از جلد حسامہ سے رابطہ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاؤں میں بندھی پٹی اور فون کی عدم دستیابی اس کے آڑے آ گئی۔۔۔ شام کا ملگجا اندھیرا پھیلتے ہی اس عورت نے اسے منگو کی واپسی کی اطلاع دی جس سے وہ بار بار اس کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔۔۔ حاویہ نے فوراً اس سے ملنے کی درخواست کر دی تھی۔۔۔ قریب پندرہ منٹ بعد وہ عورت دو اور خواتین اور دو مردوں کے ساتھ اس جھگی میں داخل ہوئی تھی۔

”تانوں کسے فون کرنا ہے؟“ منگو پکے رنگ کا ایک دبلا پتلا سا متناسب قد کا مرد تھا جس نے سر کے بالوں میں بھر بھر کر تیل چپڑ کر درمیان سے مانگ نکال رکھی تھی۔۔۔ اس کے کندھے پر اجرک نما صافہ اور دانتوں میں دبی بیڑی، کوئی اچھا تاثر نہ چھوڑ رہی تھی لیکن جب وہ بولا تو جانے کیوں وہ حاویہ کو ان سب گنواروں میں سب سے کم اجڈ لگا تھا۔۔۔ حاویہ نے ڈرتے ڈرتے اپنی بات کا آغاز کیا:

''بھائی! میرا نام حاویہ ہے اور میں حسامہ سہگل کی بیوی ہوں۔۔۔کچھ لوگوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن میری قسمت اچھی تھی کہ آپ لوگوں نے مجھے بچالیا۔۔۔میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں بھائی کہ آپ نے میری مدد کی۔۔۔آپ بس ایک احسان اور کردیں کہ میرے شوہر سے میری بات کروادیں۔'' حاویہ نے لفظ بھائی پر زور دیتے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''بی بی! بندے تو ہم بھی چنگے (اچھے) نہیں ہیں لیکن تم نے مجھ مندے (برے) کو بھائی بولا ہے تو میں تجھے یہاں سے جانے دیوں گا۔۔۔یہ لو کر لیو وا اپنے خسم سے بات!'' اس کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔۔۔حاویہ نے جھٹ اس سے فون لیتے، کپکپاتے ہاتھوں سے حسامہ کا نمبر ملایا۔۔۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ شخص اتنی آسانی سے مان جائے گا لیکن شاید اس کی زندگی میں آنے والے امتحانات اس آزمائش سے زیادہ کڑے تھے جو وہ اتنی آسانی سے یہاں سے نکلنے کو تھی۔

انھیں چار دن ہو گئے تھے سب کچھ بھلائے حاویہ کو ڈھونڈتے لیکن وہ جانے کہاں جا چھپی تھی۔۔۔ازمیر تین چار بار کے بعد اب حسامہ کو واپس جانے کا بھی کہنا چھوڑ چکا تھا۔۔۔بابا جان سے بھی اس کی فون پر جھڑپ ہو چکی تھی۔۔۔انھوں نے اسے بھی وہی سب کچھ کہا جو ازمیر سے کہا تھا لیکن

حسامہ یہ ماننے سے انکاری تھا کہ حاویہ اسے دھوکا دے سکتی ہے۔۔۔ وہ مسلسل واپسی کا کہہ رہے تھے لیکن حسامہ مان کر ہی نہ دیا۔۔۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے یقین ہے کہ حاویہ یہیں کہیں ہے۔۔۔ ابھی بھی وہ صبح سے یوں ہی سڑکوں کی خاک چھانتے کافی دور نکل آئے تھے۔۔۔ اب وہ ایک جانب گاڑی روک کر پانی پی رہے تھے جب حسامہ کی نگاہ پہاڑی سے نیچے کچھ دور لگے خیموں کی طرف اٹھی۔۔۔ اس کا دل نجانے کیوں یک دم زوروں سے دھڑکا تھا۔

''بھیا! وہ دیکھیں کوئی بستی ہے شاید! آئیں ادھر سے حاویہ کا پتا معلوم کرتے ہیں۔'' حسامہ کے پرجوش انداز پر ازمیر نے بھی اس طرف نظریں موڑی تھیں۔

''ہم دو تین بار یہاں سے گزرے ہیں لیکن پہلے تو یہ بستی نظر نہیں آئی۔۔۔ ادھر کیسے ہو سکتی ہے حاویہ!'' ازمیر نے اس کی بات میں اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

''پتا کرنے میں کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کوئی سراغ مل جائے۔'' حسامہ ابھی بھی نیچے جا کر پوچھ گچھ کرنے پر بضد تھا۔

''یہاں گاڑی کہاں کھڑی کریں گے۔۔۔ نیچے تو نہیں جائے گی ناں یہ! صبح آ کر دیکھتے ہیں، ابھی دیکھو شام ہو گئی ہے۔۔۔ گاڑی یوں ہی کھڑی کر کے جانے سے دوسروں کا راستہ رک جائے گا۔'' ازمیر نے رسان سے کہتے اسے قائل کرنا چاہا لیکن وہ انکار کر گیا۔

''ٹھیک ہے! آپ نہ آئیں۔۔۔ میں خود اکیلا نیچے جا کر دیکھتا ہوں۔'' حسامہ کی بات کے دوران ہی ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا فون بج اٹھا تھا۔۔۔ اس نے پانی کی بوتل ہاتھ سے رکھتے فون اٹھایا تو انجان نمبر دیکھ کر اس کی چھٹی حس بیدار ہوئی تھی۔۔۔ جانے کس احساس کے تحت اس نے فوراً رابطہ بحال کیا تھا۔

''حسامہ!'' اس کے ہیلو کہتے ہی فون کے پار سے ابھرنے والی نسوانی آواز سنتے حسامہ سہگل کی رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہوئی تھی۔

''حاویہ!'' اس پکار پر پانی پیتے ازمیر نے بھی ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔

''حاویہ! کہاں ہو تم؟ یہ کس کا نمبر ہے؟'' حسامہ کے بے تابی سے پوچھنے پر اس بار ایک مردانہ آواز فون سے ابھری تھی۔

''صیب جی! ہم منگو بول ریا ہے۔'' اس شخص نے یوں اپنا تعارف کروایا گویا ایک دوسرے سے پرانی واقفیت ہو۔

''منگو! تم کون ہو اور کہاں سے بات کر رہے ہو؟'' حسامہ کے استفسار پر وہ شخص اسے تفصیل سے آگاہ کرنے لگا تو حسامہ نے بے ساختہ نیچے بستی کی جانب دیکھا۔۔۔ وہ اپنی بات کے دوران ہی گاڑی

سے نکل چکا تھا۔۔۔ازمیر بھی اس کے پیچھے لپکا جواب اس شخص کو اپنے موجود مقام سے آگاہ کر رہا تھا۔

''ہم ادھر نیلی پہاڑی کے دامن میں ہی موجود ہیں۔۔۔تم کدھر ہو؟'' حسامہ نے اپنے سر سے اوپر جاتی پہاڑی کو دیکھتے ہوئے کہا اور اگلے ہی پل وہ دیوانہ وار نیچے ڈھلوان کی جانب دوڑنے لگا تھا۔۔۔ ازمیر بھی گاڑی مقفل کرتا اس کے پیچھے بھاگا۔۔۔اگلے دس منٹ میں وہ حاویہ کے روبرو تھے۔

''حسامہ ! حاویہ !'' وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو پکارتے، اک دوجے کی جانب بڑھے لیکن حاویہ کو پیر میں اٹھتے درد کی وجہ سے کراہ کر رک جانا پڑا۔۔۔حسامہ تیزی سے اس تک آتے، ارد گرد موجود لوگوں کی پرواکیے بغیر اسے خود سے لپٹا چکا تھا۔۔۔وہاں موجود عورتوں نے منھ پہ دوپٹے ڈالے تو مردوں نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔۔۔وہ کتنی ہی دیر یوں ہی ایک دوسرے کی آغوش میں کھڑے رہے جب ازمیر کے قریب آکر حسامہ کے کندھا تھپتھپانے پر وہ پیچھے ہٹا تھا۔

''صیب جی ! اس نے ہم کو بھائی بولا ورنہ سب سانوں بھکاری آکھے (کہے) ہیں۔۔۔دھیان رکھیو ساڈی بین دا۔'' وہ اسے لے کر نکلے تو منگو کی تاکید پر حسامہ اثبات میں سر ہلا کر حاویہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھاتا، آگے بڑھ گیا کہ پیر کی چوٹ کے سبب وہ ابھی خود سے چلنے سے قاصر تھی۔

گاڑی شہر کی حدود میں داخل ہونے سے بہت پہلے ہی حاویہ انھیں حسامہ کے بے ہوش ہونے کے بعد کے بابت بتانے لگی۔۔۔عالی جاہ کا نام سنتے ہی ازمیر چونک اٹھا تھا۔

''حسامہ! یہ عالی جاہ تو وہی غنڈہ نہیں جس نے پچھلے دنوں ہی ایک نامور سیاسی ہستی کا قتل کیا ہے۔۔۔اس کا تم دونوں سے کیا لینا دینا؟ وہ بھلا کیوں حاویہ کو اغوا کرنا چاہے گا؟''ازمیر کی قیاس آرائی پر حسامہ کے چہرے پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

''اس کو ہم سے کچھ نہیں لینا لیکن کوئی اسے پیسے دے کر تو یہ کام کروا سکتا ہے نا! باباجان سے زیادہ کون حاویہ کا دشمن ہے بھلا!''حسامہ کے لہجے میں بولتے شکوک پر وہ دونوں ہی اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حسامہ؟ باباجان بھلا کیوں میرے ساتھ ایسا کرنا چاہیں گے؟''حاویہ نے اس کی بات رد کرنا چاہی لیکن حسامہ کو ابھی بھی یقین تھا کہ ہو نا ہو اس سارے قصے میں فہام سہگل کا ہی ہاتھ ہے۔

''تم لاعلم تو نہیں کہ تم سے شادی میں نے ان کی پسند کے خلاف کی ہے سو وہ اپنی بات رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔''اس کا لہجہ زہر خند ہوا تھا۔

”حسامہ! بھلے سے انھوں نے اس رشتے کی مخالفت کی تھی لیکن بعد میں وہی گئے تھے تمھارا ہاتھ مانگنے۔“ ازمیر نے اس کی بات کی تردید کرنا چاہی لیکن وہ اس کو بھی ٹوک گیا تھا۔

”بالکل! اپنا شملہ اونچا رکھنے کے لیے انھوں نے میری شادی تو کروا دی لیکن سچ یہی ہے کہ انھوں نے ابھی تک حاویہ کو اپنی بہو تسلیم نہیں کیا۔۔۔ اس واقعے کے بعد فون پر ان سے ہوئی گفتگو اس بات کا واضح ثبوت ہے لیکن میں اب مزید یہ سب برداشت نہیں کروں گا۔۔۔ آپ مجھے میرے فلیٹ پر اتار دیں۔۔۔ میں گھر نہیں جاؤں گا۔“ حسامہ نے طنزیہ لہجے میں کہتے، آخر میں ضدی انداز اپنایا تھا۔

”بے وقوف مت بنو حسامہ! تم میرے ساتھ ہی چل رہے ہو اور ہم اس بارے میں اب گھر جا کر ہی بات کریں گے۔“ ازمیر کا انداز دوٹوک تھا۔

”بھیا! میں۔۔۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسے پھر سے ٹوک دیا گیا۔

”حسامہ! مزید کوئی بحث نہیں۔۔۔ چپ کر کے میرے ساتھ چلو۔“ اس بار اس کا انداز حکمیہ تھا۔۔۔ حسامہ بھائی کی بات پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے لب بھینچ گیا۔۔۔ حاویہ بھی دونوں بھائیوں کی تکرار کے بعد خاموشی سے پلکیں موند گئی۔۔۔ جانے اب گھر جا کر کیا تماشا ہونا باقی تھا۔

صبح کی سپیدی ہر سو پھیلنے کو تھی جب وہ لوگ گھر پہنچے۔۔۔۔حسامہ نے سوئی ہوئی حاویہ کو اپنی بانہوں میں لے کر اندر کی راہ لی تو ازمیر بھی گاڑی کی چابی ڈرائیور کو تھما کر خود اس کی تقلید میں رہائشی حصے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔۔۔اپنے اپنے کمروں میں جانے کے بعد وہ لوگ جو سوئے تو پھر شام ڈھلے ہی جاگے تھے۔۔۔۔ان کی سب گھر والوں سے ملاقات رات کے کھانے پر ہوئی۔۔۔۔سب نے ہی حاویہ کا حال دریافت کرتے اس کے صحیح سلامت لوٹ آنے پر خوشی کا اظہار کیا تو حسامہ کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑے۔۔۔۔خلاف توقع فہام سہگل نے بھی بنا کسی غیر معمولی رد عمل کے اس کی طبیعت دریافت کی تو اس کا رہا سہا غصہ بھی فنا ہوا تھا۔۔۔۔ہفتہ بھر بعد حاویہ کا پاؤں ٹھیک ہو گیا تو زندگی پھر سے ایک ڈگر پر چل نکلی تھی۔۔۔۔پندرہ بیس دن یوں ہی گزر گئے جب ایک خبر پھر سے ان کی زندگیوں میں ہلچل مچا گئی تھی۔

یہ ایک خوبصورت شام کا منظر تھا۔۔۔۔ہلکے عنابی رنگ کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس، ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بالوں کو سیدھا کر کے کھلا چھوڑے حاویہ لان میں ٹہلتے ہوئے حسامہ کی آمد کی منتظر تھی۔۔۔۔انھیں ارسلان کے بیٹے کی دوسری سالگرہ میں جانا تھا۔۔۔۔حسامہ نے کچھ دیر پہلے ہی اسے فون کر کے آنے کا کہا تھا سو وہ اب اسی کی منتظر تھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' حسامہ کے آتے ہی وہ گاڑی کے ہارن پر باہر آکر اس کے برابر بیٹھی تو اس کی تعریف پر وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

''آپ کو اچھی لگی تو سمجھیں میری محنت وصول ہو گئی۔'' حاویہ نے مسکراتے ہوئے کہہ کر گاڑی میں موسیقی چلادی تھی۔

جہاں ترا نقش قدم دیکھتے ہیں

خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

ناہید اختر کی آواز میں غالب کی اس غزل کے بول سنتے ہی ان دونوں کے لبوں کو ایک خوبصورت مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے

سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ان بولوں پر حسامہ نے ایک ابرو اچکا کر مسکراتے ہوئے حاویہ کی جانب دیکھا تو وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ، ہولے سے ہنس کر اس کے بازو پر سر ٹکا گئی تھی۔

''حمود کیلئے گفٹ لے لیا تھا ناں!''موسیقی کے دوران اس کے سوال پر حسامہ نے فقط سر ہلایا تو وہ بھی مسکرا کر پھر سے اس کے پہلو سے لگی تھی۔

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم

قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

گائیکہ نے یہ الفاظ دہرائے تو حسامہ بھی اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلاتے، اس کے ساتھ گانے لگا تھا۔

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری

تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں

اب کے حاویہ کی آواز بھی ان سروں کے ساتھ گھلنے لگی۔۔۔وہ دونوں ایک دوسرے میں گم، ساتھ ساتھ گیت کے بول دہرا رہے تھے۔

سراغِ تُفِ نالہ لے داغِ دل سے

کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ

تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

وہ لوگ ہنستے کھلکھلاتے گنگنا رہے تھے جب یک دم ایک تیز رفتار گاڑی کے ان کی گاڑی کے بالکل پاس سے گزرنے پر حسامہ نے یکلخت بریک ہر پاؤں رکھے تو حاویہ نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھتے خود کو اس سے ٹکرانے سے بچایا تھا۔۔۔ یہ کوئی اتنا بڑا جھٹکا بھی نہ تھا لیکن حاویہ کو نجانے کیوں اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔ اس نے ایک ہاتھ سے سر تھامتے دوسرا اپنے منہ پر جمایا تو حسامہ تیزی سے گاڑی ایک جانب کر کے روکتے، اپنی طرف سے اتر کر اس کی جانب آیا تھا۔۔ گاڑی کا دروازہ کھلتے ہی حاویہ نیچے جھک کر اپنے معدے میں موجود مواد باہر اگلنے لگی۔

"حاویہ!" قے کرنے کے بعد وہ بے دم سی اس کے بازوؤں میں جھول گئی تو حسامہ نے اس کا گال تھپتھپاتے اسے پکارا لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اسے سیٹ پر سیدھا کر کے اس کی سیٹ بیلٹ باندھتے ہی گاڑی پوری تیز رفتاری سے اسپتال کی طرف موڑ گیا تھا۔

کسی بھی شادی شدہ جوڑے کے لیے والدین بننے کی خوش خبری کسی بھی دوسری خبر سے ہزار گنا زیادہ پر کیف اور خوش آئند ہوتی ہے۔۔۔ حسامہ اور حاویہ بھی اس وقت خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا

محسوس کر رہے تھے۔۔۔ جس وقت ڈاکٹر نے حاویہ کے ماں بننے کی تصدیق کی، اسی پل ان دونوں کا دل تشکر کے احساس سے لبریز ہوا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں باباجان؟" گھر آ کر سب کی مبارک باد وصول کرنے کے بعد حاویہ آرام کی غرض سے کمرے میں گئی تو فہام سہگل نے حسامہ کو کوئی ضروری بات کرنے کے لیے روک لیا تھا اور اب جب انھوں نے اپنا مطالبہ اس کے سامنے رکھا تو حسامہ اندر تک ہل کے رہ گیا تھا۔۔۔ تو کیا اس کے ماضی کے بدترین خدشات سچ ہونے کو تھے؟

"وہی جو تم نے سنا۔۔۔ ہم کیسے یقین کرلیں کہ جسے تمھاری بیوی تمھارا وارث گردان رہی ہے، وہ سہگل خاندان کا خون ہے بھی یا نہیں؟" فہام سہگل کا لہجہ بے لچک اور رعونت سے بھرپور تھا۔

"باباجان! کسی معصوم پہ تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے۔" حسامہ انھیں ان کے لفظوں کی سفاکی کا احساس دلانا چاہتا تھا۔

"ہم کسی پہ الزام نہیں لگا رہے۔۔۔ جو سچ ہے، وہی کہا ہے۔۔۔ تمھاری بیوی چار دن گھر سے غائب رہی۔۔۔ اس بیچ ہمیں کیا علم کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہو؟" ان کے لفظوں کا یہ وار پہلے سے زیادہ کاری تھا۔

"بابا جان! میں اور بھیا اسے خود اس بستی سے لائے تھے۔" حسامہ نے حتی المقدور اپنے لہجے پہ قابو رکھا کہ وہ کسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"تم چار دن وہاں نہیں تھے سو اس بات کا یقین مجھے مت دلاؤ جس کا کوئی ثبوت خود تمھارے پاس نہیں ہے۔" فہام سہگل کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنے آپ کو عقل کل مانتے ہیں۔

"ایک عورت کی پاکیزگی کا گواہ اس کا شوہر ہوتا ہے اور مجھے حاویہ پہ پورا یقین ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ یہ میرا خون ہے اور مجھے اس کے لیے کسی ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں!" حسامہ کی پوری کوشش تھی کہ یہ بات کمرے سے باہر نہ جائے سو اس نے اپنی آواز دھیمی رکھی۔۔۔ اس کے لیے حاویہ کی عزت نفس اور اس کا مقام سب سے بڑھ کر تھا۔

"مجھے فلسفہ مت پڑھاؤ اور جو کہا ہے، وہ کرو۔" فہام سہگل ہنوز اپنی بات پہ قائم تھے۔

"گستاخی معاف بابا جان! لیکن جو آپ چاہتے ہیں، وہ میں نہیں کر سکتا۔" حسامہ نے انھیں صاف انکار کیا تھا۔

"گھوڑے جب گدھوں سے رشتے بنانے لگیں تو ان کی نسلیں خچر کہلاتی ہیں اور خچروں سے نسلیں آگے نہیں بڑھتیں۔۔۔ تمھیں اگر ہمارے خاندان میں رہنا ہے تو پھر اس بات کا ثبوت بھی دینا ہوگا

کہ تمھاری بیوی، ہمارے خاندان کے خون میں کوئی آمیزش نہیں کر رہی۔'' فہام سہگل کی بات پر حسامہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''باباجان! ایک مرد سے بہتر کوئی یہ نہیں جانتا کہ اس کی بیوی کا کردار کیسا ہے سو میں یہ نہیں کروں گا۔۔۔آپ بے شک مجھے گھر سے نکال دیں لیکن مجھے اپنی بیوی کے کردار پر کوئی شک نہیں۔''

حسامہ کا لہجہ اٹل تھا۔

''لوگوں سے کیا کہو گے؟ کہ کیوں تمھارے گھر والوں نے تمھیں چھوڑ دیا۔۔۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ آنے والے کے سر پر ہمہ وقت رسوائی کی سیاہی ملنے کی بجائے ایک ہی بار اس کی شناخت کی تصدیق کرلو۔'' فہام سہگل کے لہجے کی سنسنی حسامہ کو اپنے اندر دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

''ایسا کر کے میں آپ کو تو ثبوت فراہم کر دوں گا لیکن اپنے آپ سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہوں گا۔'' حسامہ کے انداز میں عاجزی سمٹ آئی کہ وہ اپنی اولاد کو گالی بننے نہیں دے سکتا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ ہم بھی اسے اپنا خون ماننے سے انکار کرتے ہیں۔۔۔ جانے کس غلاظت کا ڈھیر ہے جسے تمھاری بیوی ہمارے سر منڈھ رہی ہے۔'' ان کی بات پہ حسامہ کے ضبط کے بند ٹوٹنے لگے تھے۔

"باباجان!" شدت غم سے اس کی آواز پھٹ پڑی۔۔۔اپنی ضد میں وہ یہ دیکھ ہی نہیں پا رہے تھے کہ ان کے الفاظ کیسے کسی تیز دھار آلے کی طرح اس کا سینہ چاک کر رہے تھے۔

"میں اب ایک پل یہاں نہیں رہوں گا۔" اٹل لہجے میں کہتا وہ جانے کو پلٹ گیا تھا۔

"تمھارے جانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔" اپنی پشت پہ ابھرتی ان کی آواز حسامہ کے دماغ پہ ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"حسامہ! کدھر جا رہے ہو اس وقت؟" وہ سوئی جاگی حاویہ کو لے کر خارجی دروازے تک پہنچا تو باہر سے آتے ازمیر سہگل کے سوال نے پل بھر کو اس کے قدم زنجیر کیے لیکن باپ کا کٹھور پن یاد آتے ہی وہ حاویہ کا ہاتھ تھامتے پھر سے آگے بڑھ گیا تھا۔

"حسامہ!" اسے یوں بنا جواب دیے جاتا دیکھ کر ازمیر نے اسے پھر سے پکارا تھا۔

"حسامہ! کچھ پوچھا ہے میں نے!" اس کی جانب سے ہنوز خاموشی پر ازمیر کے ساتھ ساتھ حاویہ بھی حیران ہوئی جو اب تک اصل قصے سے لاعلم تھی۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا بھائی! باباجان نے کبھی حاویہ کو دل سے قبول نہیں کیا لیکن آپ نہیں مانے۔۔۔ آج انھوں نے میرے شک پہ تصدیق کی مہر لگا دی ہے۔" باہر آکر حاویہ کو گاڑی

میں بٹھاتے، اس نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتے ازمیر کو مخاطب کیا تو وہ اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

"کیا بول رہے ہو؟" ازمیر نے دنگ لہجے میں استفسار کیا تھا۔

"آپ کو اب جو بھی پوچھنا ہے بابا جان سے پوچھ لیں۔" اپنی بات کے آخر پہ وہ اس کا جواب سننے کے لیے رکا نہیں تھا۔۔۔ ازمیر نے ناسمجھی سے اس کی گاڑی کو مرکزی پھاٹک سے نکلتے دیکھا اور پھر وہ الٹے قدموں فہام سہگل کے کمرے کی طرف گیا تھا۔

"حسامہ! سب خیریت ہے؟ آپ کسی بات پہ بابا جان سے خفا ہیں کیا؟" حاویہ کو اس کی باتوں کی سمجھ تو نہیں آئی تھی لیکن اسے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ اپنے والد سے ناراض ہے سو گاڑی کے مرکزی شاہراہ پہ آتے ہی اس نے استفسار کیا تھا۔

"تمھیں ڈاکٹر نے خوش رہنے کا کہا ہے سو تم ساری فکریں چھوڑ کر صرف خود پہ توجہ دو۔۔۔ باقی کسی بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں!" اتنی دیر میں پہلی بار اس کے چہرے کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"اچھا یہ تو بتائیں کہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟" خود پہ لگے رکیک الزام سے بے خبر وہ عام سے انداز میں اس سے سوال کر رہی تھی۔

''ہم اب اس گھر میں نہیں رہیں گے۔'' اس کے پاس اسے مطلع کرنے کے لیے اس سے زیادہ سادہ الفاظ نہیں تھے لیکن پھر بھی حاویہ کو شاک لگا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ سراسیمگی سے استفسار کر رہی تھی۔

''تمھیں مجھ پر بھروسہ ہے نا؟'' حسامہ نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے سوال کیا تھا۔

''خود سے بھی زیادہ!'' حاویہ کو جواب دینے میں ایک پل سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

''تو پھر اب مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔'' اس کے کہنے کی دیر تھی اور وہ سارے الفاظ اپنے اندر دباتے، اس کے بازو کے گرد اپنا ہاتھ لپیٹتے، اس کے کندھے سے سر ٹکا گئی تھی۔۔۔ اس کی اس درجہ فرماں برداری پر حسامہ کی آنکھوں کی سرخی کچھ مزید بڑھی تھی۔

انھیں گھر سے آئے تین ہفتے ہو چکے تھے، اس دوران نہ حاویہ نے اس سے کچھ پوچھا اور نہ ہی حسامہ نے اسے کچھ بتایا۔۔۔ وہ دونوں باپ بیٹا اپنی اپنی بات پر قائم تھے اور رازمیر ان دونوں کو ہی سمجھانے کی کوششوں میں مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔۔۔ فی الحال گھر میں باقی لوگ اس کے جانے کی وجہ سے ان جان ہی تھے لیکن اس حقیقت کو آخر کب تک ان سے چھپایا جا سکتا تھا اور سچ کھلنے کی صورت میں ان

لوگوں میں سے کوئی اگر حاویہ کو لے کر منفی سوچ رکھتا تو حسامہ کے ان سے تعلقات میں مزید دراڑیں پڑ جاتیں۔

''بھائی! سمجھنے کی ضرورت مجھے نہیں باباجان کو ہے۔۔۔وہ کیسے اپنے ہی خون پہ سوال اٹھا سکتے ہیں؟''ازمیر آج پھر حسامہ کے دفتر میں موجود تھا لیکن وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا اور ہوتا بھی کیوں؟ فہام سہگل کا مطالبہ سراسر غیر منصفانہ تھا۔

''حسامہ! میری بات پہ ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔۔۔ تمھیں کیا لگتا ہے کہ ایسے سب سے کٹ کر تم اپنی اولاد کو ان الزامات سے بچا لوگے جو اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ذات پر لگا دیے جائیں گے؟ لوگوں کے سوالوں کے کیا جواب دوگے؟ کہ تمھاری اولاد کو کیوں سہگل خاندان سے بے دخل کر دیا گیا؟''ازمیر کے سوال کڑے سہی لیکن ان کا وہ جواب ہر گز نہیں بنتا تھا جو فہام سہگل کی ایما تھی۔

''تو آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں باباجان کی بات مان کر ان کی سوچ کو سچ ثابت کر دوں؟ لوگ تو ایسے بھی باتیں ہی بنائیں گے۔''حسامہ اکھڑ انداز میں بولا تو ازمیر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''لوگوں کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں! تمھیں صرف باباجان کی تشفی کروانی ہے۔''ازمیر کی بات پر وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا، گویا اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”دیکھو حسامہ! آج بات گھر میں ہے لیکن تمھاری اور بابا جان کی ضد کے سبب بہت جلد لوگ بھی اس الزام کی ٹوہ لینے لگیں گے جو حاویہ کے ساتھ منسوب کیا جارہا ہے اور پھر بات سچ یا جھوٹ کی حدود سے نکل جائے گی۔۔۔لوگ اسی کو حقیقت تسلیم کرلیں گے، جو فی الحال صرف ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔۔۔حاویہ میرے لیے چھوٹی بہن جیسی ہے اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ اسے لوگوں کی طنزیہ نظروں یا جملوں کا سامنا کرنا پڑے۔۔۔ تمھیں کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ سب کو میں سنبھال لوں گا، تم بس وہ کرو جو میں کہتا ہوں۔“ازمیر کتنی ہی دیر اس سے بات کرتا رہا تھا۔۔۔کہتے ہیں کہ جب کسی پتھر پہ قطرہ قطرہ پانی گرتا رہے تو اس میں سوراخ ہو ہی جاتا ہے۔۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ شگاف حسامہ کے یقین میں پڑا تھا یا فہام سہگل کی انا میں؟

آسمان کے مغربی کنارے پہ پھیلتی شفق کی لالی سورج غروب ہونے کی خبر سناتی دکھائی دے رہی تھی۔۔۔آسمان پہ اڑتے پنچھی اور سڑکوں پہ بھاگتے دوڑتے نفوس اپنی اپنی کمیں گاہوں کی جانب محوِ سفر تھے۔۔۔انسانوں کے اس رش میں حسامہ اور حاویہ بھی شامل تھے جو اکرام رضوی اور ذوباریہ رضوی سے ملنے کی غرض سے ان کے گھر جارہے تھے جو ایک طویل عرصہ بعد وطن واپس

لوٹے تھے۔۔۔انھیں سہگل ہاؤس لوٹے تین ماہ ہونے کو تھے۔۔۔حاویہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ہوا تھا لیکن فہام سہگل خود اسے گھر لے جانے کے لیے آئے تو حسامہ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔۔۔باتوں کے دوران وہ لوگ اپنی منزل کی جانب گامزن تھے جب حاویہ بات کرتے کرتے یکلخت چیخی تھی:

''حسامہ! گاڑی روکیں۔۔۔جلدی سے ایک جانب روکیں گاڑی!'' یہ ایک نسبتاً کم رش والی ایک شاہ راہ تھی جس کے اطراف میں خالی زمینیں تھیں اور وہیں ایک طرف سڑک کنارے کچھ جھگیاں بھی نظر آرہی تھیں جو یقیناً خانہ بدوشوں نے لگا رکھی تھیں۔

''کیا ہوا حاویہ؟ تم ٹھیک ہو؟'' گاڑی ایک جانب روک کر حسامہ نے فکر مندی سے استفسار کرتے، اسے دیکھا جو ایک گہرا سانس بھر رہی تھی، یوں جیسے کچھ محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''یہ خوش بو!'' حاویہ کو بند گاڑی میں گھبراہٹ ہونے لگتی تھی سو انھوں نے اپنی اپنی جانب والی کھڑکیوں کے شیشے نیچے گرا رکھے تھے اور اب یقیناً فضا میں رچی کوئی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی ہنڈیا کی بھنائی کر رہا ہو۔'' ایک بار پھر سانس اندر کھینچتے، حاویہ نے جذب کے عالم میں کہا۔۔۔اس کے چہرے پہ ایک عجیب سا سرور تھا، یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ خوش بو اسے سکون فراہم کر رہی ہو۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے یہاں کوئی گوشت بھون رہا ہے۔'' حاویہ نے ایسے چٹخارہ لے کر کہا کہ حسامہ کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔۔۔وہ اسے کچھ کہہ پاتا، اس سے پہلے ہی حاویہ کی اگلی بات اس کا دماغ ہی بھک سے اڑا گئی تھی۔

''مجھے یہ گوشت کھانا ہے۔'' وہ دنگ نظروں سے حاویہ کی فرمائش ملاحظہ فرما رہا تھا۔

''حاویہ! تمھارے والدین کھانے پہ ہمارے منتظر ہیں۔۔۔وہاں یقیناً گوشت بھی بنا ہو گا۔'' حسامہ نے رسان سے کہتے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہا جواب اپنی حفاظتی پیٹی اتار رہی تھی۔

''نہیں! مجھے یہاں سے ہی کھانا ہے۔۔۔کتنی اشتہا انگیز خوش بو ہے۔'' حاویہ اب گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر رہی تھی۔۔۔گو کہ حسامہ نے یہ خبر ملتے ہی اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا رکھا تھا لیکن بعض اوقات اس کی فرمائشوں پہ وہ دنگ ہونے کے ساتھ زچ بھی ہو جاتا تھا۔

''حاویہ! ہم ایسے کیسے ادھر جا سکتے ہیں؟ تم بیٹھو! میں تمھیں تمھارے پسندیدہ ریستوران لے جاتا ہوں۔۔۔ وہاں جو جی چاہے کھالینا۔'' حسامہ بھی اس کے پیچھے باہر نکلتا، منت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا لیکن وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتی گئی۔

''حاویہ! پتا نہیں کون لوگ ہوں گے؟ ہم ان سے کیا کہیں گے؟'' وہ گاڑی بند کر کے اس کے پیچھے لپکا جواب سڑک سے نیچے اتر رہی تھی۔۔۔ حسامہ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے اس جھگی کے کنارے پہنچ گئی جہاں سے اٹھتا دھواں وہ مہک اپنے ساتھ لا رہا تھا۔

''باجی صیب!'' حاویہ نے جیسے ہی پردہ سرکایا، ہانڈی بھونتی عورت اسے دیکھتے ہی پرجوش سی ہوتی، پرتپاک انداز میں اس کی جانب آئی تھی۔

''شاہنو!'' حاویہ سے ملتی وہ عورت منگو کی بیوی تھی۔۔۔ وہ اب حاویہ کے استفسار پر اسے بتا رہی تھی کہ وہ لوگ یوں ہی گھومتے رہتے ہیں اور جہاں مناسب جگہ ملے، وہیں پڑاؤ ڈال لیتے ہیں۔

''میں وارے بی بی صیب! ایہہ ساری ہانڈی تواڈی اے (یہ سارا کھانا ہی آپ کا ہے)۔'' حاویہ کی یہاں آمد کا سبب جانتے ہی وہ عورت خوشی سے پھولے نہ سمائی۔۔۔ اس نے آن کی آن میں توے پر دو روٹیاں ڈالی تھیں۔

"صاحب آپ!" اس جھگی کے داخلی پردے کے ساتھ کھڑا حسامہ دنگ نظروں سے حاویہ کو پوری رغبت کے ساتھ اس میلی کچیلی چارپائی پہ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا جب منگو نے وہاں آتے حیرت سے استفسار کیا تو اس نے اس سے مصافحہ کرتے، حاویہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

"ست بسم اللہ! ساڈی بَین آئی اے (ہماری بہن آئی ہے)۔" حسامہ کی نشان دہی پر منگو نے خاصے خوش گوار انداز میں آگے بڑھ کر کھانے سے انصاف کرتی حاویہ کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"بھائی! تمھاری بیوی کے ہاتھ کے بنے ذائقہ دار کھانے کی خوش بو مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔" حاویہ نے بھی خاصی بے تکلفی سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو شاہنو کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"تمھارا جب جی چاہے، تم یہاں آسکتی ہو۔۔۔ ہم کچھ عرصہ ادھر ہی ملیں گے۔" وقتِ رخصت منگو نے اسے اپنا نمبر دیتے ہوئے کہا تو حاویہ خوش دلی سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی، اس کی بیٹی کی طرف بڑھ گئی تھی جو اسے اپنی طرف متوجہ پا کر شرمانے لگی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں!" اسے اس بچی کو ہزار ہزار کے کئی نوٹ پکڑاتے دیکھ منگو نے احتجاج کرنا چاہا لیکن حاویہ اسے ٹوک گئی تھی۔

"یہ پھپھو بھتیجی کا معاملہ ہے۔۔۔ آپ بیچ میں نہ بولیں۔" تھوڑی دیر بعد حسامہ کے سنگ واپسی کے رستے پہ گامزن حاویہ اسے پہلے کی نسبت زیادہ مسرور اور مطمئن دکھائی دیتی تھی۔

''میں تو اب تک یہی سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ تم وہاں کتنی مطمئن دکھائی دیتی تھی۔'' حسامہ مسلسل اس کی حرکت پہ تبصرہ کرتا رہا جس نے اسے دنگ کر دیا تھا جب کہ حاویہ کان لپیٹے مسکراتی رہی۔۔۔اس کے لیے سچ میں یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا، اب اسے کیا علم کہ ممتا کی چوکھٹ پہ بیٹھی عورت کیا کیا کر سکتی ہے، بات بس اتنی سی ہے کہ اس کے لاڈ اٹھانے والے مرد کا ظرف کتنا ہے؟ مرد محبت کرنے والا ہو تو عورت کا یہ سفر آرام دہ رہتا ہے ورنہ اسے کٹھن بنانے والوں کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں ہے۔

وقت سبک رفتاری سے گزر رہا تھا۔۔۔حاویہ کو اب کسی بھی وقت اسپتال جانا پڑ سکتا تھا۔۔حسامہ نے ان گزرے ماہ میں اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا تھا۔۔وہ صرف اپنے شوہر کی ہی نہیں بلکہ اپنے میکے اور سسرال والوں کی بھی لاڈلی تھی۔۔۔وہ یکسر بھول چکی تھی کہ وہ ماضی کی ایک گائیکہ تھی۔۔یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ سہگل خاندان کی بہو تھی۔۔اس نے نادانستہ طور پر فہام سہگل کے ہر ابہام کو دور کر دیا تھا کہ اب وہ اس پہ نازاں دکھائی دیتے تھے۔۔ذوباریہ اور اکرام رضوی مستقل امریکہ میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ صرف اس کے فارغ ہونے تک مؤخر کیے ہوئے

تھے۔۔۔ازمیر سہگل نے اسے صرف چھوٹی بہن کہا نہیں تھا بلکہ بڑا بھائی بن کر بھی دکھایا تھا۔۔۔ ارسلان اور روزی بھی اتنے ہی پرجوش تھے جتنا کہ سہگل خاندان لیکن اس سب کے باوجود کچھ تھا جو ان سب کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔۔۔آج حاویہ کا آخری طبّی معائنہ تھا،اس کے بعد اسے ضرورت پڑنے پر ہی اسپتال کا رخ کرنا تھا۔۔۔ حسامہ اسے راہداری میں لگے صوفوں پر بٹھا کر اس کے خون کا نمونہ دینے کی غرض سے تجربہ گاہ کی جانب گیا تھا۔

''حاویہ ! تم یہاں ؟ کیسی ہو ؟''اسے وہاں بیٹھے کچھ ہی دیر گزری جب ایک مانوس زنانہ آواز پر اس نے سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر بھی ایک خیر مقدمی مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ارے بھابھی آپ ؟آپ یہاں کیا کر رہی ہیں ؟''اپنی جگہ سے بمشکل اٹھتے ،حاویہ نے بھی اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔

''میں تو اپنی ایک دوست کو دیکھنے آئی تھی۔۔۔ تم سناؤ ؟ لگتا ہے معائنے کے لیے آئی ہو ؟''اس کے بھرے بھرے سراپے کو نگاہوں میں رکھتے اس نے عجیب تلخ سے انداز میں استفسار کیا جسے حاویہ اپنی خوش اخلاقی میں محسوس ہی نہ کر پائی تھی۔

''حسامہ کے ساتھ ہی ہو یا علیح۔۔۔''اس کے الفاظ پہ حاویہ کے اندر ایک ایسی سنسنی سی دوڑی کہ وہ اسے بات مکمل کرنے سے پہلے ہی ٹوک گئی تھی:

”کیا مطلب؟ میں کیوں اس سے الگ ہونے لگی؟“ حاویہ کے اطوار میں ناگواری در آئی تھی۔

”نہیں! کچھ نہیں! وہ تمھارا مسئلہ چل رہا تھا تو مجھے لگا شاید تم نے اسے چھوڑ دیا ہو۔“ اس عورت کا مبہم انداز ہنوز برقرار تھا۔

”میں کیوں حسامہ کو چھوڑوں گی بھلا؟ اور آپ کس مسئلے کی بات کر رہی ہیں؟“ اس بار حاویہ کے لہجے میں تجسس ابھرا تھا۔

”وہی جنیاتی جائزے (ڈی این اے ٹیسٹ) والا مسئلہ!“ حاویہ کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

”کیا مطلب؟ کس کا جائزہ؟“ اس نے یقین دہانی کو دوبارہ پوچھ لیا تھا۔

”اوہ! مجھے لگتا ہے تمھیں کچھ علم ہی نہیں! چلو میں چلتی ہوں۔“ وہ عورت جو کوئی بھی تھی، کمال کی اداکارہ تھی۔

”نہیں! آپ مجھے بتائیں کہ آپ کس بارے میں بات کر رہی ہیں؟“ حاویہ اس کا ہاتھ پکڑتے مصر ہوئی تو اس نے یوں گہرا سانس بھرا جیسے بہت مجبوری میں بول رہی ہو جب کہ وہ تو یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہی کر رہی تھی۔۔۔ یہاں آتے ہوئے وہ حسامہ کو دوسری راہداری میں ایک ڈاکٹر سے محو گفتگو دیکھ چکی تھی۔

”تمھارے سسر نے تمھیں خاندان میں واپس لانے کی یہی شرط تو رکھی تھی کہ حسامہ تمھارے بچے کا۔۔۔“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی لیکن حاویہ نے سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اپنے پیٹ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

”حاویہ! تم ٹھیک ہو؟“اس عورت کے لہجے کی تشویش اس بار مصنوعی نہیں تھی۔

”نرس! انھیں دیکھیں ذرا!“ پاس سے گزرتی نرس کو آواز لگاتے، وہ خود حسامہ کو اس جانب آتا دیکھ کر فوراً وہاں سے نکل گئی تھی۔

”حاویہ! کیا ہوا تمھیں؟“ حسامہ کے وہاں پہنچنے تک نرس اسے پاس پڑی وہیل چیئر پہ بٹھا چکی تھی۔

”آپ باہر انتظار کریں۔“ حسامہ کے لہجے کی فکرمندی پہ حاویہ کا دل کٹا تھا۔۔۔اس لمحے اس نے پورے دل سے یہ دعا کی تھی کہ اس عورت نے جس بات کا ذکر کیا ہے، وہ سچ نہ ہو۔۔۔ حسامہ اس کا ہاتھ تھامے، بھاگتے قدموں سے اس کے ساتھ چل رہا تھا جب انتہائی نگہداشت کے شعبہ کے باہر نرس نے اسے وہیں روک دیا تھا۔

”آپ کی بیگم کا فشارِ خون بہت بڑھ گیا ہے۔۔۔انھیں سانس لینے میں بھی دشواری کا سامنا ہے۔۔۔ ہمیں انھیں اپنی زیرِ نگرانی رکھنا ہو گا۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ان کے لیے کوئی فیصلہ لینا پڑے۔“

آدھ گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر نے اسے بلا کر صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ اس کا یا پلٹ پہ دنگ ہی رہ گیا کہ اس کے جانے تک تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

''حاویہ!'' بہت منت سماجت کے بعد اسے صرف پانچ منٹ کے لیے اس سے ملنے کی اجازت ملی جو اس وقت مختلف مشینوں میں گھری تھی۔

''حسامہ! ایک بات پوچھوں؟ مجھے سچ بتایے گا۔'' اس کی پکار پہ بند آنکھیں کھولتے، اس نے پھولی سانسوں کے ساتھ استفسار کیا تھا۔

''حاویہ! پہلے تم ٹھیک ہو جاؤ، پھر بات کریں گے۔۔۔ابھی تم زیادہ بات نہیں کر سکتی۔'' اس کا سر سہلاتے حسامہ نے اسے تسلی دی۔

''نہیں مجھے ابھی یہ سب پوچھنا ہے۔'' غیر متوقع طور پر یہ جملہ اس نے خاصی روانی سے ادا کیا تھا۔

''اچھا پوچھو!'' حسامہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے کس پل صراط پر لے جانے والی ہے۔

''آپ نے ہمارے بچے کا جنیاتی جائزہ کروایا تھا؟'' یہ سوال تھا یا کوئی آتش فشاں جو پھٹ کر حسامہ کے وجود کے پرخچے اڑا گیا تھا۔

”یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔۔۔تم اپنے آپ پہ دھیان دو۔“حسامہ کا نظریں چرانا اور اس کے لہجے کی لرزش پر حاویہ کا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔۔۔اس نے اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا تھا۔۔۔نرس کی ہدایت پر باہر جاتے حسامہ کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔

چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں

نہ میں تم سے کوئی امید رکھوں دل نوازی کی

نہ تم میری طرف دیکھو غلط انداز نظروں سے

نہ میرے دل کی دھڑکن لڑکھڑائے میری باتوں سے

نہ ظاہر ہو تمہاری کشمکش کا راز نظروں سے

تمہیں بھی کوئی الجھن روکتی ہے پیش قدمی سے

مجھے بھی لوگ کہتے ہیں کہ یہ جلوے پرائے ہیں

مرے ہم راہ بھی رسوائیاں ہیں میرے ماضی کی

تمہارے ساتھ بھی گزری ہوئی راتوں کے سائے ہیں

تعارف روگ ہو جائے تو اس کا بھولنا بہتر

تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا

وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن

اسے اک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں

ساحر لدھیانوی

حاویہ کے پاس رات بھر ٹھہرنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں تھی سو حسامہ نے سب کو گھر پہ ہی اس کے لیے دعا کا کہہ کر اسپتال آنے سے منع کر دیا تھا۔۔۔ صبح تک اس کی طبیعت خاصی سنبھل چکی تھی۔۔۔ وہ فجر پڑھ کر آیا تو ڈاکٹر نے اسے خطرہ ٹل جانے کی نوید سنائی تھی۔۔۔ وہ سوئی ہوئی حاویہ کو دیکھتا شکرانے کے نوافل ادا کرنے چل دیا۔

''آپ چاہیں تو انھیں ابھی گھر لے جا سکتے ہیں لیکن اس دوران آپ کو ان کی صحت کا خاص خیال رکھنا ہو گا۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو آج ہی انھیں یہاں واپس لے کر آنا پڑے۔'' ڈاکٹر کی مشروط سہی لیکن تسلی پر اس کے ہونٹوں کو ایک خفیف سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔۔۔ اس کا شکریہ ادا کر کے وہ شعبہ برائے انتہائی نگہداشت کی جانب چلا آیا جہاں اس کے اندازے کے مطابق حاویہ اس کی منتظر تھی لیکن انسان کا ہر اندازہ درست ہو، یہ ضروری تو نہیں!

''حاویہ کدھر ہے؟'' وہ اندر آیا تو حاویہ کو بستر پہ موجود نہ پا کر حسامہ نے حیرت بھرے لہجے میں وہاں موجود نرس سے استفسار کیا تھا۔

''وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ باہر باغ میں چہل قدمی کرنا چاہتی ہیں۔'' اس کی اطلاع پر حسامہ دوڑتے قدموں سے باہر باغیچے کی طرف آیا لیکن حاویہ وہاں بھی کہیں نہیں تھی۔

''کدھر جا سکتی ہے؟'' پریشانی سے ماتھا مسلتے وہ کل اس کا پوچھا گیا سوال یکسر فراموش کر گیا تھا۔

”آپ نے انھیں کہیں دیکھا ہے؟“ اسے اندر باہر کھوجنے میں ناکام ہونے کے بعد وہ اب اپنے موبائل پر لوگوں کو اس کی تصویر دکھا کر پوچھ رہا تھا لیکن تاحال کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا تھا۔

”کیا مطلب؟ نہیں ہے! کہاں جا سکتی ہے وہ؟“ اسی تلاش کے دوران حسامہ کے فون پر ازمیر کی کال آئی تو اس کی زبانی حاویہ کی گمشدگی کا جان کر وہ بھی حیران رہ گیا تھا۔۔۔ حسامہ کے پاس اس کے سوال کا فی الوقت کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

”تم دونوں میں کوئی بات ہوئی تھی کیا؟“ اگلے آدھ گھنٹے میں ازمیر اس کے روبرو کھڑا اس سے استفسار کر رہا تھا اور اسی وقت حسامہ کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور اسے حاویہ سے ہوئی اپنی آخری گفتگو یاد آئی جو وہ اس کی پریشانی میں بھول چکا تھا۔

”اسے کیسے علم ہوا اس بات کا؟ ہم نے تو کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔“ ازمیر کی حیرت بجا تھی۔

”پتا نہیں بھائی! وہ بالکل ٹھیک تھی۔۔۔ پھر اچانک اس کی طبیعت بگڑ گئی۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ اس دوران کوئی اس سے ملا تھا۔۔۔ مجھے حاویہ چاہیے ہے بھائی! وہ مجھے یوں کیسے چھوڑ کر جا سکتی ہے؟“ اپنی بات کے اختتام پر حسامہ نے اپنا آپا کھویا تھا۔۔۔ اتنی دیر سے بڑے صبر کے ساتھ اسے تلاشنے والا بھائی کو سامنے پاتے ہی کمزور پڑا تھا۔

''حسامہ! سنبھالو خود کو! وہ مل جائے گی۔''ازمیر نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی جب کہ اسے نہیں ملنا تھا سو وہ نہیں ملی۔۔۔ حسامہ نے شہر کی ہر جگہ چھان ماری لیکن ناکامی ہی اس کا مقدر ٹھہری۔۔۔ حاویہ کے والدین بھی اس سے ناراض ہو کر امریکہ جا چکے تھے۔۔۔ کئی مہینوں تک اسے تلاشنے کے بعد حسامہ نے ہار مانتے اب اس کے خود ہی مل جانے کا انتظار شروع کر دیا کہ کھونے والے کو پھر بھی ڈھونڈا جا سکتا ہے لیکن جو خود آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جائے، اسے تلاشنا ممکن نہیں! حاویہ نے خوب اسے اس کی بے اعتباری کی سزا دی تھی۔

ماضی کا سفر کسی بھی دنیاوی سفر سے زیادہ تھکاوٹ بخش ہوتا ہے۔۔۔ حسامہ اور حاویہ بھی اس کے اختتام پہ اپنی اپنی منزل پہ پہنچتے بے دم سے ہو گئے تھے۔۔۔ حسامہ پچھلے کئی سالوں سے فہام سہگل کے ساتھ ہوئی ایک آخری جھڑپ کے بعد اپنے خاندان والوں سے دور ایک الگ تھلگ فلیٹ میں رہ رہا تھا لیکن اس وقت اس کی طبیعت کے پیشِ نظر ازمیر اسے زبردستی اپنی طرف لے آیا جو خود بھی اپنا ایک الگ گھر بنا چکا تھا۔

"میں نے کہا تھا بھائی! یہ سب ٹھیک نہیں! وہ اتنے سالوں سے مجھے اس جرم کی سزا دے رہی ہے جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔" بستر پر نیم دراز حسامہ کے لہجے میں برسوں کی شکستگی تھی۔

"حسامہ! سنبھالو خود کو۔۔۔ ہم جلد ہی اسے ڈھونڈ لیں گے۔" اس کی تشفی پر حسامہ پھیکا سا مسکرا کر ارسلان کے ساتھ براجمان حمود کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"تم نے پوچھا تھا نا کہ میں کب تک یوں اکیلا رہوں گا تو اس کا جواب ہے کہ جب تک حاویہ نہیں مل جاتی! میری تم سے ایک التجا ہے کہ مجھے اس کا پتا لا دو۔۔۔ میں اب مزید یہ اذیت نہیں سہہ سکتا۔" اس کے منت آمیز لہجے پر حمود اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔۔۔ اس کے لیے بہت مشکل تھا، حسامہ کو یوں ٹوٹتے ہوئے دیکھنا۔

"آپ فکر نہ کریں انکل! میں جلد ہی آنٹی کو کھوج نکالوں گا۔۔۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں انھیں یقین دہانی کروائی کہ وہ اپنے ایک دوست کو پہلے ہی اسپتال کے احاطے کی فوٹیج نکلوانے کا کام سونپ چکا تھا۔

"ایک وعدہ اور کرو مجھ سے! اگر میری اولاد بیٹی ہوئی تو تم اس سے نکاح کر لینا۔" اس کی اس فرمائش پر حمود کے ساتھ ساتھ وہاں موجود باقی نفوس بھی دنگ رہ گئے تھے۔

"حسامہ! تمھیں اب آرام کرنا چاہیے۔۔۔ ہم پہلے انھیں ڈھونڈ لیں، اس بارے میں باتیں بعد میں کر لیں گے۔" ازمیر نے آگے بڑھ کر اپنے تئیں حمود کی مشکل آسان کی تھی لیکن وہ بھی انھیں حیران کرنے کی ٹھان گیا تھا۔

"میرا آپ سے وعدہ ہے انکل! اگر وہ کسی اور سے منسوب نہ ہوئی تو وہ آپ کی ہی بہو بنے گی۔" وہ یوں بولا گویا اسے یقین ہو کہ حسامہ کی اولاد لڑکی ہی ہو گی۔۔۔ اس کی بات پر حسامہ طمانیت سے مسکراتے، بنا کچھ کہے آنکھیں موند گیا تو کسی اور نے بھی مزید کسی تبصرے سے گریز برتا تھا۔

رائقہ گھر آ کر مسلسل حاویہ کے ساتھ ہی لگی رہی۔۔۔ اس کے دل میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا تھا کہ کہیں وہ ذرا آگے پیچھے ہوئی تو وہ پھر سے کہیں کھو نہ جائے۔۔۔ اس کی حالت سمجھتے، ایاس نے صرف اسے تسلی ہی دی اور انھیں اپنے ساتھ لے جانے کا ذکر کل پہ اٹھا دیا کہ ابھی اسے ایک ضروری اجلاس کے لیے نکلنا تھا۔۔۔ حاویہ کو ڈھیر ساری ہدایات اور وقت پہ دوا لینے کی تلقین کے ساتھ ہی وہ وہاں سے روانہ ہوا تھا۔

"امی! امی! آپ ٹھیک ہیں؟" حاویہ دواؤں کے زیراثر سو رہی تھی جب نصف شب کے قریب رائقہ کو وہ عجیب بے چین سی لگی۔۔۔وہ بار بار تکیے پہ اپنا سر پٹخ رہی تھی۔۔۔اس کی حالت دیکھتے رائقہ نے وحشت بھرے انداز میں اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"رائقہ! میری بچی!" آنکھ کھلتے ہی اسے خود پہ جھکا پا کر حاویہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ چھوتے، جیسے اس کے ہونے کو محسوس کیا تھا۔

"امی! آپ ٹھیک ہیں؟" اس کے دوبارہ استفسار تک حاویہ کے حواس قدرے بحال ہو چکے تھے، سو وہ اثبات میں سر ہلا کر اسے دیکھے گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس کے ٹکٹکی باندھ کر خود کو دیکھنے پر رائقہ نے نرمی سے استفسار کیا تو حاویہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"دیکھ رہی ہوں کہ اب تم اتنی بڑی ہو چکی ہو کہ اپنی حقیقت جان لو۔" اس کی مبہم سی بات پر رائقہ کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔

"میں سمجھی نہیں!" اس کے لہجے کی حیرانی حد سے سوا ہوئی کہ آج سے پہلے تو حاویہ نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔

"آج میرا سامنا میرے ماضی سے ہوا۔" اس کی بات اب بھی غیر واضح تھی لیکن رائقہ کو پھر بھی اس کا مطلب سمجھ میں آگیا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ۔۔۔میرے بابا سے؟" اس نے کچھ جھجھکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"ہمم! آج تک تم ان کے صرف نام سے واقف ہو لیکن اب شاید وقت آگیا ہے کہ تمھیں ان کا مکمل تعارف کروادیا جائے۔" رائقہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی، ایسے جیسے وہ بولے گی تو حاویہ اپنی بات بھول جائے گی۔

"اگر مجھے کچھ بھی ہو گیا تو تم ان کے پاس چلی جانا۔" ان الفاظ پہ خاموشی کا ٹوٹنا لازم تھا۔

"امی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ مجھے آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔" دہل کر کہتے، وہ ماں کے بازو سے لپٹی تھی۔

"یہ دنیا فانی ہے میری جان! یہاں جو بھی آیا اسے واپس اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہی ہے۔۔۔ ہمیں تو ہر وقت موت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" اس وضاحت کے بعد رائقہ نے پھر سے خاموشی کی چادر تان لی تھی۔

"نانا کی موت کے بعد نانی سے رابطہ کرنے سے پہلے آپ کہاں گئی تھیں؟" حاویہ نے ماضی اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تو وہ متجسس لہجے میں گویا ہوئی کیوں کہ اسپتال والے واقعہ کے بعد اس کی زبان تاحال خاموش تھی۔

"خانہ بدوشوں کی بستی! مجھے یقین تھا کہ تمھارے بابا مجھے سارے شہر میں تلاش کریں گے لیکن اس طرف ان کا دھیان کبھی نہیں جائے گا۔۔۔ تمھاری پیدائش وہاں ہی ہوئی تھی۔۔۔ تمھارے کان میں اذان منگو نے دی تھی۔" حاویہ بات کرتے کرتے جیسے ماضی کے ان تمام واقعات کو پھر سے جی رہی تھی۔۔۔ اس کے لہجے میں کہیں بھی حسامہ کے لیے بے زاری یا نفرت نہیں تھی جب کہ رائقہ کو بھی اس سے اسی جواب کی توقع تھی کہ اسے اپنی زندگی کے کچھ ابتدائی سال اگر مکمل یاد نہیں تھے تو وہ کلی طور پر انھیں بھولی بھی نہیں تھی۔۔۔ خانہ بدوشوں کی بستی میں گزرے کچھ ایام ابھی بھی اس کی یادداشت کا حصہ تھے۔

"اب اگر بابا نے ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش کی تو؟" رائقہ کے لہجے میں تجسس نہیں بلکہ کوئی اور جذبہ سانس لے رہا تھا۔

"ہم کل ایاس کے ساتھ چلے جائیں گے۔" حاویہ کے اس یک دم فیصلے نے رائقہ کو صحیح معنوں میں حیران کیا کہ وہ تو خود اس کے حق میں ہر گز نہ رہی تھی۔

”میں ایسا نہیں چاہتی امی! میں ایک بار اپنے بابا سے ملنا چاہتی ہوں۔۔۔ ہمیں اگر کسی کا احسان لینا ہی ہے تو پھر حسامہ سہگل کا کیوں نہیں؟“ ضد اور ثابت قدمی میں رائقہ اپنے ددھیال والوں کا ہی پرتو تھی۔

”سو جاؤ! رات بہت ہو گئی ہے۔“ حاویہ بیٹی کی رمز شناس تھی سو اس کے پاس اس وقت اس بحث کو شروع ہونے سے پہلے سمیٹنے کا یہی ایک حل تھا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی اسے بے آرام نہیں کرے گی اور بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔۔۔ حاویہ تو کچھ دیر میں سو گئی لیکن رائقہ نے یہ ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔۔۔ صبح تک وہ اپنے باپ کے متعلق چیدہ چیدہ معلومات جمع کر چکی تھی اور اب اسے ان کی تصدیق کرنا تھی۔

ایک نئے دن کا آغاز بہت سے نئے واقعات کے ساتھ ہوا تھا، جن میں کہیں امید تھی تو کہیں مایوسی! حمود تاحال حاویہ کا سراغ ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا جب کہ دوسری طرف رائقہ اپنے باپ سے ملنے کا مصمم ارادہ باندھ چکی تھی لیکن اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی ایاس ان کی طرف چلا آیا جو آج وردی کی بجائے سادہ لباس میں ملبوس تھا۔

''آپا! میں اب آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔۔۔بس آپ دونوں میرے ساتھ چل رہی ہیں۔''

ناشتے سے فراغت کے بعد وہ کچھ دیر حاویہ سے اس کی صحت کے متعلق گفتگو کرتا رہا اور پھر بالآخر اس نے وہ کہہ ہی دیا جس کے لیے وہ بطورِ خاص آج ادھر آیا تھا۔

''ہم آپ کے ساتھ نہیں جاسکتے۔'' حاویہ کی بجائے رائقہ کی جانب سے جواب آیا تھا۔

''کیوں؟'' اس نے یک لفظی سوال کیا تھا۔

''میں آج اپنے بابا سے ملنے جارہی ہوں۔'' اس کی بات پرایاس نے حیرانی سے حاویہ کو دیکھا تو اس نے پلکیں موند کر گویا اس کے ساری حقیقت سے آگاہ ہو جانے کی وضاحت کی تھی۔

''وہ تم میرے گھر سے بھی جاسکتی ہو۔'' سرہلا کر وہ دوبارہ رائقہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''نہیں! میں پہلے بابا کی جانب کی کہانی سننا چاہتی ہوں۔'' اس کی بات حاویہ کو چبھی تھی۔

''تمھیں اپنی ماں پر بھروسہ نہیں؟'' اس سوال پر رائقہ کی گردن جھٹ ہاں میں ہلی تھی۔

''بالکل ہے! لیکن میں پھر بھی جاننا چاہتی ہوں کہ ان کی ایسی کون سی مجبوری تھی؟ کہ انھیں اپنی ہی اولاد کو اپنا نام دینے کے لیے اس کی جانچ کروانی پڑی۔'' رائقہ کی وضاحت پہ حاویہ کا مزاج کچھ مزید برہم ہوا تھا۔

"دھوکہ دہی کے پیچھے کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔" ناگواری سے کہتے اس نے سر جھٹکا تھا۔

"امی! ہو سکتا ہے کہ جسے آپ ان کا دھوکہ گردان رہی ہیں، وہی ان کی محبت ہو۔" رائقہ نے اسے رسان سے قائل کرنا چاہا لیکن بے سود!

"محبت کی بنیاد اعتماد پہ ہوتی ہے اور اس شخص نے میرا مان توڑا ہے۔۔۔ اسے اگر اتنی محبت تھی تو کل کدھر گیا تھا وہ شخص؟ دوبارہ سامنے کیوں نہیں آیا؟" حاویہ کے چہرے کے عضلات کچھ مزید تنے تھے۔

"امی! مجھے ایک بار ان سے مل لینے دیں۔۔۔ میں سچ میں جاننا چاہتی ہوں کہ ایسا کیا ہوا؟ جو انھیں آپ کا اعتبار توڑنا پڑا۔" اس نے منت آمیز لہجے میں کہا تو حاویہ نے سختی سے لب بھینچے تھے۔

"ایک شخص جو آپ سے اتنی محبت کرتا ہو کہ آپ کے لیے زمانے سے لڑ جائے، اس کا ایک دم بدل جانا میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اسے خاموش دیکھ کر رائقہ نے مزید کہا تو حاویہ کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہوا تھا۔

"تم انھیں ہمارا پتا نہیں بتاؤ گی۔" وہ ہار ماننے والے انداز میں بولی کہ جانتی تھی سہگل خاندان کے خون میں ضد کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔۔۔ وہ مزید روک لگا کر اسے بغاوت میں نہیں بدلنا چاہتی

تھی۔۔۔اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اسے بتا کر جارہی تھی، یہی اگر وہ بنا بتائے چلی جاتی تو اسے کیسے علم ہوتا؟

''امی! آپ کو لگتا ہے کہ کل کی ملاقات کے بعد انھوں نے یہ کوشش پہلے سے ہی شروع نہیں کر رکھی ہو گی؟'' حاویہ جانتی تھی کہ یہ سوال نہیں ہے۔۔۔حسامہ کی نگاہوں کی بے قراری اس سے مخفی نہیں رہی تھی۔

''اس ملاقات کے بعد ہم ایاس کے ساتھ چلے جائیں گے۔'' حاویہ نے اس شخص سے بچنے کو ایک اور بہانہ تراش لیا تھا لیکن سامنے بھی اسی کا پرتو تھی۔۔۔وہ خود بھی تو عجیب کشمکش میں گھری تھی، ایک طرف اس شخص کے سامنے نہ آنے کا قلق تھا تو دوسری جانب وہ اس سے چھپ جانا چاہتی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔۔۔اس کا فیصلہ ہم میری واپسی تک اٹھا رکھتے ہیں۔'' ماں کے گال پہ بوسہ دیتے، وہ خاموش تماشائی بنے ایاس کی جانب مڑی تھی۔

''ایاس! آپ امی کے لیے کسی اچھے سے معالج کا پتا کروا سکتے ہیں؟'' اس کے استفسار پر وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

"میں ان کے معائنے کے لیے ڈاکٹر واسطی سے کل کا وقت لے چکا ہوں۔" اس کے مطلع کرنے پر وہ ماں سے ملتی باہر کی جانب بڑھ گئی تو حاویہ کی پیشانی پہ شکنوں کا ایک جال بچھا تھا۔۔۔ یہ ملاقات جانے اب کیا رنگ لانے والی تھی؟

شہر کے جنوب میں واقع متوسط علاقے کے اس قدرے کشادہ اور دیدہ زیب رنگ روغن سے مزین اس گھر کی بیٹھک میں ایک رونق سی لگی تھی۔۔۔ وہاں اس وقت اس گھر کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کی سولہویں سالگرہ کی تقریب منائی جا رہی تھی۔

"کرامت بھائی! آپ نے دعوت کا سارا انتظام تو بہت زبردست کیا ہے۔۔۔ لگ ہی نہیں رہا کہ یہ ایک معمولی سے پولیس افسر کے گھر کی تقریب ہے۔" اپنے ایک عزیز کی بات پر سب انسپکٹر کرامت نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات کو مزاح میں اڑانا چاہا تھا۔

"بس عنایت بھائی! یہ سب تو اوپر والے کی مہربانی ہے۔۔۔ آپ بھی اوپر والے سے لو لگا لیجیے۔" اس کا عاجزانہ لہجہ مقابل کو چبھا تو بہت لیکن اس نے مزید کچھ کہنا عبث جانا تھا۔

''یہ اوپر والے سے کرامت بھائی کی مراد یقیناً اوپر کی کمائی سے تھی نا؟'' تھوڑی ہی دیر بعد عنایت کی بیوی جتاتے لہجے میں اس سے محو گفتگو تھی۔

''اس کا جو بھی مطلب تھا، تم اپنے دماغ پہ زیادہ زور مت دو۔'' عنایت کے لہجے میں واضح سرزنش تھی جو خود بھی پولیس کے محکمے سے وابستہ تھا۔

''کنول بھابھی بتا رہی تھیں کہ کرامت بھائی نے عنایہ کو اس کی سالگرہ پہ سونے کے ٹاپس تحفے میں دیے ہیں اور ان کے لیے بھی بالیاں بنوائی ہیں۔'' اس کی بیوی نے اس کی بات کا اثر لیے بنا اس کی معلومات میں کچھ مزید اضافہ کیا تھا۔

''میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا! حلال کا ایک نوالہ حرام کے ہزار نوالوں سے افضل ہے۔'' عنایت کی بات پہ اس کی بیوی نے سر جھٹکا تھا۔

''آپ تو بس ساری زندگی انھی مسئلوں میں الجھے رہیے، کبھی ترقی کا نہیں سوچنا۔'' اس کی بات سے صاف واضح تھا کہ وہ غلط جگہ سر کھپا رہا ہے لیکن اس کا بھی ہار ماننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا سو اب کی بار اپنی بیوی کو نظر انداز کر کے وہ اپنی طرف آتی اس تقریب کی میزبان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا:

''بھابھی! شہریار نظر نہیں آ رہا؟'' اس نے سوال برائے بات کیا تھا۔

”وہ کالج سے تھکا ہوا آیا تھا تو ابھی سو رہا ہے۔۔۔ میرا بیٹا محنت بھی تو خوب کرتا ہے نا۔“اس کے لہجے کا تفاخر محسوس کرتے عنایت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

اس تقریب سے نکل کر اوپری منزل پہ موجود شہریار کے کمرے میں آئیں تو وہاں ایک بیس بائیس سالہ نوجوان آڑھا ترچھا لیٹا نرم گداز بستر پہ محو استراحت تھا۔۔۔ اس کمرے کی سجاوٹ بتاتی تھی کہ اس کے باپ پہ اوپر والوں کا کچھ زیادہ ہی کرم ہے۔۔۔ واپس بستر کی جانب آئیں تو کچھ پل گزرتے ہی اس نوجوان کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی اور اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر اطراف میں نگاہ دوڑائی تو اسے ہر منظر ہی دھندلا سا لگا۔۔۔ اٹھ کر بیٹھتے اسے اپنے جسم میں سوئیاں سی چبھتی محسوس ہوئی تھیں۔

”کہاں رکھ دی؟“ گرتا پڑتا وہ میزوں کی درازیں کھنگالتا خود سے محو کلام تھا۔

”اس میں ہو گی۔“ چند پل کی تلاش کے بعد اس کی نظر اپنے بستر پہ رکھے سیاہ بستے پہ پڑی تو اس نے وہ تھامتے، باری باری اس کی تمام جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا تھا۔

”یہ رہی۔“ کچھ ساعتوں بعد اس کی پر سکون سی آواز فضا میں گونجی جب اس نے دوا کی ایک شیشی نکال کر اس میں سے ایک سفید گولی بنا پانی کے نگل لی تھی۔۔۔ وہ دیکھنے میں کسی ہومیوپیتھک دوا سے مشابہ تھی لیکن اسے استعمال کرنے والا اس کی اصل حقیقت سے ناواقف ہی تھا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد

وہ نوعمر لڑکا اپنی بہن کی سالگرہ کا کیک کٹنے کے بعد پورے جوش و خروش سے وہاں چلتی بے ہنگم موسیقی پہ تھرکتا حاضرین مجلس کی تفریح کا سامان کر رہا تھا۔۔۔ مسکراتے ہوئے اس کے رقص سے محظوظ ہوتے اس کے باپ کو علم ہی نہ تھا کہ وہ مختلف جامعات کے طلبا کو جس دلدل میں اتار رہا ہے، وہ اس کے گھر تک پھیل چکی تھی۔

بے چینی ایسی حد سے سوا تھی کہ ازمیر کے منع کرنے کے باوجود بھی حسامہ دفتر چلا آیا تھا۔۔۔ اسے گھر میں فارغ بیٹھنے کی نسبت یہاں مختلف دستاویزات میں سر کھپا کر وقت گزاری کرنا زیادہ مناسب لگا تھا۔

"آپ کو آج گھر پہ آرام کرنا چاہیے تھا۔" وہ اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا جب حمود دروازے پہ دستک دیتا، اس کے دفتر چلا آیا تھا۔

"اور اس سے کیا ہوتا؟" حسامہ کا انداز لاپرواہی کا عنصر لیے ہوئے تھا۔

"اس سے آپ کا دل قابو میں رہتا۔" اس کے جواب پر وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو اسی دن بے قابو ہو گیا تھا جب اس کے مکین نے دغا دیا۔۔۔اب اسے صرف اسی صورت پھر سے قابو کیا جا سکتا ہے جب اس میں بسنے والے واپس مل جائیں۔''حسامہ نے بظاہر مضحکہ خیزی سے اپنی بات کہی تھی لیکن حمود نے اس میں مخفی درد پوری شدت سے محسوس کیا کہ وہ بچپن سے ہی اس کے بہت قریب رہا تھا۔

''جانے والوں کو باندھ کے نہیں رکھا جا سکتا۔''حمود نے اس کی جذباتیت پہ روک لگانا چاہی۔

''ناراض ہو جانے والوں کو منایا تو جا سکتا ہے نا!''حسامہ سہگل کو مقابل کو لاجواب کرنے کے سب گر آتے تھے۔

''کچھ پتا چلا؟''اسے خاموش دیکھ کر اس نے اس بار سنجیدگی سے استفسار کیا تو حمود نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

''میں کوشش کر رہا ہوں۔''نفی میں سر ہلاتے، یہ جانے بنا اس نے حسامہ کو مایوس کیا کہ ابھی کچھ ہی دیر میں ساری صورت حال بدلنے والی تھی۔

''صرف کوشش؟''وہ جانتا تھا کہ یہ سوال نہیں بلکہ تاسف کا اظہار ہے۔

''یہ مجھے آپ نے ہی سکھایا ہے کہ ذاتی کاموں کے لیے اپنے اختیارات کو استعمال نہیں کرنا۔''اس کے جواب نے حسامہ کے دل میں پنپتے ہر شکوے کو مٹا ڈالا تھا۔

"تم سے باتوں میں جیتنا مشکل ہے۔" حسامہ کا انداز ہار ماننے جیسا تھا لیکن حمود کو اس کا شکست تسلیم کرنا بے چین کر گیا۔۔۔رب کے بنائے منصوبوں سے بے خبر وہ من ہی من حسامہ کے لیے کچھ کرنے کا مصمم ارادہ باندھ گیا تھا۔

"سر! ایک لڑکی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" ان کی یہ گفتگو حسامہ کے مصاحب الخاص کی آمد پہ ادھوری رہ گئی جو آج استقبالیہ پہ تعینات لڑکی کی غیر موجودگی میں چپڑاسی کا کام بھی کر رہا تھا۔

"کیا انھوں نے پہلے سے وقت لے رکھا ہے؟" یہ سوال حمود کی جانب سے کیا گیا تھا۔

"انھیں کہیں کہ ابھی سر کسی سے نہیں مل سکتے۔" اس کے نفی میں سر ہلانے پر حمود نے اسے چلتا کیا اور خود چہرے پر سنجیدہ تاثرات کے ساتھ حسامہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کوئی کام تھا کیا؟" اس کی سنجیدگی حسامہ کی جانب سے اس سوال کا موجب بنی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اب اس سے اپنے تئیں وہ بات کرنے لگا جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔۔۔اسے کیا خبر تھی کہ اسے یہاں کسی اور وجہ سے لایا گیا ہے۔

"سر! وہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ ان کا آپ سے ملنا بے حد ضروری ہے۔" اپنی گفتگو کے بیچ حسامہ کے مصاحب الخاص کی دوبارہ آمد حمود کو انتہائی ناگوار گزری تو اس کی نظروں کے تاثر سے خائف ہوتے، اس نے گھگھیائے لہجے میں وضاحت کی تھی۔

''دس منٹ بعد بھیج دیجیے گا انھیں!'' حسامہ نے ہدایت جاری کرتے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ ہڑبڑی میں دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''محترمہ! آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ یوں کسی کے دفتر میں منہ اٹھا کر نہیں آجاتے۔'' ان کی گفتگو کا دورانیہ طویل ہونے لگا تو باہر انتظار گاہ میں موجود رائقہ کے صبر کی انتہا ہوئی جو تا حال اس شخص کی جانب سے اندر جانے کی اجازت حاصل نہ کر پائی تھی جو خود ہی دس منٹ بعد جانے کا سندیسہ لانے کے بعد دروازے سے چپکا کھڑا تھا۔۔ وہ اس کی ساری مزاحمت نظرانداز کرتے ہلکی سی دستک کے بعد حسامہ کے دفتر میں داخل ہوئی تو حمود کی بات اسے کچھ مزید تپا گئی جو پہلی نظر میں ہی اسے پہچان چکا تھا۔

''تو منہ باہر رکھ کر آتی کیا؟'' شناسائی کا مرحلہ طے ہوتے ہی رائقہ نے بھی بدلحاظی کا مظاہرہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

''آپ کو یقیناً انتظار کا کہا گیا تھا۔'' اس نے اس بار بمشکل خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھتے، جتلانے والے انداز میں کہا تو وہ اسے نظرانداز کر کے حسامہ کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کی ہی بات پہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو سر جھکا کر حمود سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کے دفتر میں دس منٹ کا دورانیہ کتنا ہوتا ہے؟'' اس کے لہجے کا تیکھا پن حمود کو غصہ دلا رہا تھا لیکن حسامہ نے بروقت تصفیے کا فیصلہ کر لیا۔

''حمود!'' ہلکے سے سرزنش بھرے لہجے میں اسے ٹوکتے انھوں نے رائقہ کو مخاطب کیا تھا:

''جی بیٹا بتایے! آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟'' ان کے لہجے کی نرمی حمود سے ہضم تو نہ ہوئی لیکن حسامہ کے لحاظ میں چپ کا بیٹھا رہا ورنہ اسے تو کل ہی اس لڑکی کی طبیعت کی تیزی پسند نہیں آئی تھی۔

''بیٹھنے کی اجازت ہے؟'' اس کے تنک کر پوچھنے پر حمود نے مٹھیاں بھینچ کر کھولتے، ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا تھا۔

''جی جی! تشریف رکھیے۔'' اس کے اشارہ کرنے پر نشست سنبھالتے رائقہ نے پہلی بار میز کے دوسری جانب براجمان حسامہ کا بغور جائزہ لیا۔۔۔ یہ شخص اس کے باپ کے عہدے پر فائز تھا لیکن تاحال رائقہ اس کے لیے کوئی جذباتی وابستگی محسوس کرنے سے قاصر تھی۔۔۔ اسے اس کا سامنے کرنے میں نہ کوئی گھبراہٹ ہوئی اور نہ ہی کوئی جوش اس کے اندر سر ابھار رہا تھا۔

”میرا نام رائقہ ہے۔۔۔۔مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔“اس کی نگاہوں کے سامنے کئی ایسے ادھورے مناظر دوڑے جن میں اگر حسامہ ہوتا تو وہ مکمل ہو جاتے جب کہ حمود کو اس کا حق جتاتا انداز کچھ خاص پسند نہیں آ رہا تھا۔

”جی پوچھیے!“ حسامہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔۔۔اسے اس لڑکی سے ایک عجیب سی اپنائیت محسوس ہوئی تھی۔

”ان صاحب کی موجودگی میں پوچھ لوں؟ ہو سکتا ہے میرے سوال آپ کو کسی کے سامنے شرمندگی سے دوچار کر دیں۔“اس کے سوال پر حمود تو گویا جلتے توے پر جا بیٹھا تھا۔

”بیٹا ہوں میں ان کا! آپ کو جو بھی پوچھنا ہے میری موجودگی میں پوچھیے۔“اس کا جواب رائقہ کے اندر بھی ایک ان دیکھی چنگاری بھڑکا گیا تھا سو اب جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں ایک محسوس کی جانے والی تپش تھی۔

”سر! کہتے ہیں جہاں محبت ہو، وہاں بے اعتباری کی کوئی جگہ نہیں ہوتی تو پھر آپ کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ آپ کو اپنی ہی اولاد سے اپنا رشتہ ثابت کرنے کے لیے اپنی بیوی کے اعتماد کی دھجیاں بکھیرنی پڑیں؟“اس کے الفاظ کی کاٹ ان سب نے ہی پوری شدت سے محسوس کی تھی۔۔۔صاف لگتا تھا

کہ ایک حاسد شخص کے بوئے گئے بے اعتباری کے بیج کی ایک تناور درخت کی صورت آبیاری بڑی فرصت سے کی گئی تھی۔

''کون ہو تم؟''اس کی بات پہ چونکتے حمود نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا جب کہ حسامہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا، گویا اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔۔۔اسے اس کے لہجے سے سہگل خاندان کے مخصوص دوٹوک انداز کی خوشبو آئی تھی۔

''میری ماں کا نام حاویہ رضوی ہے اور باپ کی جگہ مجھے حسامہ سہگل لگانا ہے یا نہیں! اس کا فیصلہ آپ کے جواب پر منحصر ہے۔''الفاظ تھے یا بارود کا ڈھیر؟ جو اس کے سوا وہاں موجود دونوں ہی نفوس کو پرخچوں کی صورت بکھیر گئے تھے۔

''یہ کیا بکواس ہے؟''پہلے جھٹکے سے سنبھلتے حمود نے ناگواری سے استفسار کیا تھا۔

''یہ میری زندگی کی وہ سچائی ہے، جس سے روشناس ہوتے ہی مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی ہے۔''اس کے جواب پر حمود کی نگاہوں کے سامنے کل شام کے سارے مناظر دوڑنے لگے۔۔۔یہ لڑکی پہلے اپنی والدہ کو ڈھونڈ رہی تھی، پھر اس کا اسی اسپتال میں ہونا جہاں حسامہ اور حاویہ کی ملاقات ہوئی۔۔۔یہ سب محض ایک اتفاق تو نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ اپنی جگہ پہ ہی بیٹھے رہیے۔۔۔میں کل تک جس باپ کے صرف نام سے واقف تھی، آج اس کی صورت میرے سامنے ایک ایسے انداز میں واضح ہوئی ہے کہ میں سچ جاننے بنا چاہ کر بھی آپ کو نہ تو اپنے سر پہ ہاتھ رکھنے کا حق دے سکتی ہوں اور نہ ہی خود کو آپ کے گلے لگنے کی خوشی!": حمود کو جواب دیتے، وہ اب بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھتے حسامہ سے مخاطب ہوئی جو یقیناً اس تک آنا چاہتا تھا۔۔۔وہ سچ میں اپنے خاندان والوں کی طرح ہی ہٹ دھرم اور ضدی تھی۔

"مجھے حاویہ پہ آج بھی اتنا ہی بھروسہ ہے، جتنا کہ ماضی میں تھا۔" اپنی جگہ پہ واپس بیٹھتے حسامہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو رائقہ سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

"تو پھر میری شناخت کیوں مشکوک گردانی گئی؟" وہ لو دیتے لہجے میں مستفسر ہوئی تھی۔

"تمھاری پہچان کل بھی حسامہ سہگل تھا اور آج بھی وہی ہے۔" حسامہ کا لہجہ اسے یقین دہانی کروانے کو پر اصرار سا ہوا تھا۔

"تو پھر وہ جنیاتی جانچ پڑتال؟" اس کے لیے آسان نہیں تھا، یوں بنا ثبوت کے اس کی بات کا یقین کر لینا۔

"وہ سب ایک دھوکہ تھا۔۔۔ہم نے کبھی ایسا کوئی جائزہ کروایا ہی نہیں! صرف بابا جان کو مطمئن کرنے کے لیے انھیں کاغذ کا ایک ٹکڑا پیش کیا تھا۔" اس بار لاجواب ہونے کی باری رائقہ کی

تھی۔۔۔اس ایک وضاحت نے اس کی گویائی یوں سلب کی کہ باقی کے سارے سوالات اپنی موت آپ مر گئے تھے۔

"حاویہ کی جلد بازی نے مجھے اسے حقیقت سے آشنا کروانے کا موقع ہی نہیں دیا۔۔۔اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا ایک موقع تو سزائے موت کے مجرم کو بھی دیا جاتا ہے، جب کہ میں تو صرف جرمِ محبت کا سزاوار تھا۔۔۔اسے اس سب سے لاعلم رکھنے کا مقصد اس پہ کسی قسم کی بے اعتباری نہیں بلکہ اسے ہر طرح کی پریشانی سے دور رکھنے کی ایک کوشش تھی۔" رائقہ اس کے ایک ایک لفظ کے ساتھ پشیمانی کے سمندر میں غوطہ زن ہونے لگی۔۔۔وہ کیا سوچ کر آئی تھی اور اسے کیا سننے کو مل گیا تھا؟ حقیقت کا وہ آئینہ جو وہ حسامہ کو دکھانا چاہتی تھی، اب اسے منہ چڑاتے، اس کی ماں کے گریبان میں جھانکنے کا مشورہ دے رہا تھا، جس کا ایک غلط فیصلہ ان سب کی زندگی کی خوشیوں کو نگل گیا تھا۔

"تم مجھے اپنا پتا بتاؤ، میں حاویہ سے اس کی بھی معافی مانگ لوں گا۔" وہ شخص منت کر رہا تھا اور رائقہ کی زبان گنگ تھی۔۔۔وہ کیسے اپنی ماں کو اس سچائی سے روشناس کروائے گی جو اسے پچھتاووں میں دھکیلنے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی۔

"میں پچھلے بائیس سالوں سے صرف اس سے ملنے کی آس میں زندہ ہوں۔" اس جملے پہ اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں حسامہ کے وجود پہ گاڑھی تھیں۔

''تو پھر کل آپ ان سے دوبارہ کیوں نہیں ملے ؟''اس بار یقیناً یہ سوال نہیں ایک شکوہ تھا۔

''انکل کو دل کا عارضہ لاحق ہے۔۔۔ کل ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔''حمود کی وضاحت پہ رائقہ کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔

''کیا میں اب تمھارے سر پہ ہاتھ رکھ کر تمھیں اپنے گلے سے لگا سکتا ہوں۔''اپنی جگہ سے اٹھتے حسامہ نے دوبارہ اس سے التجا کی تو اس بار رائقہ بھی خود کو اس کی آغوش میں سمانے سے روک نہیں پائی تھی۔

''میری بیٹی !''حسامہ سہگل ہچکیوں سے روتے اس کے ایک ایک نقش کو چھو کر دیکھ رہے تھے اور وہ اپنی اتنے سالوں کی تشنگی مٹا رہی تھی جو باپ کے سائے سے محروم رہ کر اس کی ذات میں آن سمائی تھی۔۔۔ حمود تو دنگ نظروں سے وقت کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا، جس کی منصوبہ بندی انسان نے نہیں بلکہ خالق کائنات نے کی تھی۔۔یہی وجہ تھی کہ وہ اتنا مکمل تھا۔

''انکل ! بابا!''رائقہ کے گرد حسامہ کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ دونوں ہی چونک کر اسے دیکھنے لگے اور اگلے ہی پل ان دونوں نے ہی اس کے ہوا میں جھولتے وجود کو اپنے اپنے ہاتھوں کا سہارا دیا تھا۔

''بابا! باباجان! آنکھیں کھولیں۔'' حمود نے اسے سہارے سے کرسی پہ بٹھایا تو رائقہ اس کی ہتھیلیاں سہلاتی درد سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''انھیں اسپتال لے جانا ہوگا۔'' اس کی شدت گریہ سے سرخ پڑتی آنکھوں کو دیکھتے حمود نے کہا تو وہ گردن ہلاتی، اس کے ساتھ حسامہ کو سہارا دے گئی۔۔۔ان دونوں کو یوں اپنے دائیں بائیں موجود پا کر غنودگی میں جاتے حسامہ کے لبوں پہ ایک مختصر لیکن بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ایاس! آپ امی کو لے کر فوراً سٹی اسپتال آجائیں۔'' وہ سارا راستہ قرآنی آیات کا ورد کرتے حسامہ پہ پھونکتی آئی تھی۔۔۔اسپتال پہنچتے ہی حسامہ کو انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں لے جایا گیا تو وہ آنکھیں پونچھتے ایاس کا نمبر ملا گئی جب کہ دوسری جانب حمود بھی ازمیر اور ارسلان کو اطلاع دے رہا تھا۔

شہر کے مغربی کنارے ایک الگ تھلگ عمارت کو باہر سے دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ گویا کئی سالوں سے یہاں کسی انسان کی آمد نہیں ہوئی جب کہ اندر کا منظر اس کے برعکس تھا جہاں ایک ہال نما کمرے

میں دھرے لکڑی کے ایک بڑے سے میز کے گرد رکھی کرسیوں پر براجمان لوگ کسی کاروباری مسئلہ پہ بحث و تمحیص میں مصروف تھے۔

"عالی جاہ! ہر گزرتے دن کے ساتھ پولیس والوں کی طرف سے سختی بڑھتی ہی جارہی ہے۔۔۔پہلے تو ہم بے دھڑک مال ادھر سے ادھر پہنچادیا کرتے تھے لیکن اب ہر گاڑی کی جانچ پڑتال اور تلاشی کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" سربراہی کرسی پہ براجمان عبدالکلیم عرف عالی جاہ کے داہنے ہاتھ موجود نشستوں میں سے تیسرے نمبر والی کرسی پر براجمان ادھیڑ عمر شخص کی شکایت پہ اس کی پیشانی پہ شکنوں کا ایک گہرا جال بچھا تھا۔

"کرامت علی! لگتا ہے تمھیں ترقی میں کوئی دلچسپی نہیں جو تمھارے ہوتے ہوئے ہمارے کارندوں کو مال کی ترسیل میں تکلیف ہورہی ہے۔" اس کا مخاطب بائیں ہاتھ دوسری کرسی پہ بیٹھا پولیس والا تھا۔

"عالی جاہ! ترقی ہوگی تو ہی میں کچھ کرسکوں گا نا! اب ایک معمولی سے افسر کی بات کو کون اہمیت دیتا ہے؟" اس کے لجاحت آمیز لہجے پر کئی لوگوں نے ناگواری سے اسے دیکھا جو اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش میں تھا۔

''اس کا بھی کرتے ہیں کچھ ! ابھی یہ بتاؤ کہ تمھارے دھندے میں تیزی آئی یا نہیں ؟'' عالی جاہ نے پیشانی کی سلوٹیں کچھ کم کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''عالی جاہ ! میں نے پچھلے دس دنوں میں پورے بیس لاکھ کا مال فروخت کیا ہے۔۔۔ اس شہر کی کوئی جامعہ ایسی نہیں جہاں میں نے ان منشیات کی ترسیل کے لیے کارندوں کا بندوبست نہ کیا ہو۔'' رقم نکال کر میز پہ رکھتے اس نے اس کے مسکرانے کا سامان کیا تھا۔

''ایسی بات ہے تو پھر اب تمھیں چالیس لاکھ کا مال ملے گا۔۔۔ منیر ! اسے اس کے حصے کا چار لاکھ روپے بھی دے دو۔'' میز سے رقم اٹھا کر اپنے داہنی جانب کھڑے شخص کے حوالے کرتا وہ اس سے مخاطب ہوا تو کرامت علی کی باچھیں کھل اٹھی تھیں۔۔۔ پچھلے دنوں ہی تو اس کے بیٹے نے نئی گاڑی کی فرمائش کی تھی جس کے لیے کچھ رقم کم پڑ رہی تھی سو اب وہ یقیناً اس کی خواہش پوری کرنے والا تھا۔

''عالی جاہ ! ہمیں اسلحہ کی ترسیل میں بھی خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔۔۔ کل بھی کسی غدار نے مخبری کر دی تھی۔۔۔ وہ تو شکر ہے کہ ہمیں بروقت اطلاع مل گئی ورنہ کروڑوں کا مال جاتا۔'' کرامت علی کے دائیں ہاتھ بیٹھے شخص نے اب کے اپنا مسئلہ بیان کیا تو عبدالکلیم سے پہلے دوسری رو میں موجود ایک اور شخص بول اٹھا تھا۔

"ارے بابا! یہ جب سے فوجیوں کو اس معاملے میں ڈالا ہے، تب سے ہی یہ حالات چل رہے ہیں۔۔۔ ہمیں جلد ہی ان کا کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ شخص لب و لہجے اور جثے کے اعتبار سے پٹھان لگتا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں۔۔۔ تم لوگ ہر علاقے میں اپنے اپنے کارندوں کی تعداد بڑھا دو۔۔۔ جو جتنی رقم مانگے، اسے دو لیکن کام رکنا نہیں چاہیے۔" عالی جاہ کی ہدایت پر سب کی ہی گردنیں اثبات میں ہلی تھیں۔

"جی ٹھیک ہے عالی جاہ!" تمام لوگوں کی شکایات سن کر انھیں ان کا حصہ دینے کے بعد اب اس نے مجلس برخاست کرنے کا اذن دیا تھا:

"ٹھیک ہے پھر اگلی ملاقات تم لوگوں کے موجودہ اہداف مکمل کرنے کے بعد ہو گی۔" سب کے وہاں سے نکلنے کے بعد اس کا مصاحب خاص اس کے پاس آیا تھا۔

"عالی جاہ! حسامہ سہگل کا بھی جلد ہی کچھ کرنا پڑے گا۔۔۔ اس نے بھی بہت تنگ کیا ہوا ہے۔" اس کی تفکر بھری اطلاع پہ عبدالکلیم مسکرا دیا تھا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔۔۔ وہ تو ویسے ہی صدمے سے مرنے والا ہے۔" اس کا مبہم لہجہ مقابل کو مخمصے میں ڈال گیا تھا۔

''کیا مطلب ؟میں سمجھا نہیں !'' وہ تجسس آمیز لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''بہت جلد سمجھ آجائے گی۔۔۔یوں سمجھو کہ خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔۔۔اب جو گڑ سے مر جائے،اسے زہر کیوں دینا؟''عبدالکلیم کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ ٹکی تھیں،یوں جیسے وہ اپنے ذہن میں کسی منظر کا نقشہ کھینچ رہا ہو۔۔۔حسامہ سے دشمنی تو یوں بھی کافی پرانی تھی۔

بسا تو لیتے نیا دل میں ہم مکیں لیکن

ملا نہ آپ سے بڑھ کر کوئی حسیں لیکن

کسی کے بعد بظاہر تو کچھ نہیں بدلا

ہمارے پاؤں تلے اب نہیں زمیں لیکن

جہانِ عشق سے باہر بھی ایک دنیا ہے

دلایا دل کو بہت ہم نے یہ یقیں، لیکن

یقیں مجھے ہے مرے ساتھ سانپ کوئی نہیں
ہر ایک ہاتھ کی ہوتی ہے آستیں لیکن

ہزار جام چھلکتے رہے ہمارے لئے
ہماری پیاس نہ چھلکی کبھی کہیں لیکن

سبھی فریب تھا لیکن وہ آخری جملہ
کبھی ملیں گے دوبارہ یہیں کہیں لیکن

یہ اور بات خوشی ساتھ ساتھ ہے ابرک
ہمارے بیچ کوئی رابطہ نہیں لیکن

ایاس کو اسپتال پہنچنے پر ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کا کہہ کر رائقہ ایک جانب لگے صوفے پر بیٹھتی دل ہی دل میں خالقِ کائنات سے حسامہ کی صحت یابی کی دعا کرنے لگی کہ وہ باپ سے ملتے ہی اس کے سائے سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔۔۔۔ حمود بھی اضطراری کیفیت میں راہداری میں ٹہلتا اپنے رب سے محوِ مناجات تھا۔

"رائقہ ! تم ٹھیک ہو؟ تم نے ہمیں یہاں کیوں بلایا؟" اسے وہاں بیٹھی کتنی دیر گزری رائقہ کو اس کا تو اندازہ نہیں تھا لیکن حاویہ اور ایاس کے اندازہ لگائے گئے وقت سے پہلے ہی وہاں آن پہنچے تھے اور اب وہ دونوں ہی فکر مندی سے اس سے استفسار کر رہے تھے۔

"حاویہ !" گو کہ انھیں ملے ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا لیکن پھر بھی حمود کی اطلاع پہ وہاں آتے ازمیر کو اسے پہچاننے میں ایک پل سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

"ازمیر بھائی !" رائقہ سے نگاہیں ہٹاتی حاویہ نے اپنے نام کی پکار پہ مڑ کر دیکھا تو مقابل کھڑے وجود کو دیکھتے، اس کے لبوں سے ایک بے آواز سرگوشی ابھری تھی۔

”رائقہ! یہاں اسپتال میں کون ہے؟“ ازمیر کا یہاں ہونا اسے عجیب طرح کے وسوسوں میں دھکیل گیا۔۔۔ وہ اس سے نگاہیں ہٹا کر واپس رائقہ کی جانب پلٹتی بے چینی بھرے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”امی! کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ اگر بابا بے قصور ہوئے تو آپ کیا کریں گی؟“ اس کے سوال پہ حاویہ نے بے ساختہ دو قدم پیچھے لیے جب کہ ازمیر دو قدم آگے آیا تھا۔

”تم حسامہ کی بیٹی ہو؟“ حاویہ کو بھول کر وہ اب رائقہ سے مخاطب ہوا تو اس نے بہتی آنکھوں کے ساتھ ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

”کتنی بڑی ہو گئی ہو تم! حسامہ کو بہت شوق تھا بیٹی کا۔۔۔ ڈاکٹر نے کیا کہا؟“ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہتے ازمیر خاصا جذباتی ہوا۔۔۔ بھائی کی علالت اسے بھتیجی سے ملنے کی خوشی بھی کھل کر نہیں منانے دے رہی تھی۔۔۔ حاویہ سے ہونے والے گلے شکووں کو پھر پہ اٹھا رکھتے، آخر میں اس کے استفسار پر حمود نے نفی میں سر ہلایا کہ تاحال کوئی بھی معالج اندر سے باہر نہیں آیا تھا۔۔۔ ازمیر پریشانی سے ماتھا مسلتے رائقہ کے پاس چلا آیا تھا۔

”میں ازمیر سہگل! ہمارے گھر کے سب بچے مجھے بڑے چاچو کہتے ہیں جب کہ مجھے تم بڑے پاپا کہہ سکتی ہو۔“اس کے ساتھ جگہ سنبھالتے اس نے اس کا ہاتھ تھام کر سہلاتے اس سے زیادہ خود پہ قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

”حمود! ازمیر بھائی! حسامہ کیسا ہے؟ حاویہ بھابھی!“رائقہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ارسلان وہاں آن پہنچا تھا۔۔۔بوکھلاہٹ میں ان دونوں کو پکارتے اس کی نگاہ حاویہ پہ پڑی تو وہ اس کا نام لیتے پل بھر کو ٹھہر سا گیا اور اگلے ہی لمحے اس کی زبان شکوہ کناں ہوئی تھی:

”آپ جانتی ہیں آپ سے جدائی کی کیا قیمت چکائی ہے میرے دوست نے؟“اس کے سوال پر حاویہ کی آنکھیں جھلملائی تھیں۔

”جب دل کے مکین دل میں تو رہیں لیکن زندگی سے نکل جائیں تو دل اسی انسان پہ زندگی تنگ کرنے لگتا ہے جس کی ہڈیوں کے مضبوط پنجرے میں اسے پناہ ملی ہوتی ہے۔۔۔آپ کے جانے کے بعد حسامہ کے ساتھ بھی یہی سب ہوا۔“وہ شکایت کر رہا تھا اور حاویہ کے پاس کہنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

”کیا قصور تھا اس کا؟ یہی کہ اس نے خود سے بڑھ کر آپ کو چاہا اور آپ کے آرام کے خیال سے کسی تپتی ہوا کو آپ کے قریب نہیں پھٹکنے دیا اور کیا کیا آپ نے اس کے ساتھ؟ خود تو کڑی دھوپ میں

نکلیں ہی، ساتھ ہی ساتھ اسے بھی حبس زدہ زندگی دان کر گئیں۔'' ارسلان کے لہجے کی شکستگی ان سب کا ہی دل چیر رہی تھی۔

''کیا ہو جاتا اگر آپ اسے اپنی صفائی کا موقع دے دیتیں؟'' وہ اس سے استفسار تو کر رہا تھا لیکن اس کی آواز اس سوال جتنی کڑک نہیں تھی بلکہ اس میں تو آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

''پاپا! بس کریں! یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب نہیں! آپ حسامہ انکل کے لیے دعا کریں۔'' حمود نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگاتے، اسے حوصلہ دینے کی ایک ادنی سی کوشش کی تھی۔

''کیا دعا کروں اس کے لیے جسے بے اعتباری کی سزا سنانے والوں کو خود باہمی اعتماد کا مطلب نہیں پتا۔'' باپ کو روتا دیکھ حمود کی آنکھوں میں بھی نمی اتری جس نے اس کے ساتھ مل کر حسامہ کی زندگی کا ہر اتار چڑھاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

''ارسلان! بس کر دو میرے بھائی!'' اس بار ازمیر نے اسے سنبھالنے کی سعی کی لیکن ارسلان کو تو آج اپنے دوست کی ہر تکلیف یاد آ رہی تھی۔

''ازمیر بھائی! آپ تو گواہ ہیں نا اس ساری تکلیف کے جو حسامہ نے صرف ان کی وجہ سے سہی۔۔۔ آپ نے تو اپنی آنکھوں سے اسے بلکتے ہوئے دیکھا ہے نا! میں اس کے قصوروار کو کبھی معاف نہیں

کروں گا۔‘‘اس کے انداز میں بچوں جیسی ضد تھی جب کہ وہ خود بھی اچھے سے جانتا تھا کہ حسامہ کبھی بھی حاویہ کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرے گا۔

’’پاپا! یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ جنھیں آپ سزا سنانا چاہتے ہیں، انکل نے تو انھیں کبھی اس سب کا ذمہ دار ہی نہیں سمجھا۔‘‘حمو داب اسے کیا بتاتا کہ ان کے دوست نے تو پہروں اس سے حاویہ کی باتیں کی تھیں۔

’’اسی بات کا تو افسوس ہے۔‘‘اپنے سینے پہ ہولے سے ہاتھ مارتے، وہ تاسف زدہ سا ہوا تھا۔

’’انکل! میں آپ کی تکلیف سمجھ سکتی ہوں لیکن یہ اذیت صرف بابا کے حصے میں نہیں آئی تھی۔۔۔ میری امی نے بھی خون جگر دے کر اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا ہے۔۔۔آپ نے بابا کو تڑپتے دیکھا ہے تو میں بھی اپنی امی کی رات رات بھر طویل سجدوں میں گریہ وزاری کی گواہ ہوں۔‘‘ماں کی آنکھوں کے آنسو برداشت سے باہر ہوئے تو رائقہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ارسلان کے مقابل آئی جو یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

’’میں نے کبھی کسی سے محبت تو نہیں کی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ محبت دو طرفہ ہو تو جدائی کی اذیت کبھی یک طرفہ نہیں ہوتی۔‘‘ارسلان تو ساکت کھڑا بس اسے تکے جا رہا تھا۔

’’تم حسامہ کی بیٹی ہو؟‘‘اس کی بات ختم ہوئی تو اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

’’خوش رہو۔‘‘ رائقہ کے گردن ہلانے پر وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے جیسے پچھلی ساری تلخی بھول گیا تھا۔

’’میری امی کو معاف نہ کرنے کی اذیت دے کر آپ کیسے مجھے خوش رہنے کی دعا دے سکتے ہیں؟‘‘ اس کی بات پہ احتجاج کرتی وہ ارسلان کو بالکل حسامہ کا پرتو لگی تھی۔

’’تم سچ میں اپنے باپ کی ہی بیٹی ہو۔‘‘ ارسلان نے عجیب سے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔۔۔ سچ ہی تو کہا تھا اس نے کہ حسامہ کو کہاں گوارا تھا کہ کوئی حاویہ کے بارے میں کوئی بات بھی کر سکے۔

’’ڈاکٹر!‘‘ ان کی گفتگو کے بیچ خلل ایک معالج کی وہاں آمد نے ڈالا تھا۔

’’بظاہر تو اس وقت وہ ٹھیک ہیں لیکن اب جلد از جلد بائی پاس ناگزیر ہو گیا ہے وگرنہ ان کی جان جانے کا بھی خطرہ ہے۔‘‘ ازمیر کے استفسار پر اس ڈاکٹر کے الفاظ نے ان سب کا ہی دل لرزا دیا تھا۔

’’میں ڈاکٹر راشدی سے رابطہ کرتا ہوں، آپ جراحی (سرجری) کی تیاری شروع کریں۔‘‘ ان سب میں ازمیر نے ہی سب سے پہلے ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔

’’ہم ان سے مل سکتے ہیں کیا؟‘‘ رائقہ نے ایک موہوم سی امید کے تحت استفسار کیا تھا۔

"ابھی تو نہیں لیکن جراحی سے پہلے کوئی ایک ہی ان سے مل سکے گا اور وہ کس سے ملتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ہم حسامہ سر کی مرضی سے ہی کریں گے۔" ڈاکٹر کا یہ جواب ان سب کو ہی آس و نراس کے بیچ چھوڑ گیا کہ جانے اب کسے حسامہ کی جانب سے بلاوا ملنا تھا؟

اسپتال کی سرد و طویل راہداریوں میں چھائی خاموشی کسی مریض کے لواحقین کی باتوں کی آواز پہ ہی ٹوٹتی تھی یا پھر کسی نئے مریض کی آمد پہ اور اس وقت وہاں ایسی کوئی ہل چل نہ تھی کہ ان صامت و ساکت راہداریوں میں زندگی کا کوئی احساس جاگتا۔۔۔ رائقہ کی زبانی ساری صورت حال جان کر رونے کے باعث حاویہ کی طبیعت بھی بگڑ گئی تھی سو اس وقت وہ بھی دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھی۔۔۔ تاحال حسامہ سے ملنے کی اجازت کسی کو نہیں دی گئی تھی۔۔۔ ڈاکٹر جراحی سے قبل اس کے خون کے نمونوں اور اس کے دیگر اعضا کا کئی طرح سے جائزے لے رہے تھے۔۔۔ رائقہ ایک نرس کو سوتی ہوئی حاویہ کے پاس چھوڑ کر خود اسی راہداری میں آکر بیٹھ گئی جہاں ازمیر اور حمود پہلے سے ہی براجمان تھے جب کہ ارسلان ہوائی اڈے سے ڈاکٹر راشدی کو لینے گیا تھا جنھیں ازمیر نے بطورِ خاص حسامہ کے بائی پاس کے لیے دوبئی سے بلایا تھا۔

"پریشان ہو؟" وہ آنکھیں موند کر صوفے پہ براجمان سر دیوار سے ٹکائے ہوئے تھی جب اس نے ایاس کا اپنے ساتھ بیٹھنا محسوس کیا تھا۔۔۔ وہ اپنے سارے کام پس پشت ڈال کر صبح سے یہاں موجود تھا اور اب اس کی نرمی بھرے استفسار پر رائقہ نے آنکھیں کھولتے اس کی جانب دیکھا جو چہرے پہ فکر مندی لیے اس کی جانب ہی متوجہ تھا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" رائقہ نے الٹا اس سے ہی سوال کیا تھا۔

"ہونا تو چاہیے لیکن اپنے ڈر یا خوف کو اپنے اوپر کبھی حاوی مت ہونے دینا۔" ایاس کی اجازت مشروط تھی۔

"اور اگر کوئی ڈر پنجے گاڑھ کر کسی کے دل میں بیٹھ جائے تو؟" وہ یقیناً اپنے پیاروں کو کھو دینے کے خوف میں مبتلا تھی۔

"تو پھر اسے اس کے سدباب کا سامان کرنا چاہیے۔" اس نے حل پیش کیا تو رائقہ نے اس سے طریقہ پوچھا تھا:

"وہ کیسے؟" ازمیر ایک فون سننے کے لیے اٹھا تو ان دونوں کو یوں ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر حمود نجانے کیا سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ان کی جانب آیا تھا۔

”اپنے رب کو پکار کر۔۔۔آپ کے اندر کا خوف ربِ کائنات سے بڑا تو نہیں ہو سکتا نا!“اس کی بات پر رائقہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ویسے کیا میں آپ دونوں کا رشتہ پوچھ سکتا ہوں؟“ان کے پاس رکتے اس کی بات کے جواب میں حمود نے تائید کے ساتھ سوال بھی کیا تو رائقہ کی پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

”نہیں! آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔“تڑخ کر جواب دیتے وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”وہی تو کر رہا ہوں۔“حمود نے برا منائے بنا عام سے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

”کیا مطلب؟ ہمارے رشتے سے آپ کو کیا کام؟“وہ ایک بار پھر تندہی سے گویا ہوئی تھی۔

”مجھ سے ہی تو کام ہے۔“حمود کا انداز ہنوز مبہم تھا جو رائقہ کو کچھ خاص ہضم نہیں ہوا۔

”مجھے لگتا ہے آپ کا دماغ الٹ گیا ہے۔۔۔آپ کو ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہیے۔“رائقہ کو اس کی ذومعنویت ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی۔

”ابھی کچھ دیر میں شاید آپ کا دماغ الٹ جائے سو بہتر ہے کہ میرے سوال کا جواب دے دیں۔“ حمود نے بھی سیدھی بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

”عجیب انسان ہیں آپ! جائیں ہم نہیں بتاتے آپ کو کچھ بھی!“ رائقہ اپنی پریشانی بھلائے اس سے الجھنے کو تیار تھی۔

”میں میجر ایاس! اور آپ؟“ ایک بار پھر خاموش تماشائی بنے ایاس نے اس بات ان کی گفتگو میں مداخلت لازم سمجھتے، اپنا تعارف کرواکر حمود سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

”حمود ربانی! حسامہ انکل کے بچپن کے دوست ارسلان ربانی کا اکلوتا لخت جگر!“ اس کے تعارف پر ایاس نے سر ہلایا جب کہ رائقہ نے سر جھٹکا تھا۔۔۔ اسے شاید اپنے بابا کی اس شخص سے محبت کچھ خاص پسند نہ آرہی تھی، جس پہ وہ اب ان سے ملنے کے بعد صرف اور صرف اپنا حق سمجھتی تھی۔

”کیا میں آپ کی اس گفتگو کا مقصد جان سکتا ہوں؟“ رائقہ کے چہرے کے بگڑے زاویوں کو اپنی نگاہوں میں رکھتے، ایاس نے خاصے سلجھے ہوئے انداز میں استفسار کیا تھا۔

”بالکل جان سکتے ہیں۔۔۔ دراصل حسامہ انکل نے کل ہی مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ۔۔۔“ وہ یقیناً انھیں اس وعدے کے متعلق بتانا چاہتا تھا جو حسامہ نے کل اپنی بیٹی کو لے کر اسپتال میں اس سے لیا تھا۔۔۔ اسے پورا یقین تھا کہ اندر سے اس کے نام کا ہی بلاوہ آئے گا اور حسامہ اس ضمن میں بھی بات ضرور کرے گا۔

”آپ میں سے حمود کون ہے؟“ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شاید اس کے لیے بلاوا آگیا تھا۔

''حسامہ سہگل آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' حمود نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا تو اس اطلاع پہ رائقہ کا ماتھا ٹھنکا تھا۔۔۔اسے تو لگا تھا کہ حسامہ اس سے یا حاویہ سے ملنا چاہے گا لیکن اب حمود کے نام کا بلاوا اس کے اندر ایک ان دیکھی آگ جلا گیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اندر جانے سے پہلے آپ مجھے میرے سوال کا جواب دے دیں تا کہ میں باہر آ کر آپ کے سوال کا بہتر طور پر جواب دے سکوں۔'' اس بار اس کا انداز خاصا سنجیدہ تھا سو اس نے بھی بلا تاخیر اپنا تعارف پیش کر دیا تو وہ ایک حیرانی بھری نظر ان دونوں پہ ڈالتا اندر کی جانب چلا گیا۔۔۔ رائقہ نے کینہ توز نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اس شخص کو گھسیٹ کر واپس لے آئے جسے اس کے باپ نے اس پر ترجیح دی تھی۔۔۔اب اسے کیا پتا کہ اس کے باپ کے لیے اس کا فرض ہر رشتے سے اوپر تھا۔

شہر کے اس عالیشان بینکویٹ کے زیر زمین ہال میں اس وقت نوجوانوں کی کثیر تعداد بلوریں جام پکڑے طرح طرح کے مشروبات سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔۔۔ ملگجے اندھیرے میں جلتی بجھتی رنگ برنگی بتیاں، بلند آواز میں بجتی بے ہنگم موسیقی اور رقص کے نام پہ ادھر ادھر ڈولتے ہوش و

حواس سے بے گانہ وجود، انھیں دیکھ کر کسی طور یہ نہیں لگتا تھا کہ یہ جگہ کسی اسلامی ملک میں پائی جاتی ہے مگر ہائے افسوس کہ آج مغرب سے نکلی فحاشی بڑی شان سے مشرق میں براجمان ہے۔۔۔۔ ان سب سے نظریں ہٹاؤ تو ایک جانب بنے مے خانے کے اطراف میں لگی میزوں میں سے ایک پر جازمہ نبیل سیاہ رنگ کی پیروں کو چھوتی چست میکسی میں ملبوس ہاتھ میں کانچ کا گلاس پکڑے ایک ادا سے گھونٹ گھونٹ مشروب پیتی خاصی بے زاری سے پاؤں جھلاتے شاید کسی کی آمد کی منتظر تھی۔۔۔اس کے لباس کا پچھلا گلا خاصا گہرا تھا جسے اس نے اپنے بالوں کو ایک جانب ڈال کر کچھ زیادہ نمایاں کر رکھا تھا۔

''جے زی!''نووارد نے اس کی پشت کے برہنہ حصے پہ ہاتھ پھیر کر اس کے سامنے بیٹھتے، گویا اسے اپنی آمد سے مطلع کیا تھا۔

''عالی جاہ! مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ آپ نے بذات خود مجھے ملنے کا شرف بخشا ہے۔''اپنے اندر اٹھنے والی ناگواری کی شدید لہر کو مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھا کر اس نے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا کہ اس کا کام ہی ایسا تھا، جہاں کامیابی کی سب سے پہلی شرط ہی منافقت تھی۔۔۔جو جتنا اچھا منافق، وہ اتنا زیادہ کامیاب!

”تمھاری قسمت بہت اچھی ہے ورنہ میں تو ایسے کام اپنے کارندوں کے ذریعے ہی کروا لیتا ہوں۔“

من ہی من اس کی بات پہ جز بز ہوتے اس بار بھی اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ عاجزانہ مسکراہٹ تھی۔

”ذرہ نوازی ہے آپ کی! بتایے کیا لیں گے؟“ لجاحت بھرے انداز میں کہتے، سر کو تھوڑا سا خم دے کر اس نے آداب میزبانی نبھائے تھے۔

”مجھے جو چاہیے، وہ تم اچھے سے جانتی ہو۔“ اس کی ذو معنویت اس کو سرتاپا سلگا گئی تھی۔

”آپ جانتے ہیں کہ اداکاری میرا شوق ہے لیکن میں دھندہ نہیں کرتی۔“ اس بار اس نے اپنے لہجے میں ناگواری کا عنصر شامل کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی تھی۔

”کمال کرتی ہو جے زی! دعوت نظارہ بھی دیتی ہو اور پیاسے کو دو بوند پانی کی بھی اجازت نہیں!“ سگریٹ سلگاتے عبدالکلیم کا اشارہ یقیناً اُس کے سجے سنورے سراپے کی جانب تھا۔

”ان جیسوں کے بیچ ان جیسا بن کے رہنا پڑتا ہے تاکہ کوئی سب سے الگ سمجھ کر گلے ہی نہ پڑ جائے۔۔۔ خیر! آپ بتایے کیسے یاد کیا؟“ اپنے اطراف اسی قسم کے ملبوسات میں تھرکتے لوگوں کی جانب اشارہ کر کے جازمہ نے گفتگو کا رخ موڑ دیا تھا۔

"تمھیں ایک کام دیا تھا۔" اس کے بھاؤ دینے پر وہ دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتا، اصل مدعے پہ آیا تھا۔

"اس شخص کو قابو کرنا ناممکن ہی سمجھیں۔۔۔اب تو اسے اس کی محبوب بیوی بھی مل گئی ہے۔" جازمہ کی مؤخرالذکر بات پہ مقابل کی آنکھیں حیرانی سے پھیلی تھیں۔

"حیران مت ہوں! اتنی خبر تو ہم بھی دشمنوں کی رکھتے ہی ہیں۔" اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتے، جازمہ نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

"ہاہاہا! دشمن! اچھا لگا سن کر۔" اپنی بات سے خود ہی لطف لیتا، وہ مزید گویا ہوا تھا:

"جیسے تم نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی، وہ طریقہ خاصا پرانا ہو چکا ہے۔۔۔اب کسی کی کافی میں بہانے سے زہر ملا کر پلانے کا دور نہیں ہے۔۔۔اس کے لیے کچھ نیا سوچنا ہوگا۔" اس کی بات پر جازمہ کی نگاہوں میں تجسس ابھرا تھا۔

"مثلاً کیا؟" وہ اپنی جگہ سے تھوڑا آگے کو ہوتے، پرشوق انداز میں مستفسر ہوئی تھی۔

"یہ لپ بام!" عبدالکلیم نے اپنی جیب سے لپ اسٹک کی طرح کی ایک چیز برآمد کی تھی۔

"حسامہ سہگل اگر بائی پاس میں زندہ بچ گیا تو تم اس کی عیادت کو جاؤ گی اور پھر کسی بھی بہانے سے تمھیں یہ بام اس کے ہونٹوں پہ لگانی ہے۔" وہ اب اسے سارا منصوبہ سمجھانے لگا تھا۔

"اس سے کیا ہو گا؟" جازمہ نے بھول پن کی انتہا کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یہ بام اس کے ہونٹوں پہ لگتے ہی اس کے ہونٹ جلنے لگیں گے اور وہ ہر صورت اپنے لبوں پہ زبان پھیرے گا۔۔۔اس کے بعد پانی پیتے ہی اس میں موجود زہر اپنا اثر دکھا دے گا۔" ان دونوں کے ہی چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اس سب میں میرا نام۔۔۔" جازمہ کا ڈر جائز تھا لیکن اس کی بات بیچ میں سے ہی اچک لی گئی تھی۔

"تمھارا نام کہیں نہیں آئے گا۔" اسے جھٹ یقین دہانی کروائی گئی تھی۔

"پکا؟" جازمہ نے دوبارہ تصدیق لازم سمجھی تھی۔

"کوئی شک؟" عبدالکلیم کا انداز پر تیقن تھا۔

"نہیں! اب نہیں! آپ کی جگہ کوئی اور آتا اس کام کے لیے تو ضرور شک ہوتا۔۔۔ پچھلی بار بھی اس شخص نے میرا کام تمام کر ہی دیا تھا۔" جازمہ کی نگاہوں کے سامنے حسامہ سہگل کے دفتر کا منظر گھوم گیا تھا۔

"اس بار اس میں اٹھنے کی سکت نہیں ہو گی۔" زمین پہ ناخدا بنے بیٹھوں کو کیا علم کہ جسے بچانے والی ذات اللہ پاک کی ہو، اس کا کوئی مائی کا لعل بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔امید ہے کہ اس بار آپ کا کام ہو جائے گا۔'' سارے معاملات طے کر کے جازمہ وہاں سے چلی گئی تو عبدالکلیم کی آنکھوں میں ایک ناقابل فہم تاثر ابھرا تھا۔

''عالی جاہ کو انکار کیا تھا نا! اب دیکھتا ہوں کہ تمھیں کون بچاتا ہے؟'' جازمہ کی پشت کو تکتی اس کی نگاہوں میں ایک زہر خند سا تاثر تھا۔۔۔دوسری طرف جازمہ کے چہرے کی ذو معنی مسکراہٹ کا مطلب اخذ کرنا مشکل تھا۔۔۔جانے اب کون کس کو دھوکا دے رہا تھا۔

شیشے کا دروازہ دھکیل کر حمود ہنگامی طبّی امداد کے لیے تیار کردہ کمرے میں داخل ہوا تو بستر پہ نیم دراز حسامہ کو اپنا منتظر پایا جس کے برہنہ سینے پر کئی طرح کی ہوابند نالیاں منسلک کی گئی تھیں۔

''میجر حمود فرام انٹی نار کوٹکس فورس رپورٹنگ سر (انسداد منشیات فورس سے میجر حمود حاضر ہے جناب!)'' دونوں ایڑھیاں جوڑ کر خالصتاً فوجی انداز میں ہاتھ اپنے ماتھے تک لے جاتے حمود نے اس فورس کے ڈی.جی (صدر) کو تعظیم پیش کی تھی۔

''میجر حمود! امید واثق ہے کہ میرے ہوش میں آنے تک میری جگہ کسی اور افسر کو اس عہدے کے لیے نامزد کر دیا جائے گا جو کہ کچھ غلط بھی نہیں کہ اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی صحت

مند انسان کے کندھوں کا ہونا لازم ہے۔۔۔ میں بس اپنے اختیارات ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کچھ آپ کو سونپنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں وزات انسداد منشیات کو اپنے عہدے سے دست برداری کی درخواست کے ساتھ ہی نئے ڈی جی کی تقرری کی تجاویز پیش کر چکا ہوں لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کالی بھیڑیں ہر شعبے میں پائی جاتی ہیں سو میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان گزارشات پہ عمل ہو گا یا نہیں! اس سب میں ایک چیز ہے جس کا میں دعویٰ کر سکتا ہوں اور وہ ہے آپ کو کچھ ایسی طاقت فراہم کرنا کہ اعلیٰ حکام میں کوئی بھی تبدیلی اس پہ اثر انداز نہیں ہو گی۔" حسامہ کا لہجہ نقاہت زدہ ہونے کے باوجود خاصا مضبوط اور منتظم تھا۔۔۔ باہر اس کی بیٹی سوچ رہی تھی کہ اس کے باپ نے ایک غیر متعلقہ شخص کو اس پہ اور اس کی ماں پہ فوقیت دی ہے اور اندر وہ اپنی علالت کی پروا کیے بغیر ایک فرض شناس افسر کی طرح اس مٹی کا قرض نبھانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

"آپ یہاں سے جاتے ہی شہریار سے رابطہ کر لیں۔۔۔ وہ آپ کو تمام احکامات کی کاغذی دستاویزات مہیا کر دے گا جس کے مطابق میں وزارتِ اعلیٰ سے ایک ایسی ٹیم تشکیل دینے کی اجازت حاصل کر چکا ہوں جو ہنگامی صورت حال میں حالات کے مطابق کوئی بھی فیصلہ لینے میں آزاد ہو گی۔۔۔ آپ کو اس ٹیم کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے اور آپ کسی بھی اور افسر کی بجائے صرف اور صرف متعلقہ وفاقی وزیر کو جواب دہ ہوں گے۔۔۔ آپ کو براہِ راست احکامات جاری کرنے کا حق بھی صرف انھی کے پاس ہو گا اور اس معاہدے کی سب سے اہم شق یہ ہے کہ حکومتی تبدیلی اس پہ کسی طرح اثر انداز

نہیں ہو گی۔۔۔ حکومت کوئی بھی ہو، وہ آپ کے اختیارات کا دائرہ کار وسیع تو کر سکتی ہے لیکن موجودہ معاہدے میں سے کوئی شق کاٹ نہیں سکتی۔۔۔ باقی کی تفصیل آپ کو شہریار سمجھا دے گا۔۔۔ آپ اب بے فکر ہو کر عبدالکلیم جیسے موذی کا صفایا کر سکتے ہیں۔" حسامہ نے اپنے ایک مصاحب خاص کا ذکر کرتے اسے مزید تفصیلات سے بھی آگاہ کیا جس کے مطابق حمود ایسے افراد کے خلاف ہر طرح کی آزادانہ کارروائی کا حق رکھتا تھا جو کسی بھی طرح منشیات کی ترسیل اور پھیلاؤ میں شامل ہوں۔۔۔۔ پھر چاہے ان کا تعلق کسی بھی طبقے یا کسی بھی شعبے سے ہی کیوں نہ ہو۔

"جو حکم جناب!" ساری تفصیل جاننے کے بعد وہ اسی مؤدب انداز میں اس کی باتوں پہ سر ہلاتا واپسی کی اجازت طلب کر گیا تھا۔

"کیا اب آپ میرے ایک دیرینہ دوست کے بیٹے کو مجھ سے ملنے کے لیے بھیج سکتے ہیں؟" حسامہ کی ہدایت پہ وہ سر ہلاتا شیشے کے دروازے کی سمت بڑھ گیا اور پھر وہ وہاں سے یکسر مختلف انداز میں واپس پلٹا تھا۔

"انکل! کیسے ہیں آپ؟" حمود کے لہجے میں اس بار احترام کے ساتھ ساتھ بے تکلفی کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

”میں اب تب ہی ٹھیک ہوں گا جب میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں ہو گا۔“اس کے ملتجی لہجے پر حمود کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔

”آپ فکر نہ کریں۔۔۔وہ پہلے ہی محفوظ ہے۔“اس کا اشارہ یقیناً ایاس کی طرف تھا۔

”کیا مطلب؟ کیا وہ پہلے ہی کسی اور سے منسوب ہے؟“حسامہ کے لہجے میں مایوسی گھلی تھی۔۔۔وہ تو حمود کو اپنی فرزندی میں لینے کا خواہاں تھا۔

”انکل! آپ ٹھیک ہو جائیں تو پھر ہم آرام سے اس موضوع پہ بات کریں گے۔“حمود نے اس موضوع کو ٹالنے کی ایک ادنی سی کوشش کی جب کہ وہ بھی اچھے سے جانتا تھا کہ حسامہ وہی کرے گا جو وہ چاہ رہا ہے۔۔۔ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس کی فکر کچھ غلط بھی نہ تھی کہ اس کے دشمنوں کی فہرست خاصی طویل تھی اور ایسے میں اس کی بیٹی کا منظر عام پہ آنا، اسے کسی مسئلے سے بھی دوچار کر سکتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ جلد از جلد اس کے لیے ایک مضبوط سائبان تلاش لینا چاہتا تھا جو اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کر سکے اور ایک محرم سے بڑھ کر کون یہ ذمہ داری نبھا سکتا ہے۔

”نہیں! مجھے ابھی ہی فیصلہ لینا ہے۔۔۔تم بس میرے سوال کا جواب دو کہ کیا رائقہ کسی اور کے ساتھ۔۔۔“حسامہ کے سرسراتے لہجے میں کئی ان دیکھے خدشات اور وسوسے در آئے تھے۔۔۔وہ اس ایک فوجی افسر کی بجائے صرف ایک مجبور باپ لگ رہا تھا۔

''وہ شاید مجھے پسند نہیں کرتی۔'' حمود نے اپنا اندیشہ بیان کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیا تھا۔

''تمھیں ایسا کیوں لگا؟'' حسامہ کے لہجے کی بے چینی ہنوز برقرار تھی۔

''میں اس کی آگ برساتی نگاہوں کی زد میں یہاں تک آیا ہوں۔'' حمود یقیناً اپنی پشت پہ ٹکیں رائقہ کی دہکتی نگاہوں سے ان جان نہیں تھا۔

''یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں! تم بس وہ بتاؤ جو میں نے پوچھا ہے۔'' حسامہ اب کے جھنجھلایا تھا۔

''فی الحال تو ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔'' حمود کے تشفی کروانے پر اس نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''تو پھر کیا تم رائقہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟'' اس بار یہ سوال دھونس بھرا تھا۔۔۔ اس نے نکاح کی بجائے شادی کا لفظ استعمال کیا تھا یعنی کہ حمود کو مکمل طور پر اس کی ذمہ داری اٹھانی تھی۔

''بات میرے چاہنے نا چاہنے کی نہیں ہے۔۔۔ دوسرے فریق کی مرضی بھی ضروری ہے۔'' اس نے اپنے تحفظات کا کھل کر اظہار کرنا ضروری سمجھا جو کہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی میرے کہے کا مان رکھے گی۔۔۔۔ تم اپنی بات کرو۔۔۔ اگر تمھاری مرضی نہیں ہے تو میں شہریار سے بات کرلوں گا لیکن یہ تو طے ہے کہ میں اسے محفوظ ہاتھوں میں سونپے بغیر یہ جراحی نہیں کرواؤں گا۔'' وہ ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کو تیار بیٹھا تھا۔۔۔ جانے اسے کس چیز کی جلدی تھی؟

"آپ کو اتنا زیادہ نہیں بولنا چاہیے۔" حمود اس کے سامنے بے بس ہونے لگا تھا۔

"ہاں یا نا؟" اس سوال کے بعد مزید کسی بحث کی گنجائش باقی ہی نہ رہی تھی۔۔۔ اس نے باہر آتے ہی کسی اور جانب نگاہ کیے بنا ہی ازمیر اور ارسلان کو حسامہ کی ضد سے آگاہ کر دیا تھا۔

"بڑے پاپا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ارسلان کی منشا سے حاویہ کو حسامہ کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے بعد وہ اس کی رائے پر خود رائقہ سے بات کرنے آیا جو اس کی بات سنتے ہی حیرت سے گنگ ہوئی تھی۔

"بیٹا! حسامہ نے اسی شرط پر اس جراحی کی ہامی بھری ہے کہ اس سے پہلے آپ کا اور حمود کا نکاح کر دیا جائے وگرنہ وہ جراحی نہیں کروائے گا۔" یہ سننے کے بعد رائقہ کے پاس یقیناً انکار کا حق محفوظ نہیں رہا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔" اس کے ہامی بھرتے ہی ازمیر اسے ڈھیروں دعائیں دیتا، نکاح کے انتظامات کرنے چلا گیا۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ رائقہ سہگل سے رائقہ حمود ربانی بن گئی تھی۔۔۔ اسے قسمت کے اس چکر پہ خاصی حیرانی ہوئی کہ صبح اپنے باپ کا پتا لے کر نکلنے والی شام ڈھلنے تک اپنے تمام حقوق کسی ان جان شخص کے نام کر چکی تھی۔۔۔ نکاح کے فوراً بعد حسامہ کو کمرۂ جراحی میں لے جایا گیا جب کہ حمود بھی اس کی ہدایات کے مطابق سب سے ایک ضروری کام کا کہہ کر کاغذی

کارروائی مکمل کرنے کی غرض سے دفتر چلا گیا تھا۔۔۔رائقہ کو اس کا یوں جانا عجیب تو لگا لیکن اس نے کسی قسم کے تاثرات کے اظہار سے گریز ہی برتا تھا۔

''آپ میرے ساتھ گھر جائیں گی۔'' چھ گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد بالآخر انھیں اس جراحی کے کامیاب ہونے کا مژدہ سنایا گیا تھا۔۔۔رات آدھے سے زیادہ گزر چکی تھی لیکن حسامہ سے ملنے کی اجازت تاحال کسی کو بھی نہیں دی گئی تھی۔۔۔وہ ابھی شعبہ انتہائی نگہداشت کی زیر نگرانی تھا۔۔۔کل شام سے پہلے کسی کی بھی اس سے ملاقات متوقع نہیں تھی سو معالج کی کڑی ہدایت پر وہ سب لوگ فجر کے قریب اپنے اپنے گھر جانے کو تیار تھے۔۔۔وہ ایک فوجی اسپتال تھا جہاں کے اپنے کچھ قانون وضوابط تھے سو وہ لوگ اپنی من مانی نہیں کر سکتے تھے اور۔۔۔رائقہ بھی ایاس اور حاویہ کے ساتھ جانے لگی تو حمود کی بات پر اس کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

''ایسے کیسے؟ میں کیوں جاؤں آپ کے ساتھ؟'' وہ کچھ گھنٹوں پہلے بننے والے رشتے کو یکسر فراموش کیے لڑنے مرنے پر آمادہ تھی۔

''بیوی شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر ہی جاتی ہے۔'' حمود کی تاویل اسے مزید تپا گئی تھی۔

''ہمارا صرف نکاح ہوا ہے۔۔۔شادی نہیں!'' وہ حسبِ عادت جگہ کا لحاظ کیے بنا ہی اس سے باز پرس شروع کر چکی تھی۔

”مجھے بھی پہلے صرف نکاح کا ہی کہا گیا تھا لیکن آج انکل نے کہا کہ میں آپ سے شادی کر لوں۔“ یہ الفاظ ادا کرتے وقت اس کے ذہن میں حسامہ سے اب تک کی ہوئی آخری گفتگو گونج رہی تھی جہاں اس نے نکاح کی بجائے شادی کا لفظ استعمال کیا تھا۔

”ایسے کیسے ہو گئی شادی؟“ وہ تو پوری طرح سے جرح کے موڈ میں تھی لیکن اس کے برعکس حمود خاصے صبر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”جیسے بھی ہوئی، اب تو بس ہو گئی ہے۔“ رسان سے کہتے، وہ آخر میں یوں کندھے اچکا گیا کہ اب اس میں مزید کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

”رائقہ! جاؤ بیٹا! اللہ پاک تمہارا دامن خوشیوں سے بھر دے۔“ حسامہ کے لیے دل میں بھری کثافت دھلی تو حاویہ کو بھی اس فیصلے میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی تھی۔۔۔ اس کی یہ مداخلت رائقہ کو شاک ہی تو دے گئی تھی۔

”امی!“ اس نے احتجاج کرنا چاہا تو حاویہ کی اگلی بات تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی تھی۔

”امی کی جان! یہی بہتر ہے۔“ اس کے بعد رائقہ نے مزاحمت ترک کر دی تھی۔۔۔ وہ ماں کے بعد ایاس اور رازمیر سے بھی ڈھیروں دعائیں لیتی حمود کے سنگ چلی آئی تھی۔۔۔ نعمان کو اس کی طبیعت کے پیشِ نظر وہ پہلے ہی زبردستی گھر بھیج چکا تھا۔۔۔ دو چار روز پہلے اس شخص سے جھگڑا

کرتے رائقہ کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ کچھ ہی دنوں بعد وہ شخص اس کی زندگی کی سب سے اہم حقیقت بن جائے گا۔۔۔ اندازہ تو شاید حمود کو بھی نہیں تھا وہ جسے جنگی طیارہ سمجھ رہا تھا، وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔۔۔ یہ سب تو قسمت کے کھیل ہیں جو جانے کب، کہاں کون سا داؤ چل جائے؟

''آپ بھی فوجی ہیں؟'' ان کی گاڑی گھر کے رستے پر رواں دواں تھی، جب ماحول پہ چھائے سکوت کو رائقہ کی آواز نے توڑا تھا۔

''ہمم! میرا تعلق انسداد منشیات فورس سے ہے۔ آپ کیا کرتی ہیں؟'' اپنے کام کا تعارف کرواتے اس نے جوابی سوال بھی پوچھ لیا تھا۔

''میں؟ میں کچھ بھی نہیں کرتی۔'' رائقہ نے روکھے پھیکے لہجے میں جواب دے کر اپنا رخ کھڑکی کی جانب موڑ دیا تو حمود نے بھی اس سے مزید بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ وہ دونوں ہی زندگی کے اس نئے موڑ کو لے کر اپنی اپنی سوچوں میں مگن تھے۔

''میں نے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ اپنی مرضی سے لیا ہے۔۔۔ امی نے کبھی مجھ پر زور زبردستی نہیں کی۔۔۔ آج زندگی میں پہلی بار میں کسی وجہ سے مجبور ہوئی ہوں۔۔۔ بابا جان نے یقیناً کچھ سوچ کر ہی یہ فیصلہ لیا ہو گا لیکن فی الحال میں آپ پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔ اس معاملے میں میرے کچھ تحفظات ہیں جن کے دور ہونے تک میں آپ کو خود پہ کسی قسم کا کوئی حق جتانے کی اجازت نہیں

دوں گی۔'' باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا لیکن جیسے ہی ان کی گاڑی 'ربانی منزل' کے گیراج میں رکی، رائقہ کی پرسوچ آواز نے حمود کے دروازہ کھولتے ہاتھوں کو ساکت کیا تھا۔۔۔اس کی بات سنتے، وہ بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلا کر نیچے اتر گیا تھا۔

''کچھ کھائیں گی آپ؟'' وہ لوگ آگے پیچھے چلتے گھر کے اندر آئے تو حمود کے استفسار پر رائقہ کے پیٹ میں بھوک سے نڈھال چوہوں نے پورا زور لگا کر دھما چوکڑی مچا دی تھی۔

''باورچی خانہ کدھر ہے؟'' کھانے کا نام سنتے ہی اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

''میں خانساماں کو بلاتا ہوں۔'' حمود نے اس کی مدد کے خیال سے کہا لیکن رائقہ کو اس کی یہ پیش کش کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔

''میں خود بنا لوں گی۔'' وہ یقیناً اس وقت کسی نئے تجربے کی متحمل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی!'' اس سے اختلاف کی بجائے وہ اسے لیے باورچی خانے تک آیا تھا۔

''یہ اب آپ کا گھر ہے۔ آپ جیسے چاہیں یہاں رہیں۔۔۔ میں ملازم کو بلوا کر آپ کا کمرہ تیار کروا دیتا ہوں۔'' اسے مختلف چیزوں کی جگہ کے بارے میں بتا کر وہ سارا اختیار اسے سونپتا جانے کو پلٹ گیا جب رائقہ کی آواز نے اس کے قدم روکے تھے۔

''آپ ناشتہ کریں گے؟''اسے مشاقی سے پراٹھے کے لیے پیڑے بناتا دیکھ کر حمود کو خاصی خوش گواریت محسوس ہوئی۔۔۔روزی کے بعد اس نے کبھی یوں کسی خاتون کو اپنے گھر کے اس نعمت کدے میں کھڑے ہو کر کھانا بناتے نہیں دیکھا تھا۔

''میرے پاس بس آدھ گھنٹہ ہے۔''اس کی محویت کو رائقہ کے دوبارہ استفسار نے توڑا تھا۔۔وہ اسے مبہم سا جواب دے کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔۔اس کی واپسی بیس منٹ بعد ہوئی تو وہ خاکی وردی میں ملبوس تھا۔۔اس کے آنے تک رائقہ پراٹھے کے ساتھ انڈوں اور ہری مرچ کا سالن بنا چکی تھی جب کہ چائے ابھی دم پر تھی۔۔۔حمود کو میز پر سجے ناشتے سے زیادہ وہاں پڑے پھیلاوے نے حیران کیا تھا۔۔وہ کھانا دیکھنے میں جتنا مزے کا لگ رہا تھا، باورچی خانے کی حالت دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ اس کی سیرت اس کی صورت سے میل کھاتی ہو گی۔

''دیکھ کیا رہے ہیں؟ جلدی سے ناشتا کریں ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''اس کے چہرے پہ پھیلی حیرانی پہ دل ہی دل میں محظوظ ہوتی وہ کپوں میں چائے نکال کر بظاہر بھولپن سے اس سے مخاطب ہوئی، یوں جیسے اس کی نگاہوں کے مفہوم سے ان جان رہی ہو۔

”مزے دار! لیکن کیا آپ ہمیشہ ایسے ہی دوپراٹھے بناتی ہیں؟“ سر جھٹک کر نشست سنبھالتے حمود نے پہلا نوالہ لیتے ہی اس کے ذائقے کی داد دی کہ اظہار کے معاملے میں اس نے کبھی کنجوسی سے کام نہیں لیا تھا لیکن اس کی نفاست پسندی بھی زیادہ دیر دب نہیں سکی تھی۔

”کیسے؟“ وہ ناشتے سے بھرپور انصاف کرتے، معصوم بننے کی کامیاب اداکاری کر رہی تھی۔

”یہ یوں سارا کچھ بکھیر کر!“ انگلی سے ارد گرد بکھرے سامان کی جانب اشارہ کرتے، ناشتے سے ہاتھ حمود نے بھی نہیں روکے تھے۔۔۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس نے آج سے پہلے کب اتنا خستہ اور لچھے دار پراٹھا کھایا تھا۔۔۔ جو بھی تھا، اس کے ہاتھ میں ذائقہ تھا۔

”آپ کے گھر میں ملازم ہیں نا؟“ یہ جواب حمود کی توقع کے برعکس تھا۔۔۔ وہ اپنا پراٹھا ختم کر کے اب میز پہ رکھے ڈبے سے ٹشو کھینچ کر نکالتی، اپنے ہونٹ تھپتھپا رہی تھی۔

”ہاں تو؟“ ایک اور نوالہ لیتے حمود نے چائے کا کپ پکڑتے، الجھن بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

”تو پھر وہ خود ہی سمیٹ لیں گے سب۔۔۔ میرا جیسے دل چاہتا ہے، میں ویسے ہی کام کرتی ہوں۔۔۔ میرا کمرہ کدھر ہے؟ امید ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا پڑے گا۔“ حمود اسے سرزنش کیا کرتا، وہ تو اس کی پل میں تولہ پل میں ماشا طبیعت دیکھ کر ہی حیران رہ گیا تھا۔۔۔ کچھ دیر پہلے جو ایک اچھی بیوی کی طرح اس کے ناشتے کے ٹھنڈا ہونے کی فکر میں تھی، وہ اب یوں رکھائی سے اس سے بات کر

رہی تھی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو۔۔۔ حمود کے پاس ابھی وقت کی قلت تھی سو اس نے یہ بحث بعد میں اٹھا رکھی کہ ابھی تو اسے اس گھر میں آئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا۔

''سیڑھیاں چڑھ کر، بائیں ہاتھ دوسرا کمرہ ہے آپ کا۔''اس کے مطلع کرتے ہی وہ چائے کا کپ پکڑتی وہاں سے چلی گئی تو حمود بھی ناشتہ ختم کرتا سیڑھیاں اتر کر آتے ملازم کو خانساماں کو بلانے کی ہدایت کر کے گھر سے نکل گیا تھا۔

''ابھی آپ نے میری ذات کے جوہر دیکھے ہی کب ہیں؟''حمود کو گھر سے نکلے ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ رائقہ ایک بار پھر سیڑھیوں کے سرے پہ نمودار ہوئی۔۔۔ نیچے آکر سارا پھیلاوہ سمیٹنے میں اسے پانچ منٹ سے بھی کم وقت لگا تھا۔۔۔ دل ہی دل میں حمود کو مخاطب کر کے، استعمال شدہ برتنوں کو صابن لگاتی رائقہ کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔۔۔ خانساماں کے آنے تک وہ باورچی خانے کو چمکا کر وہاں سے جا بھی چکی تھی۔۔۔۔ صاف ظاہر تھا کہ کچھ دیر قبل کیا گیا پھوہڑپن کا مظاہرہ یقیناً حمود کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی ایک کوشش تھی ورنہ حاویہ نے اسے گھر کے کاموں میں پوری طرح طاق کر رکھا تھا۔۔۔ وہ ابھی اس رشتے کے لیے تیار نہیں تھی تو اپنا سگھڑاپا دکھا کر حمود کو بھی اس بابت سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔۔۔ اب اسے کیا پتا کہ یہ

رشتہ اس بپھرے پانی جیسا ہے جو سیلاب کی صورت بہتے کہیں سے بھی اپنا رستہ بنالیتا ہے، پھر چاہے اس کی راہ میں پتھر ہو یا پہاڑ!

یہ ایک سرکاری عمارت کا منظر تھا جہاں خاکی وردیوں میں ملبوس کئی افراد لکڑی کی ایک لمبی سی میز کے گرد رکھی کرسیوں پہ براجمان پورے غور سے سربراہی کرسی کے پیچھے کھڑے باوردی شخص کی باتیں سننے میں مگن تھے۔

"ہمیں وطن عزیز کے نوجوانوں کو نشے کی اس موذی لت سے بچانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

ہمارا دشمن بہت شاطر ہے۔۔۔ وہ اب کھل کر منشیات بیچنے کی بجائے بڑی ہوشیاری سے اسے مختلف ادویات کی صورت نوجوانوں خصوصاً طلبا میں پھیلا رہا ہے۔۔۔ وہ ادویات بظاہر درد کشا ہوتی ہیں لیکن ان کے مضمرات خاصے ہولناک ہیں۔۔۔ آپ لوگوں کو مکمل آزادی ہے کہ جیسے چاہیں ان لوگوں کا تعاقب کریں جو منشیات کی اس ترسیل میں ملوث ہیں لیکن اس سب کے نتائج مثبت ہونے چاہئیں۔" حمود اپنی ٹیم کے اراکین کو ان کے کام کرنے کا لائحۂ عمل سمجھا رہا تھا۔

''یہاں میں ایک بات کا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ہمیں ایسے ٹھیلے والوں اور ریستوران پہ بھی نظر رکھنی ہے جہاں کچھ مخصوص افراد باقاعدگی سے ایک ہی چیز کھانے آتے ہوں۔۔۔ہماری اطلاع کے مطابق بہت سے ٹھیلے والے مثلاً گول گپے فروش، گولہ فروش، شربت فروش اور کچھ ریستوران والے اپنے کچھ مخصوص پکوانوں میں منشیات کا استعمال کر رہے ہیں جو لوگوں کو بار بار ان کی جانب آنے پر آمادہ کرتا ہے۔''اس کی بات میں سو فی صد سچائی تھی کہ ایسے ضمیر فروشوں کی تعداد ہمارے معاشرے میں خاصی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔۔۔وہ لوگ اب اس لعنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے۔۔۔ایک لمبی نشست کے بعد تمام افراد نے رخصت لی تو حمود کا ایک ہم عصر عثمان وہیں رک گیا جس سے اس کی خاصی بے تکلفی تھی۔

''تم نے آج کا اخبار دیکھا؟''حمود کے ابرو اچکانے پر اس نے استفسار کیا تھا۔

''ابھی تک تو نہیں! صبح سے اب تک وقت ہی نہیں ملا۔''اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی یہاں وہاں نگاہ بھی دوڑائی تھی۔

''تو پھر دیکھ لو۔''کچھ دور پڑا اخبار اس کے ہاتھ میں دیتے عثمان کا مبہم انداز حمود کو ٹھٹھکا گیا تھا۔

''ایسی بھی کون سی نئی خبر۔۔۔''اس نے بولتے بولتے اخبار کھول کر شہ سرخیوں پہ نگاہ دوڑائی لیکن اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ ساکت ہو گیا۔۔۔اس کی آنکھوں کے سامنے حسامہ کے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھارے ہوئے تھے۔

''انسدادِ منشیات فورس کے سابق سربراہ حسامہ سہگل کی ناجائز بیٹی کے منظر عام پر آتے ہی ان کے دل کا عارضہ شدت پکڑ گیا۔۔۔سابق ڈی جی کا بائی پاس آپریشن!'' حمود جیسے جیسے وہ خبر پڑھتا جارہا تھا،اس کے فشار خون میں ابال سے اٹھ رہے تھے۔۔۔محکمے میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کے امکانات سے واقف ہوتے ہوئے بھی اسے حیرت ہوئی کہ بند کمرے میں ہونے والی گفتگو اتنی جلدی متعلقہ اخبار کے دفتر تک کیسے پہنچ گئی؟

''یہ کیا بکواس ہے؟''تفصیل میں حاویہ کے گزشتہ پیشے اور اس کی والدہ کا ذکر بھی خاصے نازیبا الفاظ میں کیا گیا تھا۔۔۔حمود نے غصے سے بڑبڑاتے اخبار میز پہ پٹخ دیا تھا۔

''ذاتی معاملات نپٹانے کے لیے سرکاری عمارت کوئی مناسب جگہ نہیں تھی۔''عثمان کی بات حمود کے طیش میں اضافہ کر گئی جس کا ذہن اس جوڑ توڑ میں لگا تھا کہ اس کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔

''عمارت سرکاری ہو یا نجی! کسی کی ذاتیات میں گھسنے کا حق کسی کو بھی نہیں۔''فون ہاتھ میں لیتے،وہ اب کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔

"اب کرنا کیا ہے؟" اسے اپنے سوال کے جواب کے لیے کچھ پل انتظار کرنا پڑا تھا۔

"کل یہ تمام اخبارات تردیدی بیان چھاپ دیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے اجازت نامے منسوخ کروا کر مجھے چنداں افسوس نہیں ہوگا۔" فون کے دوسری جانب موجود شخص کو ساری تفصیل سے آگاہ کر کے اسے جلد از جلد مطلوبہ شخص کی اطلاع دینے کی ہدایت کے ساتھ ہی اس نے نیا حکم نامہ بھی جاری کیا تھا۔

"ایسا کرتا ہوں، کل کی شہ سرخیوں میں ارسلان ربانی کی بہو کا تعارف شائع کروا دیتا ہوں۔" اس کے رابطہ منقطع کرتے ہی عثمان نے نیا شوشہ چھوڑا تھا۔

"وقت آنے پر وہ بھی کروالیں گے۔" متعلقہ افراد کو کام پہ لگا کر وہ قدرے پر سکون تھا سو عثمان کے مذاق کو اس نے سنجیدہ نہیں لیا تھا۔۔۔ اس سب سے فارغ ہوتے ہی اسے رائقہ کا خیال آیا تو وہ گھر جانے کے لیے نکل گیا۔۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے اخبار دیکھا ہوگا یا نہیں لیکن وہ خود کو ذہنی طور پر ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کر چکا تھا۔

جغرافیائی و علاقائی نقل مکانی زیادہ تر انسانی عادات پہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن رائقہ کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔۔اسے جگہ بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔۔۔اس کے مطابق سونے کے لیے نیند کا آنا ضروری ہے۔۔۔یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے نئے گھر آکر بھی کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کیے بغیر آرام سے سوگئی تھی۔۔۔اس کی آنکھ کھلی تو دیوار پہ ٹنگی گھڑی بارہ بجنے کا عندیہ دے رہی تھی۔۔۔ کچھ دیر یوں ہی کسل مندی سے بستر پر پڑے اپنی زندگی کی اس نئی تبدیلی کے متعلق سوچنے کے بعد اس نے حاویہ کو فون کر کے اس سے بات کی اور پھر تازہ دم ہو کر نیچے چلی آئی تھی۔

"صبح بخیر انکل! کیسے ہیں آپ؟" سیڑھیاں اتر کر قیام گاہ میں آتے ہی اس کا سب سے پہلا سامنا ارسلان ربانی سے ہوا تھا۔۔خوش دلی سے مسکرا کر کہتے، وہ اس کے ساتھ ہی ٹک گئی تھی۔

"اب تو دوپہر بھی بخیر ہونے کو ہے۔۔۔میں تو ٹھیک ہوں، تم سناؤ، نیند اچھے سے آئی؟" ارسلان کے مسکرا کر چوٹ کرنے پر رائقہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"الحمدللہ! بہت اچھی نیند آئی۔۔۔آپ کا فشار خون اعتدال پر آیا یا نہیں؟" کل حسامہ کی پریشانی میں ارسلان کا فشارِ خون خاصا بڑھ گیا تھا سو اب رائقہ اسی بابت دریافت کر رہی تھی۔

"وہ تو تمھارے باپ کی کامیاب جراحی کی خبر سن کر ہی اپنی اوقات پہ آگیا تھا۔۔۔تم بتاؤ جوس وغیرہ لوگی یا اب کھانا ہی کھاؤ گی؟" حسامہ کی حمود سے انسیت اور ارسلان کی اس کے لیے فکر کوئی ایسی

ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ رائقہ کو اس کے خلوص پہ رتی بھر بھی شک ہوتا۔۔۔یہی وجہ تھی کہ وہ بنا جھجھکے خاصی بے تکلفی سے اس سے محو گفتگو تھی۔

"نہیں! ابھی تو کسی چیز کی طلب نہیں! آپ بتائیں، آپ نے کرلیا ناشتہ؟" نفی میں سر ہلاتے وہ اب اس سے استفسار کر رہی تھی۔

"میں نے کر تو لیا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ صبح میں سو تا رہ گیا۔۔۔میں نے سنا ہے کہ صبح میری بیٹی نے خود اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنایا تھا۔" اس کے مصنوعی بے چارگی کے اظہار پر رائقہ کھل کر ہنسی تھی۔

"آپ کو میری صلاحیتوں پہ کوئی شک ہے کیا؟" ارسلان کا پر شفقت لب و لہجہ اپنے آپ ہی رائقہ کے انداز میں لاڈ بھر گیا تھا۔

"حسامہ سہگل کی بیٹی پہ شک کیسے کر سکتا ہوں میں؟ ویسے بھی اب تم آگئی ہو تو ہم پہ تمھاری ذات کے پوشیدہ جوہر کھل ہی جائیں گے۔۔۔۔جانتی ہو حسامہ کو بہت شوق تھا بیٹی کا۔۔۔وہ تمھارے وجود سے انجان تھا لیکن پھر بھی اکثر وہ جب بھی اپنی اولاد کی بات کرتا تو اسے یقین سا ہوتا تھا کہ اس کی بیٹی ہی ہو گی۔" شگفتگی سے کہتے، اپنی بات کے آخر پہ ارسلان کی آواز میں افسردگی بھری تھی۔

''انکل! میں گزرا ہوا کل تو واپس نہیں لا سکتی لیکن اپنے آج اور آنے والے کل کو خوش گوار بنانے کی سعی ضرور کر سکتی ہوں۔۔۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ اب کم از کم میری ذات ان کے لیے کسی آزار کا باعث نہ بنے۔'' رائقہ کی یقین دہانی ارسلان کے دل سے کوئی بھاری سل سرکا گئی تھی۔

''خوش رہو۔'' ارسلان نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی تو اس کا دل بھر آیا۔۔۔ آج سے پہلے بھلا اس کی ماں کے سوا کب کسی نے یوں اس کے سر پہ اپنا دست شفقت رکھا تھا؟

''اچھا یہ بتائیں کہ اسپتال کب جانا ہے؟'' پلکیں جھپک کر اپنے آنسوؤں کو باہر آنے سے روک کر وہ کمال مہارت سے گفتگو کا موضوع بدل گئی تھی۔

''میری کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے۔۔۔ تاحال انھوں نے کسی کو بھی حسامہ سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔۔۔ وہ اس چیز کا فیصلہ شام کے بعد ہی کریں گے لیکن اگر تم پھر بھی جانا چاہو تو ہم دوپہر کا کھانا کھا کر اسپتال چلیں گے۔'' اس کی کیفیت سمجھتے ارسلان نے بھی مزید اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔۔۔ وہ دل سے اسے اپنی بیٹی مان چکا تھا سو اسے اداس کیسے دیکھ سکتا تھا۔

''ایسا ہے تو پھر آج میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر کھلاؤں گی۔'' وہ یک دم پر جوش ہوتی، اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''بیٹا! اب تک تو خانساماں نے کھانے کی تیاری شروع بھی کر دی ہو گی۔''ارسلان بھی اسے روکنے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کوئی بات نہیں! شروع اس نے کیا ہو گا تو ختم میں کر دوں گی۔۔۔اب میں آپ کو افسوس تو نہیں کرتے رہنے دے سکتی نا۔''وہ اس کے اعتراض کو بالکل بھی خاطر میں نہیں لائی تھی۔

''بیٹا! آج تو تمھارا اس گھر میں پہلا دن ہے۔۔۔ایسے اچھا تو نہیں لگتا نا!''اس کے پیچھے آتے ارسلان نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی مزید ایک کوشش کی تھی۔

''آپ مجھے اپنی بیٹی مانتے ہیں نا؟''وہ چلتے چلتے پلٹ کر مستفسر ہوئی تو ارسلان نے اثبات میں گردن ہلانے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

''تو بس پھر اپنی بیٹی کو اس کی مرضی کر لینے دیجیے۔''اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔۔۔اس کے بعد ارسلان نے مزید کچھ بھی کہنا عبث جانا تھا۔

''یہ میں نے زیشہ سے تمھارے لیے کچھ کپڑے منگوائے ہیں۔۔۔تم کھانا لگنے تک ابھی ان میں سے ہی کچھ پہن لو، بعد میں حمود کے ساتھ جا کر اپنی مرضی سے جو چاہے لے آنا۔''وہ کھانا پکانے سے فارغ ہوئی تو ارسلان نے ایک مشہور بوتیک کے خاکی تھیلے اس کی جانب بڑھائے تو حمود کے ذکر پر اسے اپنی صبح والی کارستانی بھی یاد آئی تھی۔

''جی بہتر!'' مسکرا کر کہتے، وہ تازہ دم ہونے چل دی تھی۔۔۔اس کے آنے تک خانساماں کھانا لگا چکا تھا۔

''حمود!'' وہ ابھی کھانے کی میز پر بیٹھے ہی تھے کہ قیام گاہ کی سمت کھلتے دروازے سے اس کی جھلک پا کر ارسلان نے اسے پکارتے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

''بڑے وقت پر آئے ہو۔۔۔آجاؤ کھانا کھالو۔''اس کے بعام گاہ کی چوکھٹ پر نمودار ہوتے ہی ارسلان کی ہدایت پر وہ ہاتھ دھونے کی غرض سے ایک جانب لگے بیسن کی طرف بڑھ گیا۔

''بندے کی ظاہری شخصیت تو خاصی متاثر کن ہے۔''خاکی وردی میں ملبوس اس کا کسرتی سراپا کچھ مزید وجیہہ لگتا تھا۔۔۔ایک سرسری نظر میں ہی اس کا مکمل جائزہ لیتی رائقہ دل ہی دل میں اس کی مردانہ وجاہت کی قائل ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' چاولوں کا پہلا نوالہ منہ میں لے جاتے ہی حمود ٹھٹھک کر رکا تو ارسلان نے اس کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے متجسس لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کل تک تو رحیم کے ہاتھ میں ایسا ذائقہ نہیں تھا۔''اس کی وضاحت پر رائقہ کا جی چاہا کہ وہ دل کھول کر ہنسے۔۔۔اسے تو یہ افسوس ہوا کہ وہ مزید اسے اپنے پھوہڑپن کے نظارے نہیں دکھا سکی۔

”اس کے ہاتھ میں ایسا ذائقہ ہو بھی نہیں سکتا کیوں کہ وہ صرف ذمہ داری نبھاتا ہے جب کہ یہ لذت دل سے بنے کھانے کی مرہون منت ہے جو صرف ایک خاتون خانہ ہی آپ کے لیے بنا سکتی ہے۔“

ارسلان نے یہ کہتے ہوئے محبت پاش نظروں سے رائقہ کو دیکھا تو حمود کی نگاہوں کا زاویہ بھی اس جانب مڑا تھا۔

”کھانا آپ نے بنایا ہے؟“اس کے استفسار پر رائقہ نے اپنے ہونٹوں پہ در آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل پیچھے دھکیلا تھا۔

”آپ کو میرے سوا ادھر کوئی اور خاتون خانہ نظر آ رہی ہے؟“اس کے جل کر پوچھنے پر ارسلان تو حیران ہی رہ گیا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں! جب کہ حمود نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔۔۔اسے تو بس اس بات کا ہی اطمینان تھا کہ ان دونوں نے ہی آج کا اخبار نہیں دیکھا۔

”کھانا اچھا ہے۔“تعریف کا مرحلہ نپٹا کر وہ اب پوری دل جمعی سے کھانے کو جت گیا تھا۔

”چلیں انکل!“خاموشی سے کھانا ختم کرتے ہی رائقہ نے ارسلان کے بھی سیر ہو جانے پر اس کو یقیناً اسپتال جانے کی یاد دہانی کروائی تھی۔

''چلو!'' وہ دونوں سسر اور بہو میز پر موجود تیسرے وجود کو مکمل طور پہ نظرانداز کر کے وہاں سے نکل گئے تھے۔۔۔ حمود نے بھی ان کے جانے پر کسی قسم کے تاثرات کا اظہار نہیں کیا کہ اسے اچھے سے علم تھا کہ وہ کہاں گئے ہوں گے۔

''تمھیں حمود پسند نہیں آیا؟'' ارسلان کے حمود کی موجودگی میں اس کے ساتھ آنے کی ہامی بھرنے اور پھر ڈرائیور کو ساتھ نہ لانے کی اصل وجہ ہی یہی تھی کہ وہ کھل کر رائقہ سے اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔

''سچ بولوں یا جھوٹ؟'' اس کے برابر والی نشست پر براجمان رائقہ نے شرارت بھری معصومیت سے سوال کیا تھا۔

''مجھے جھوٹ بولنے والے لوگ کبھی پسند نہیں رہے۔'' وہ بنا لگی لپٹی کے بولا کہ اسے اس مسئلے کی تہہ تک پہنچنا تھا۔

''مجھے بھی!'' رائقہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''تو پھر سچ ہی بول دو۔'' احتیاط سے ایک موڑ کاٹتے، ارسلان نے اسے بولنے پر اکسایا تھا۔

''ہم دونوں کی پہلی ملاقات ایسے حالات میں ہوئی کہ مجھے آپ کا بیٹا زہر سے بھی زیادہ برا لگا تھا۔۔۔ دوسری بار ملے تو اسے بابا کے دل کے قریب پا کر مجھے اس سے حسد محسوس ہوا۔۔۔ جب بابا نے

اسے ملنے کے لیے بلایا تو میرا سچ میں دل چاہا تھا کہ میں اسے دریا برد کر دوں اور پھر اچانک سے مجھے اس کے نکاح میں دے دیا گیا۔۔۔میں ذہنی طور پر اس سب کے لیے تیار نہیں تھی سو اپنی زندگی میں اس یک دم در آنے والی تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت درکار ہے اور کم از کم اس دوران میں آپ کے بیٹے پر اپنا کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑنا چاہتی۔" رائقہ کی باتوں نے ارسلان کے خدشات کے غبارے سے ہوا نکالی تھی۔۔۔وہ اسے سمجھانے کی غرض سے اپنے ذہن میں ایک اچھی خاصی لمبی چوڑی تقریر ترتیب دے چکا تھا اور یہاں ایسا کچھ تھا ہی نہیں کہ وہ پریشان ہوتا۔۔۔وہ اپنے بیٹے کو لے کر سو فی صد پر یقین تھا کہ رائقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکے گی اور جہاں تک حمود کی بات تھی تو اسے رشتے نبھانا خوب آتا تھا۔

"کچھ کہیں گے نہیں؟" اسے سوچ میں غلطاں دیکھ کر رائقہ استفسار کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"کیا کہوں؟" ایک گہرا سانس بھر کر ارسلان نے الٹا اسی سے سوال کیا تھا۔

"آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگیں کیا؟" اس کی بات پر وہ نفی میں سر ہلا گیا تھا۔

"بیٹیوں کی باتیں کبھی بری نہیں لگتیں۔۔۔مجھے بہت شوق تھا کہ میری بھی کوئی بیٹی ہو لیکن قسمت کو شاید یہ منظور نہیں تھا۔۔۔اب تم آگئی ہو تو ہم دونوں باپ بیٹی مل کر تمھارے شوہر کی ناک میں

دم کریں گے۔''ارسلان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ رائقہ کے چہرے کے تاثرات میں شگفتگی بھر گئے تھے۔

''پھر تو بہت مزہ آئے گا۔''اس کی بات سے محفوظ ہوتے رائقہ کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔۔۔ان دونوں کی جوڑی اب دھمال مچا دینے والی تھی۔

مجھے اس کا کوئی گلہ نہیں بہار نے مجھے کیا دیا

تری آرزو تو نکال دی ترا حوصلہ تو بڑھا دیا

گو ستم نے تیرے ہر ایک طرح مجھے ناامید بنا دیا

یہ میری وفا کا کمال ہے کہ نباہ کر کے دکھا دیا

]کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے

جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں ایک چراغ جلادیا

تجھے اب بھی میرے خلوص کا نہ یقین آئے تو کیا کروں

تیرے گیسوئوں کو سنوار کر تجھے آئینہ بھی دکھادیا

میری شاعری میں تیرے سوا کوئی ماجرا ہے نہ مدعا

جو تیری نظر کا فسانہ تھا وہ میری غزل نے سنادیا

یہ غریب عاجز بے وطن یہ غبار خاطر انجمن

یہ خراب ہوا جس کیلئے اسی بے وفا نے بھلادیا

کلیم عاجز

سورج کی سنہری کرنیں افق کے کناروں کو نارنجی کرنے لگیں تو آسمان پہ پھیلتی شفق کی لالی نے شام ہونے کا عندیہ سنایا تھا۔۔۔ کچھ ہی دیر میں فضا میں مؤذن کی دل موہ لینے والی آواز مغرب کی بابرکت ساعتوں کی نوید سنانے لگی تھی۔۔۔ رائقہ اسپتال میں خواتین کے لیے مختص عبادت گاہ سے نماز پڑھ کر لوٹی تو حاویہ بھی ایاس کے ساتھ وہاں آچکی تھی۔۔۔ امید تھی کہ کچھ ہی دیر میں انھیں حسامہ سے ملنے کا عندیہ سنا دیا جاتا۔۔۔ جب تک ڈاکٹر کے حسامہ کے معائنے کے لیے آنے کا وقت ہوا، تب تک حمود بھی اسپتال پہنچ چکا تھا۔۔۔ بہترین معالجین کے ایک گروہ نے حسامہ کا تفصیلی طبّی معائنہ کرنے کے بعد اس کا آکسیجن ماسک ہٹا کر اسے فی الحال ان میں سے کسی ایک سے ہی ملنے کی اجازت دی تھی اور اس وقت اس کے لیے محبت اہم تھی کہ فرض وہ پہلے ہی نبھا چکا تھا۔۔۔

پھر چاہے وہ ایک باپ کا فرض ہو یا ایک فرض شناس افسر کا!

"آپ میں سے حاویہ کون ہے؟" ان سب کی توقع کے عین مطابق حسامہ نے اس سے ہی ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"حسامہ!" وہ اس کے اور وہاں موجود باقی مریضوں کے بیچ حائل پردہ ہٹا کر اس کے بستر کے قریب آئی تو وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔۔۔ حاویہ کی پکار پہ اس نے جھٹ آنکھیں کھولیں، یوں جیسے کب سے اس صدا کا منتظر ہو۔۔۔ وہ دونوں اب یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔۔ حسامہ کے

بالوں میں اتری چاندی کے کچھ تار حاویہ کے سادگی سے چٹیا میں بندھے بالوں میں بھی موجود تھے۔۔۔ گزرے وقت نے ان دونوں کو ہی ظاہری طور پہ بدل دیا تھا لیکن ان کے جذبات آج بھی وہی تھے۔۔۔ دل سے گلے مٹے تو جدائی کے ایام کی تلخی کہیں دور جا سوئی تھی اور اب وہاں پھر سے محبت کا راج تھا۔۔۔ اس کے سوا اگر کچھ تھا تو وہ تھی ندامت!

''مجھے معاف کر دیں حسامہ!'' آنکھوں میں اترتے پانی نے اس کی بصارتوں کو دھندلا کر سامنے موجود شخص کی شبیہ کو غیر واضح کیا تو پلکیں جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلتے، حاویہ نے ان کے بیچ حائل خاموشی کی دیوار کو توڑا تو ایک طویل عرصے بعد اس آواز کے اپنی سماعتوں تک رسائی پانے پر حسامہ نے ایک گہرا سانس بھرتے، اپنے اندر اطمینان کی ایک لہر دوڑتی محسوس کی تھی۔۔۔ محب کے لیے محبوب کی آواز بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی۔۔۔ حسامہ کے اندر بھی حاویہ کی آواز نے ایک نئی روح پھونک دی تھی۔۔۔ بستر مرض پر ہونے کے باوجود بھی وہ اس وقت خود کو پہلے سے زیادہ توانا محسوس کر رہا تھا۔

''گزری باتوں کو جانے دو حاویہ! اور صرف ان پلوں کو محسوس کرو جو ہمیں ایک طویل ریاضت کے بعد میسر آئے ہیں۔۔۔ کیا پتا، کب، کہاں زندگی کی شام ہو جائے؟'' ہاتھ بڑھا کر اسے بازو سے

تھامتے، حسامہ نے اسے اپنے قریب بٹھا کر ماضی کو دفن کر دینا ہی بہتر جانا تھا۔۔۔ وہ اب بس محبت کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ ہم دونوں ہی موت کے خلاف زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔۔۔ اب جو وقت باقی ہے، اسے ایک ساتھ گزار کر کچھ نئی یادیں ہی بنا لیتے ہیں۔'' حاویہ کے تائید کرتے ہی حسامہ کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی۔

''تمھیں حمود کیسا لگا؟'' کچھ دیر یوں ہی خاموشی سے اس کا ہاتھ سہلانے کے بعد حسامہ کے سوال پر حاویہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے تو وہ بچپن میں بھی بہت پسند تھا۔'' حاویہ کا لہجہ پرسکون تھا۔

''تم اس فیصلے سے خوش ہو نا؟'' اس کے چہرے پر پھیلی طمانیت دیکھ کر بھی حسامہ نے اپنی تسلی کر لینا ضروری سمجھا تھا۔

''مائیں تو بچوں کی خوشی میں ہی خوش ہوتی ہیں اور ابھی باہر موجود اپنی بیٹی کے چہرے کا اطمینان مجھے بھی مطمئن کرنے کو کافی ہے۔'' سچ ہی تو کہا تھا اس نے کہ ماں باپ تو اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر ہی پھر سے جی اٹھتے ہیں۔

''حمود بہت نیک اور فرماں بردار بچہ ہے۔۔۔ تم فکر نہ کرو، وہ ہماری بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔۔۔ اس نے ہمیشہ مجھے ایک باپ جیسا ہی مان دیا ہے۔''بیٹی کے خوش گوار مستقبل کے خواب بُنتے،ان دونوں کو کیا خبر تھی؟ کہ ان کی بیٹی ان کے داماد کو کیسے تگنی کا ناچ نچانے والی تھی۔

''مادام! آپ باہر جائیں،اب انھیں آرام کرنے دیں۔۔۔ سر نے مریض کو زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔''ابھی تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر سیر بھی نہ ہوئے تھے کہ پھر سے جدائی ان کے بیچ آن رکی تھی۔

''اپنا خیال رکھیے گا۔''نرس کی ہدایت پر اس کے پاس سے اٹھتے حاویہ نے اسے تاکید کی تھی۔

''تم بھی! امید ہے کہ یہ عارضی جدائی بھی جلد ہی ختم ہو جائے گی۔'' بچھڑ کے ملنے والے اب دائمی وصل کی خواہش لیے کچھ فاصلہ بنا گئے تھے۔

''ڈیڈ! میں آج امی کے ساتھ چلی جاؤں؟ مجھے گھر سے اپنا کچھ سامان لینا ہے۔''حاویہ کے بعد ڈاکٹر نے مزید کسی کو بھی حسامہ سے ملنے کی اجازت نہ دی تو وہ سب واپسی کی تیاری باندھ گئے کہ اب اسے کل کمرے میں منتقل کرنے کے بعد ہی وہ اس سے مل سکتے تھے۔۔۔ رائقہ نے حمود کو نظر انداز کر کے ارسلان سے اجازت طلب کی تو وہ اس کی اس درجہ سعادت مندی پہ ہی نہال ہو گیا۔۔۔ یہاں آتے ہوئے راستے میں ہی تو اس نے اسے خود کو حمود کی طرح ڈیڈ کہنے کا کہا تھا۔۔۔ اس کی رضامندی

پاتے ہی وہ اس سے دعائیں لیتی حاویہ کے ساتھ چل دی جو کل ایاس کے ساتھ ہی گئی تھی لیکن رائقہ نے آج اسے آنے سے منع کر دیا کہ وہ دونوں اپنے گھر جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

''آنٹی! آئیں میں آپ لوگوں کو چھوڑ دوں۔'' وہ دونوں اسپتال کے احاطے میں ہی پہنچی تھیں کہ حمود کی آواز نے ان کے قدموں کو زنجیر کیا تھا۔

''نہیں! ہم چلے جائیں گے۔'' حاویہ نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن رائقہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''اس طرف آنٹی!'' اتفاق سے وہ دونوں اس کی گاڑی کے پاس ہی کھڑی تھیں سو اس کے اعتراض کو در خور د اعتنانہ جان کر حمود نے حاویہ کا ہاتھ تھام کر اسے آرام سے اپنی گاڑی کی اگلی نشست پر بٹھا دیا تھا۔

''آپ کو میری بات سمجھ نہیں آئی؟'' اس کے دروازہ بند کر کے پلٹتے ہی رائقہ نے تیکھے چتونوں سے دریافت کیا تھا۔

''میں نے آپ سے پوچھا نہیں بلکہ بتایا ہے کہ آپ لوگ میرے ساتھ جائیں گی۔'' حمود کا دھونس بھرا انداز رائقہ کو ہضم نہیں ہوا تھا۔

''یہ اتنا حق کیوں جتا رہے ہیں؟'' تنک کر بولتے وہ حمود کو بہت اپنی سی لگی تھی۔۔۔ اس کے اس نروٹھے انداز پر اس کے لب آپ ہی آپ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

''وہ اس لیے کہ میں حق رکھتا ہوں۔'' اس بار حمود کے لہجے کی گھمبیرتا پر رائقہ کا دل دھک سے رہ گیا۔۔۔اس کی بولتی نگاہوں نے مقابل کی بولتی بند کی اور ان نظروں کے تاثر سے گھبرا کر وہ بنا کچھ کہے مڑ کر گاڑی کے پچھلے دروازے سے اندر جا بیٹھی تو حمود بھی مسکراتا ہوا اپنی جگہ سنبھال گیا تھا۔۔۔گھر پہنچ کر حاویہ نے اسے چائے کی پیش کش کی تو وہ ضروری کام کا کہہ کر رسان سے دوبارہ آنے کے وعدے کے ساتھ ان سے رخصت لے گیا تھا۔

''رائقہ!'' وہ دونوں ماں بیٹی کب سے ماضی کے اوراق کھولے بیٹھی تھیں جب حاویہ نے پر سوچ انداز میں اسے پکارا تھا۔

''تم اس شادی سے خوش نہیں ہو کیا؟'' اس کے سوالیہ انداز میں ابرو اچکانے پر حاویہ نے استفسار کیا تو پل بھر کو وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''آپ ایسا کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' جواب دینے سے پہلے اس نے سوال کا ماخذ جاننا ضروری سمجھا تھا۔

''اسپتال میں حمود کے ساتھ تمھارا رویہ خاصا سرد تھا۔'' اس کے تجزیہ پیش کرنے پر رائقہ نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔بس مجھے اس رشتے کو سمجھنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے جو میں حمود سے مانگ چکی ہوں۔۔۔انھیں بھی کوئی اعتراض نہیں!'' بات گھمانے پھرانے کی بجائے اس نے حقیقت بتانے کو ترجیح دی تھی۔

''بیٹا! میاں بیوی کا رشتہ باہمی اعتماد پہ ٹکا ہوتا ہے، اسی لیے تو انھیں ایک دوسرے کا ستر بنایا گیا ہے۔۔۔مجھے امید ہے کہ میری بیٹی کبھی اپنے لباس میں چھید نہیں ہونے دے گی۔'' وہ بیٹی کی مزاج آشنا تھی سو لمبی چوڑی نصیحتیں کرنے کی بجائے اس نے اپنے تجربے کا نچوڑ اس کے سامنے پیش کیا تھا۔

''جی امی! میں چائے بنانے لگی ہوں۔۔۔آپ پیئیں گی؟'' ماں کی ہاں میں ہاں ملانے کے بعد وہ موضوعِ سخن کسی اور جانب موڑتی اب باورچی خانے میں کھڑی اپنی آگے آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔۔۔تنہائی میسر آتے ہی اس کے ذہن کے پردے پر دو مسکراتی ہوئی آنکھیں نمودار ہوئیں تو اپنے آپ سے گھبرا کر وہ یوں ہی چائے میں چمچ چلانے لگی تھی۔

رات کا مہیب سناٹا چہار سو چھائے سکوت پہ کچھ مزید پراسراریت پھیلا رہا تھا۔۔۔گھپ اندھیرا، گہری خاموشی اور دور کہیں سے آتی کسی جھینگر کی آواز ماحول کو کچھ مزید ہولناک بنا رہی تھی۔۔۔ایسے میں مضافات سے کچھ ہٹ کر بنے اس نیم تاریک گھر کے ایک خستہ حال کمرے میں ایک مردانہ وجود وہاں پڑی واحد کرسی پہ رسیوں سے بندھا تھا۔۔۔اس کی دگرگوں حالت اس پہ ہوئے تشدد کی داستان سنا رہی تھی۔۔۔اس کے سر پہ جلتا پیلا بلب اس کی اذیت کچھ مزید بڑھا رہا تھا۔

""تم جتنی جلدی میرے سوال کا جواب دو گے، اتنا ہی اپنی اذیت کا دورانیہ کم کرو گے۔"" کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑتی اس شخص کی کراہوں کے بیچ ایک سفاک و سرد آواز گونجی لیکن اس قیدی میں ابھی شاید کچھ مزید برداشت باقی تھی۔

""میں آخری بار آرام سے پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کس کے کہنے پر وہ خبر چھپوائی تھی؟"" وہ ہیولہ بولتے ہوئے عین اس کے سامنے آکر رکا تو آواز کے ساتھ ساتھ بلب کی تیز روشنی میں سیاہ لبادے میں ملبوس اس وجود کے خدوخال بھی اس کی جنس کا تعارف پیش کرنے لگے تھے۔

""میں نے کچھ نہیں کیا۔"" سیاہ دستانے میں مقید دائیں ہاتھ سے اس لڑکی نے اس شخص کے بالوں کو پکڑ کر اس کے سر کو جھٹکا دیا تو کھچڑی بالوں والا وہ شخص ابھی بھی اپنے جرم سے انکاری تھا۔

"بڑے ہی ڈھیٹ انسان ہو۔۔۔ تمھیں اپنی جان کی پروا نہیں تو مجھے بھی نہیں ہے۔۔۔اب میں کچھ نہیں پوچھوں گی بلکہ تم خود مجھے بتاؤ گے۔"اس نے کہتے ساتھ ہی اس شخص کے سر کو جھٹکا دیتے اس کے چہرے کا رخ بلب کی جانب موڑ دیا جس کی تپش اس کے منھ کی کھال جھلسانے لگی تھی۔۔۔ اس نے آنکھیں موند کر یہ تکلیف برداشت کی لیکن مزید سہنے کی سکت اس میں باقی نہ رہی تھی سو وہ جلد ہی ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا تھا۔

"ابھی تک منھ نہیں کھولا اس نے؟"نووارد نے آتے ساتھ ہی سوال کیا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

"اب تم آ گئے ہو تو پھر زیادہ دیر ٹک نہیں پائے گا۔"اس لڑکی کا لہجہ خاصا پر اعتماد تھا، یوں جیسے اسے یقین ہو کہ اب وہ شخص ضرور ٹوٹے گا۔

"اسے ہوش میں لاؤ۔"اس کے حکم کی تائید کرتے اس لڑکی نے ٹھنڈے یخ پانی کا جگ اس شخص کے سر پہ الٹ دیا تو وہ کراہ کر آنکھیں نیم وا کر گیا تھا۔

"نذیر! غداری ایک ایسی آگ ہے جس میں مظلوم ہی نہیں ظالم بھی جلتا ہے۔۔۔ میں پچھلے دس سالوں سے تمھیں حسامہ سر کے ساتھ دیکھ رہا ہوں تو اب پھر ایسا کیا ہوا کہ تمھیں اپنا ضمیر بیچنا پڑا؟" کرسی پر بندھے شخص کی شناخت حسامہ کے مصاحب خاص کے طور پر ہوئی تو بلب کی روشنی نے بھی حمود کے چہرے کا تعارف پیش کیا تھا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا۔“اس کی قوت برداشت واقعی قابلِ تعریف تھی۔

”سچ میں ؟“حمود کے استہزائیہ انداز میں پوچھے گئے سوال پر اس کا سر ہولے سے ہلا تو اس نے پاس کھڑی لڑکی کو کوئی اشارہ کیا تھا۔

”مرضی ہے تمھاری! آستین میں پلنے والے سانپوں کو کچلنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔“وہ اب اپنے ہاتھ میں موجود اوزار باری باری اس کے دونوں ہاتھوں پہ پھیرتا سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”آہ!!! آہ!!!“اگلے ہی پل وہ کمرہ اس کی چیخوں سے گونج اٹھا جس کے ہاتھ کے ناخن ایک ایک کر کے حمود اکھیڑنے لگا تھا۔۔۔کہنے سننے والوں کو یہ شاءد سفاکیت لگے لیکن ضمیر فروشوں کے لیے تو اس سے بھی بڑھ کر کوئی سزا ہونی چاہیے ہے۔

”بتاتا ہوں۔۔۔بتاتا ہوں۔“اس لڑکی کے کہے کے مطابق وہ شخص جلد ہی ہار مان گیا تھا۔۔۔وہ اب ساری معلومات حمود کے حوالے کر رہا تھا جن کے حساب سے وہ کچھ عرصہ پہلے ہی عالی جاہ کے ہاتھوں بک چکا تھا۔۔۔عالی جاہ کو نہ صرف حسامہ سہگل کے نام کی سپاری دی گئی تھی بلکہ اس کے پچھلے کچھ عرصہ سے منشیات کی ترسیل میں رکاوٹ پیدا کرنے کی بدولت وہ خود بھی اسے رستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔۔۔ان سب کی کوشش تھی کہ اس کی موت حادثے کی بجائے طبّی موت لگے۔۔۔۔

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے حسامہ کی علالت کے باعث اخبار میں وہ افواہ شائع کروائی تا کہ وہ اس خبر کو

پڑھ کر اپنے دل پہ اختیار کھو دے لیکن اللہ پاک کی مہربانی سے اسے اس سب کا علم نہیں ہو سکا تھا۔۔۔ گو کہ اب وہ اپنے عہدے سے مستعفٰی ہو گیا تھا لیکن اس کے دشمنوں کی اکثریت اسے یوں ہی چھوڑ دینے کے حق میں نہیں تھی۔۔۔ حمود اپنی ساتھی کو اس شخص کی نگرانی پہ مامور کر کے وہاں سے نکل آیا تھا۔۔۔ اسے اب آگے کا لائحہ عمل طے کرنا تھا کہ کب کس پہ ہاتھ ڈالنا ہے؟

اگلے دن سہ پہر کے بعد حسامہ کو خطرے سے باہر قرار دے کر کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔۔۔ تین چار دن اسپتال میں رہ کر آج اس کا اسپتال سے فارغ ہونا متوقع تھا۔

''خوش ہو۔'' ان تین دنوں میں حسامہ بارہا رائقہ سے یہ سوال کر چکا تھا اور وہ ہر بار اسے مطمئن کرنے میں کامیاب رہی تھی۔۔۔ آج بھی اس کے استفسار پر اس نے ایک نظر اپنے موبائل میں مصروف حمود کی جانب دیکھا اور پھر باپ کی طرف متوجہ ہوئی تھی:

''آپ خوش تو میں بھی خوش!'' اس کے مسکرا کر جواب دینے پر حسامہ کے رگ و پے میں ایک سکون کی لہر سرایت کر گئی کہ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ اس کی بیٹی مضبوط ہاتھوں میں ہے۔

''حمود! میں کچھ دنوں کے لیے رائقہ کو اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا ہوں۔۔۔امید ہے تم اعتراض نہیں کرو گے۔'' کچھ دیر خوش گپیوں میں مصروف رہنے کے بعد حسامہ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''اسے بھلا کیوں ہو گا اعتراض؟'' جواب حمود کی بجائے ارسلان کی طرف سے آیا جو مزید اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا:

''بس کل پرسوں اسے حمود کے ساتھ بازار بھیج دینا تاکہ یہ اپنی مرضی سے کچھ خریداری کر سکے۔'' اس ہفتہ کی شام حسامہ کی صحت یابی اور رائقہ کو اپنے خاندان میں متعارف کرانے کی غرض سے ازمیر کا ارادہ اپنے گھر پہ ایک دعوت کے اہتمام کا تھا، یہی وجہ تھی کہ ارسلان چاہتا تھا کہ وہ اس موقع کی مناسبت سے کچھ خریداری کر لے۔

''ڈیڈ! میرے پاس سب کچھ ہے تو سہی!'' حمود کے ساتھ جانے کا سن کر اس نے اعتراض کرنا چاہا لیکن اس کی ایک بھی نہیں سنی گئی تھی۔

''میں پھر بھی چاہتا ہوں کہ تم حمود کے ساتھ جا کر اپنی مرضی سے جو چاہے خرید لو۔'' ارسلان کے مان بھرے لہجے پر اس میں مزید انکار کی ہمت مفقود ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کے ہامی بھرنے پر بظاہر اس سب سے لاتعلق بیٹھے حنود کے لبوں پہ مسکراہٹ مچلی تھی جس کے دھیان کے سارے دھاگے ہی اس سر پھری لڑکی سے جڑے تھے تو اس سے فاصلہ

بنائے ہونے کے باوجود بھی اس کی سوچوں پہ قابض ہونے لگی تھی۔۔۔وہ بلا ضرورت اسے مخاطب نہیں کرتی تھی لیکن اس کا ایک بار نظر بھر کر ہی اس کو دیکھ لینا حمود کا دن بنا دیتا تھا۔۔اس نے اس کے ساتھ کوئی لمبے چوڑے وعدے نہیں کیے تھے اور نہ ہی ابھی ان کا رشتہ اس نہج پہ پہنچا تھا لیکن وہ دل سے اسے قبول کرنے کے بعد اسے پورے خلوص سے نبھانے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا۔۔۔اس کے لیے نکاح کے دو بولوں سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھا۔

''میں ذرا ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔''ارسلان اٹھ کر حسامہ کی چھٹی کی بابت دریافت کرنے چل دیا تھا۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں۔''حمود اب حسامہ کے ساتھ محو گفتگو تھا جب دروازے پر دستک دینے کے بعد جازمہ نبیل کا چہرہ اس کمرے کی چوکھٹ پہ نمودار ہوا تو سب ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

''آؤ جے زی!''حمود کا اپنی جگہ سے اٹھ کر یوں بے تکلفی سے اسے اندر آنے کی دعوت دینا رائقہ نے بخوبی ملاحظہ فرمایا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟''سلام دعا کے بعد وہ حسامہ کے بستر کے پاس کھڑی اس کی خیریت دریافت کر رہی تھی جس کی نگاہ بار بار پورے استحقاق سے اسی کے بستر پہ بیٹھی حاویہ کی سمت اٹھ رہی تھی۔

''اپنوں کا ساتھ پا کر انسان کیوں کر بیمار رہ سکتا ہے بھلا؟'' حسامہ کا لہجہ بظاہر سادہ لیکن در حقیقت اپنے اندر بہت سے گہرے مطالب لیے ہوئے تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس کی ہاں میں ہاں ملاتے، ایک طائرانہ نظر حاضرین پہ ڈال کر وہ واپس حسامہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی:

''اپنے اپنوں کا مجھ سے تعارف نہیں کروائیں گے؟'' رائقہ کو اس کی نگاہوں کا تاثر اور اس کا لہجہ عام ہر گز نہیں لگا۔۔۔ وہ اس کے حسامہ کو دیکھنے کے انداز پر ہی کھٹک گئی تھی۔

''حاویہ! یہ جازمہ ہے۔۔۔ ہمارے محکمے کی جانب سے بنائے گئے کچھ اشتہارات میں اس نے اپنی خدمات سرانجام دی ہیں۔'' حسامہ اپنے لیے سیب کاٹتی حاویہ کو مخاطب کر کے اب تعارف کا مرحلہ نبھا رہا تھا۔

''جازمہ! یہ میری بیوی ہے۔۔۔۔ یہ بیٹی رائقہ اور یہ۔۔۔۔'' رائقہ اس سب پہ پہلے ہی خاصا غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی اور اب یکدم جازمہ کے ٹوکنے پر وہ مزید شکوک و شبہات کا شکار ہوئی تھی:

''اس کے تعارف کی کیا ضرورت ہے؟ اسے کون نہیں جانتا بھلا!'' حسامہ ان دونوں کے بعد اب یقیناً رائقہ کے حوالے سے حمود کا تعارف کروانے والا تھا جب اس کے یوں خوش دلی سے بول اٹھنے اور پھر حمود کے ہنس دینے پر رائقہ خاصا جز بز ہوئی تھی۔

''اور سناؤ کیسی ہو؟ کیا کر رہی ہو آج کل؟'' بستر کے قریب رکھی دو کرسیوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کرتے وہ خود بھی دوسری نشست سنبھالتا اس سے استفسار کرنے لگا۔۔۔ رائقہ کو یک دم وہاں اپنا ہونا بے معنی لگا تو وہ خاموشی سے دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''میں جو بھی کرتی ہوں، وہ کب تم سے چھپا ہے؟'' اس کے لہجے کی ذو معنویت اور اس میں چھپا مفہوم حمود کو اچھے سے سمجھ میں آ گیا تھا۔

''اب مجھے کیا پتا کہ جو مجھے پتا ہے، تم وہی کرتی ہو یا کچھ اور بھی ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔'' حمود کا مبہم لیکن بے تکلف جواب اسے کچھ مزید الجھا گیا تھا۔۔۔ حسامہ کے مطابق اس نے صرف ان کے محکمے کے لیے کچھ اشتہارات میں اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن حمود کا انداز اسے کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔۔۔ تو کیا ان کے رشتہ مضبوط ہونے سے پہلے ہی خدشات کی نذر ہونے کو تھا؟

"یہ طنز ہے یا تبصرہ؟" اس کی سوچوں سے قطع نظر وہ دونوں اپنی ہی بحث میں لگے تھے اور جس کا وہ حال احوال دریافت کرنے آئی تھی، وہ بھی ہوری رغبت سے اپنی بیوی کے ہاتھ سے سیب کھا رہے تھے۔

"جو تمھارا دل چاہے، وہی سمجھ لو۔" حمود نے بے نیازی سے کندھے اچکا دیے۔۔۔اب وہ بھی رائقہ کی چبھتی ہوئی نظروں سے ان جان نہیں رہا تھا۔

"میرے دل کی طلب تو تم بھی اچھے سے جانتے ہو۔" اس کے لہجے میں گھلی اداسی وہاں موجود سب ہی افراد نے محسوس کی تھی۔

"ہماری ہر طلب پوری ہو، یہ ضروری تو نہیں!" اس بار حسامہ کے لیے جواب دینا ناگزیر ہوا تھا۔

"آپ کی طلب تو پوری ہو گئی ہے نا!" اس کا اشارہ یقیناً حاویہ کی طرف تھا۔

"الحمد للہ!" حسامہ کے پورے جذب سے اللہ پاک کا شکر ادا کرنے پر جازمہ کے چہرے پر پل بھر کو ایک تاریک سایہ لہرایا تھا لیکن اگلے ہی پل وہ خود کو سنبھال گئی۔۔۔اب اسے وہ کرنا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔

''آپ کے ہونٹ اتنے خشک کیوں ہو رہے ہیں؟ آپ اپنے ہونٹوں پر یہ بام لگا لیں۔''اس نے اتنے عام سے انداز میں یہ بات کی کہ کسی کو اس پہ شک بھی نہ گزرا۔۔۔سب کو یہی لگا کہ یہ اس گفتگو کا رخ موڑنے کی ایک کوشش تھی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔''حسامہ نے وہ لب بام اپنے ہونٹوں پہ لگا کر اسے واپس تھما دی تو جازمہ بھی کچھ دیر مزید بیٹھ کر جانے کو تیار تھی۔

''کیا ہوا؟''اسے گئے ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب حسامہ کو گھبراہٹ نے آن گھیرا۔۔۔اسے بار بار کروٹیں بدلتا دیکھ، بستر کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھی حاویہ کے استفسار پر حمود اور رائقہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

''پانی!''گہرے سانس بھر کر پانی مانگتے وہ ان تینوں کو ہی ہریشان کر گیا تھا۔

''بابا! آپ ٹھیک ہیں؟''رائقہ حواس باختہ سی اس سے مستفسر ہوئی تھی۔

''عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں وہ ہلکان سا ہوا تھا۔

''میں ڈاکٹر کو بتاتا ہوں۔''اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر حمود باہر کی طرف بھاگا تھا۔

''کوئی پریشانی کی بات نہیں! ہلکا سا فشارِ خون بڑھا تھا۔۔۔اب وہ ٹھیک ہیں۔''قریب پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر کے تشفی کروانے پر ان سب نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

''ہم انھیں گھر لے جا سکتے ہیں نا؟'' ارسلان کے استفسار پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''ایک دو گھنٹے ہم انھیں اپنی نگرانی میں رکھیں گے۔۔۔اس کے بعد آپ انھیں لے جا سکتے ہیں۔''

اس کے محبت جواب پر ان کی پریشانی کچھ مزید کم ہوئی ورنہ حسامہ کی حالت نے تو ان کی جان نکالنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔

''پریشان مت ہو۔۔۔انکل اب ٹھیک ہیں۔'' حاویہ نماز ادا کرنے گئی تو رائقہ راہداری میں لگے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔۔۔اسے دونوں ہاتھوں میں دیے دیکھ کر حمود بہی جذبہ ہمدردی کے تحت اس کے ساتھ آ کر بیٹھتا، اسے تسلی دینے والے انداز میں بولا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھے تو یہ آپ کی اس سہیلی کی ہی کوئی کارستانی لگ رہی ہے۔۔۔اسی نے بابا کو بام دیا تھا لگانے کے لیے۔'' اس کے جواب نے حمود کے چودہ طبق روشن کر دیے۔۔۔اسے تو لگا تھا کہ وہ اداس ہو گی سو اس کی دل جوئی کو چلا آیا اور یہاں وہ کسی تفتیشی افسر کی طرح کڑی سے کڑی ملانے کو لگی تھی۔

''میری سہیلی نہیں تھی وہ اور ویسے بھی وہ انکل کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔'' اس نے وضاحت کرنے سے پہلے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا تھا۔

"اچھا اور آپ کو اس پہ اتنا یقین کیوں ہے؟" تیکھے چتونوں سے پوچھتی وہ حمود کو ایک بار پھر حیران کرنے کو تیار تھی۔

"وہ اس لیے کیوں کہ میں اسے اچھے سے جانتا ہوں۔" حمود نے وضاحت کے چکر میں اپنا پاؤں کلہاڑی پہ رکھ دیا تھا۔

"مجھے تو نہیں اچھی لگی وہ۔۔۔ عجیب ذو معنی باتیں کر رہی تھی اور آپ بھی کیسے ہنس ہنس کر اس سے محوِ گفتگو تھے۔" توپوں کا رخ جازمہ سے حمود کی طرف مڑ گیا تھا۔

"تم اس سے جل رہی ہو؟" اس کے نروٹھے پن پہ وہ کچھ اور ہی سوچ بیٹھا تھا۔

"جلتی ہے میری جوتی! میں کیوں جلنے لگی کسی سے؟

اور آپ بات کو یوں گھمائیں مت! اور مجھے یہ بتائیں کہ کب سے جانتے ہیں اسے؟" رائقہ نے ایک پل میں اس کے خوش فہمی کے غبارے سے ہوا نکالی تھی۔

"تم جان کر کیا کرو گی؟" حمود کو جواب دینے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن یوں حق جتاتے وہ اسے اتنی اپنی سی لگی کہ وہ خواہ مخواہ ہی اسے اپنی باتوں میں الجھائے جا رہا تھا۔

”میں ذرا اس یقین کی گہرائی ماپنا چاہتی ہوں جو آپ کو اس فیشن کی دکان پہ ہے۔“ اس کے تڑخ کر کہنے پر حمود کا جی چاہا کہ وہ دل کھول کر قہقہہ لگائے لیکن اس وقت وہ اس گستاخی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں؟“ اسے جواب دینے کی بجائے اپنے جوتوں کی طرف دیکھتا پا کر رائقہ نے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

”تمھاری جلتی ہوئی جوتی دیکھ رہا ہوں۔“ اس کے بھول پن سے کہنے پر رائقہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

”آپ کو یہ سب کوئی مذاق لگ رہا ہے؟“ اسے حمود کی غیر سنجیدگی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

”نہیں! میں تو بالکل سنجیدہ ہوں۔“ وہ باوجود کوشش کے بھی اپنے چہرے کے مسکراتے تاثرات بدل نہیں پایا تھا۔

”میں آپ کو پہلے ہی بتا رہی ہوں کہ اب اگر وہ مجھے کہیں دِکھی تو میں اسے بخشوں گی نہیں۔۔۔ آپ مانیں یا نہ مانیں یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ گھما پھرا کر بات کو وہیں لے آئی جہاں سے یہ ساری بحث شروع ہوئی تھی۔

"تم فضول میں اس معصوم پہ شک کر رہی ہو۔" حمود کو اس سے بات کر کے مزہ آ رہا تھا سو اسے مزید تپانے کی غرض سے اس نے یوں ہی بات کو طول دینا لازم سمجھا تھا۔

"جی بالکل! ایک آپ معصوم اور ایک آپ کی سہیلی!" اس کے جل کر کہنے پر حمود نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میری سہیلی نہیں ہے وہ!" اس کی دہائی پہ رائقہ کا پارہ کچھ مزید چڑھا تھا۔

"تو پھر بہن ہو گی آپ کی!" بھول پن کے اس عظیم مظاہرے پر حمود عش عش کر اٹھا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ!" اس کے تبصرے نے سچ میں حمود کا دماغ ہلا دیا تھا۔

"شکر ہے میری بدولت آپ کے کچھ گناہ ہی جھڑ گئے ہیں۔" ہاتھ جھلا کر کہتے، اس نے ایک ادائے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔۔۔ اپنی بحث میں وہ دونوں ہی بھول گئے تھے کہ وہ کس جگہ موجود ہیں۔

"آپ محترمہ تو جیسے تبلیغی دوروں پہ جاتی رہتی ہیں۔" اس سارے عرصے میں وہ شاید پہلی بار زچ ہوا تھا۔

''مجھ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں!'' اور کچھ نہ سوجھا تو تحکمانہ لہجے میں اسے تنبیہ کی گئی تھی۔

''اور کوئی حکم؟'' حمود کے چہرے پر ایک دل جلا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

''اپنے کام سے کام رکھیں۔'' اس کی یہ مسکراہٹ مقابل کو کچھ اور سلگا گئی تھی۔

''جی بہتر! کچھ رہ گیا ہے تو وہ بھی ایک ہی بار میں بتا دیں۔'' سر کو ذرا سا خم دے کر کورنش بجالاتے اس نے سینے پہ ایک ہاتھ رکھتے عاجزانہ لہجہ اپنایا تو رائقہ اسے گھورتے ہوئے اپنی جگہ سے ہی اٹھ گئی تھی۔

''پاگل!'' اس کے یوں جانے پر زیر لب بڑبڑاتے، وہ اگلے ہی پل اپنی سوچ کی نفی کر گیا تھا:

''ویسے پاگل کہنا زیادتی ہو گی۔۔۔ بڑی دور کی کوڑی لائی ہے۔۔۔ اپنی حرکتوں سے اتنی ذہین لگتی تو نہیں!'' اس کی ذہانت کو سراہتے وہ کسی کام سے جانے کے لیے اٹھ گیا جو اسے حسامہ کو گھر لے جانے سے پہلے نپٹانا تھا۔

شہر کے مضافات میں واقع گھروں میں جلتے برقی قمقمے رات کی تیرگی مٹانے کو کافی تھے لیکن ان گھروں میں ایک گھر ایسا بھی تھا جو مکمل اندھیرے کی لپیٹ میں تھا لیکن خلاف توقع وہاں سناٹا نہیں تھا بلکہ کسی کے باآواز بلند رونے کی گونج تھی۔۔۔ سرمئی رنگ کے جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس وہ لڑکی دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھے، اپنے گھٹنوں پہ سر ٹکا کر زارو قطار رو رہی تھی لیکن اس کے آنسو پونچھنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟'' اپنا سر پیٹتے وہ خود اسے مخاطب ہوئی تو اس کی آواز میں گہرا غم گھلا تھا۔۔۔ یوں جیسے کوئی چیز اسے اندر ہی اندر کچوکے لگا رہی ہو۔

''کیوں؟ کیوں؟ میرے ساتھ کیوں ہوا ایسا؟'' وہ اب چھت کی جانب چہرہ کیے پر شکوہ انداز میں بولی تھی۔

''میں نے ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا۔'' وہ اب کفِ افسوس مل رہی تھی۔

''میں اپنی محسنہ کے حق پہ ڈاکہ کیسے ڈال سکتی ہوں۔'' پھر کچھ یاد آنے پر وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی تھی۔

''مجھے تو مر جانا چاہیے۔'' کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"میں کچھ پل اپنے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" وہ قدم قدم چلتی بستر تک آئی تو اس کے اپنا دوپٹہ گلے سے نکالنے تک اس کے فون کی بجتی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔۔۔ایک ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں پہ چھائی دھند کی دبیز تہہ ہٹاتے، دوسرے سے اس نے فون تھاما تو اسکرین پر اس کے ایک ایسے ساتھی کا نمبر جگمگا رہا تھا جس کے خلوص پہ اسے کبھی شک نہ رہا تھا لیکن وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہ کرنا چاہتی تھی سو سرخ دائرے کو دبا کر اس کے نام پیغام لکھنے لگی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کی ذہنی کیفیت سمجھتے اس نے بھی پیغام رسانی پہ ہی اکتفا کیا تھا۔

"میں مرجانا چاہتی ہوں لیکن ایسا ابھی ممکن نہیں سو تم فکر مت کرو۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔" اس کا دل کھینچ کر واپس سینے میں ڈالتے وہ فون بستر پہ پھینکتی اس کمرے سے ملحقہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جہاں چھت کے ساتھ ایک مٹی سے بھرا تھیلا لٹک رہا تھا۔۔۔وہ اب بنا کسی دستانے کے اپنے ہاتھوں کے مکے برساتے اس پہ اپنا غصہ نکال رہی تھی۔۔۔زندگی اسے ایک ایسے موڑ پہ لے آئی تھی کہ وہ اپنی محبت کا غم منانے کی بجائے اپنی احسان فراموشی کا ماتم منا رہی تھی۔

سیاہ ڈھیلے ڈھالے کرتی پاجامے میں ملبوس وہ تازہ دم ہونے کے بعد اب اپنے لیے کافی بنا رہی تھی جب دروازے پر ہونے والی دستک پر اس کی نگاہیں بے ساختہ دیوار پہ ٹنگی گھڑی کی جانب اٹھیں جو رات کے دس بجنے کا عندیہ دے رہی تھی۔۔۔اسی اثنا میں گھنٹی کی دوبارہ آواز پر وہ حیرت میں گھری دروازے کی سمت گئی کہ اس کے گھر تو کبھی کوئی اس وقت نہیں آیا تھا اور ایسا اس لیے تھا کہ جس شعبے سے وہ وابستہ تھی وہاں اس وقت کسی اداکار کا گھر میں پایا جانا ہی مشکل تھا۔

''کون ہو تم ؟''اس کے دروازہ کھولتے ہی ایک سیاہ چمڑی اور بھاری تن و توش کا مالک شخص ہاتھ میں بندوق پکڑے اس کے ہوش اڑا گیا تھا۔

''اندر کیوں آ رہے ہو ؟''اسے ایک جانب دھکیلتا وہ فلیٹ میں داخل ہوتا ایک ایک کر کے سارے دروازے کھول کر دیکھنے لگا،یوں جیسے وہاں کسی بھی اور فرد کی غیر موجودگی کی تصدیق کر رہا ہو۔۔۔ جازمہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگتی رہی لیکن وہ شخص بنا کچھ کہے اپنا کام مکمل کر کے واپس خارجی دروازے سے باہر نکل کر ایک جانب کھڑا ہو گیا۔

''عالی جاہ !'' جازمہ کچھ سمجھتی یا آگے بڑھ کر دروازہ بند کرتی،اس سے پہلے ہی دروازے پہ نمودار ہونے والی شخصیت اسے حیران کرنے کو کافی تھی۔۔۔عبدالکلیم کو اپنے دروازے پر دیکھ کر اس کے

بدترین خدشات سچ ثابت ہوئے۔۔۔اسے کچھ دیر قبل ہی حسامہ سہگل کے بخیر اپنے گھر پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہی جارحانہ تیوروں سے آگے بڑھتا، پیچھے دیوار سے لگا چکا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟''اس کے انداز میں کسی قسم کی رعایت کی کوئی جھلک نہیں تھی۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''اپنے بازوؤں میں اس کی انگلیوں کے دھنسنے کی وجہ سے ہوتے درد کو محسوس کرتے، وہ دبے دبے لہجے میں بولی تھی۔

''اس لب بام پہ جو زہر تھا،اس کے اثر سے کوئی بچ نہیں سکتا تو پھر حسامہ سہگل بچ کیسے گیا؟'' وہ شخص یقیناً اپنے ایک اور وار کے خالی جانے اور دشمن کے ہھر سے بچ نکلنے پر تلملا رہا تھا۔

''مجھے کیا علم؟'' جازمہ نے خود کو چھڑانے کی بھرپور مزاحمت کے دوران لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

''میں نے تو جیسا آپ نے کہا، ویسا کر دیا تھا۔'' وہ یا تو سچ میں اس سارے قصے سے ان جان تھی یا پھر وہ سچ میں ایک بہترین اداکارہ تھی۔

''تم نے وہی کیا ہوتا تو آج تمھارے پاس آنے کی بجائے میں اس شخص کے جنازے میں شرکت کر رہا ہوتا۔۔۔بتاؤ مجھے کہ کس کے کہنے پر کیا تم نے یہ سب؟'' عالی جاہ کو اس کی بات پہ ذرہ بھر یقین نہیں آیا تھا۔

''مجھے نہیں پتا کہ یہ سب کیسے ہوا؟ میں اپنا کام کر کے ہی وہاں سے نکلی تھی۔'' اس کی گرفت میں ہوتے ہوئے بھی وہ مسلسل انکاری تھی۔

''وہ بام کدھر ہے؟'' اس نے اسے چھوڑتے کف اڑاتے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''میرے بیگ میں!'' جازمہ نے ہاتھ کی جنبش سے کمرے کی جانب اشارہ کیا تو وہ اسے ٹھوکا دے کر آگے بڑھ گیا۔

''دکھاؤ مجھے!'' اس نے اسے کمرے میں لا کر چھوڑا تو جازمہ نے اپنے بیگ سے وہ بام نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

''اگر تم نے اسے یہ لگایا تھا تو وہ مرا کیوں نہیں؟'' اسے کھول کر دیکھتے اس نے سوال سے زیادہ خود کلامی کی تھی۔

''اس سوال کا جواب میں کیسے دے سکتی ہوں؟'' جازمہ نے اس سے کچھ فاصلہ بناتے ہوئے کہا لیکن وہ شخص ایک ہی جست میں اس تک پہنچ گیا تھا۔

''مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی ہو تم؟ تمھیں تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ تمھاری سات نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔'' وہ کسی طور مطمئن ہونے پہ راضی نہیں تھا۔۔۔اس کے لہجے میں سفاکیت ابھری تھی۔

''دور رہو مجھ سے!'' وہ یقیناً اپنی ہار کا غم اپنی مردانگی دکھا کر غلط کرنا چاہتا تھا۔۔۔وہ ایک جھٹکے میں ہی اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔۔۔اسے اپنی طرف جھکتا پا کر جازمہ نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی ایک سعی کی تھی۔

''عالی جاہ کی لغت میں غداری کی معافی نہیں!'' اس کی گزارش رد کر کے وہ اپنی ہوس کا سامان کرتا، اس سے پہلے ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''عالی جاہ! اوپر پولیس آ رہی ہے۔'' اپنے محافظ کی اطلاع پر اس کی نگاہوں میں تحیر ابھرا تھا۔

''تم نے بلایا ہے انھیں؟'' وہ اس کے بال گدی سے پکڑتا، غضب ناک لہجے میں بولا تھا۔

''میں کیسے بلا سکتی ہوں؟'' اس کے سوال پر وہ بھی سوچ میں پڑا کہ اس کے پاس تو فی الوقت موبائل نہیں تھا تو پھر پولیس کہاں سے آ گئی؟ اپنی طاقت کے زعم میں وہ صرف ایک محافظ کے ہمراہ یہاں تک آیا تھا اور اب اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہیں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔

"دروازہ کھولو اور کسی قسم کی ہوشیاری کی صورت میں انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" اسے کے کروہ وہاں سے نکلنے کی سوچتا، اس سے پہلے ہی دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجی جو عالی جاہ کا محافظ اندر آتے ہوئے یقیناً بند کر آیا تھا۔۔۔اس نے جازمہ کو باہر جاکر دروازے کھولنے کی تاکید کے ساتھ تنبیہ بھی کی۔۔۔ گو کہ پولیس کے محکمے میں اس کے بہت سے خیر خواہ بھی موجود تھے لیکن اس وقت وہ واقعتاً نہیں جانتا تھا کہ باہر دوست ہو گا یا دشمن سو اس نے اندر سے ہی صورت حال کا جائزہ لینے کی ٹھانی تھی۔

"جازمہ نبیل! حسامہ سہگل پر قاتلانہ حملے کی کوشش کے جرم میں آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔" اس کے دروازہ کھولتے ہی دروازے پر موجود پولیس اہلکار نے اس کے ہاتھوں پہ ہتھ کڑی لگادی تھی۔۔۔ عبدالکلیم کو اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ کوئی کارروائی کر سکتا۔۔۔ پولیس اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہی اس کا شکار مکھن سے بال کی طرح نکال کر لے گئی تھی۔۔۔۔ غصے و حیرت کے زیرِ اثر وہ اس بات پہ غور ہی نہیں کر پایا کہ ابھی کچھ دیر قبل ہوئے ڈرامے میں کتنے جھول تھے۔

"تم ایک منٹ اور نہ آتے تو آج میرے ہاتھوں قبل از وقت ہی ایک قتل ہو جانا تھا۔" جازمہ کے تبصرے پر جیپ چلاتا شخص محض مسکرا ہی سکا تھا۔

"آپ کا اور میرا ساتھ یہیں تک تھا۔۔۔ آگے آپ کو خود جانا ہے۔" پولیس جیپ کو ایک سفید گاڑی کے پاس روکتے، اس نے وداع لی تو جازمہ بھی بنا کسی تبصرے کے اس میں جا سوار ہوئی تھی۔۔۔ اب وہ اپنی نئی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

سیاہ کولتار کی سڑک پہ بھاگتی گاڑی میں سوار دو نفوس کی سوچوں کے گھوڑے اس سے بھی زیادہ تیزی سے دوڑ رہے تھے۔۔۔ بظاہر وہ دونوں خاموشی سے محو سفر تھے لیکن ان دونوں کا ہی ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔۔۔ رائقہ اس کے ساتھ خریداری کی غرض سے آ تو گئی تھی لیکن اب اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس نے کوئی غلطی کر دی ہو۔۔۔ اس کے نزدیک اسے تھوڑے نخرے دکھا کر، کچھ بھاؤ دے کر آنا چاہیے تھا جب کہ حمود اس سے بات کرنے کا بہانہ سوچ رہا تھا۔۔۔ اسی شش و پنج میں مبتلا اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ اس کا شوہر تھا اور اس سے بات کرنے کے لیے کم از کم اسے کسی حیلے بہانے کی تلاش نہیں ہونی چاہیے۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہی اس نے بلاارادہ ہی اس سے پوچھا تو ان دونوں کے ہی ذہن کے پردے پر اس صبح کا منظر لہرایا جہاں وہ پاس ہو کر بھی ساتھ نہیں تھے۔

''نہیں!'' اپنے خیالوں سے چونکتے رائقہ نے بلاتاخیر نفی میں سر ہلایا اور پھر سے کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔۔۔ اس پل وہ حمود کو خود سے بہت دور لگی۔۔۔ یوں جیسے ان کے بیچ ایک طویل فاصلہ ہو جسے اب اسے ہر حال میں پاٹنا تھا۔

''یہاں کا جوس اچھا ہوتا ہے۔'' چند پل مزید اسی خاموشی سے سرکے تو حمود نے گاڑی ایک جوس کارنر کے پاس روکتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا اور وہاں موجود لڑکے کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا۔

''آپ مجھے یہی دلا کر گھر چھوڑ دیں۔۔۔ ڈیڈ سے کہیے گا کہ میری مرضی بس جوس خریدنے کی ہی تھی۔'' اس لڑکے کے پلٹتے ہی رائقہ کی بات پر حمود نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ آنا اچھا نہیں لگا؟'' کچھ ہی دیر میں وہ لڑکا جوس لے آیا تو اسے گلاس تھما کر حمود نے گاڑی پھر سے سڑک پہ چڑھا دی۔۔۔ وہ خاموشی سے جوس پی رہی تھی جب حمود کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا۔“ وہ جو اسے تگنی کا ناچ نچانے کا ارادہ رکھتی تھی، اس سے اس کے اس سوال کا جواب ہی نہ بن پڑا تھا۔

”لیکن آپ کا رویہ تو یہی ظاہر کر رہا ہے۔“ رائقہ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ یوں واشگاف الفاظ میں ہی اس موضوع کو زیرِ بحث لے آئے گا اور نہ ہی اسے اس درجہ صاف گوئی کی توقع تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ یہ تو طے تھا کہ رائقہ اس پر اپنے جذبات یا خیالات ظاہر کرنے والی نہیں تھی۔

”تو پھر کیسی بات ہے؟“ وہ جتنا اس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی، حمود اتنا ہی اس پہ بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

”میں یوں کبھی کسی کے ساتھ کہیں گئی نہیں تو بس اسی لیے!“ رائقہ کو سمجھ نہیں آئی کہ کیسے اسے اس موضوع سے ہٹا دے سو خود سے اس کا دھیان بٹانے کو اس نے بنا سوچے سمجھے جواب دیا تھا۔

”میں کسی تو نہیں ہوں۔۔۔ ہمارے بیچ ایک مضبوط رشتہ موجود ہے اور اس ناطے سے میں آپ کو کہیں بھی لے جا سکتا ہوں۔“ حمود تو آج جیسے اس مسئلے کے حل کا ارادہ کر کے ہی گھر سے نکلا تھا۔

”میں نے اس بات سے انکار تو نہیں کیا لیکن میں نے تاحال اسے آگے بڑھانے کی بابت نہیں سوچا۔“ رائقہ نے بھی بات ختم کرنے کو اپنی رائے کا اظہار کر ہی دیا تھا۔

''کیا میں اس ہچکچاہٹ کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''اس کے برعکس حمود کا بات ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں لگتا تھا۔

''میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔''اس نے ایک بار پھر خود پہ بے رخی کا خول چڑھایا تھا۔

''جب کہ میں جاننے کا حق رکھتا ہوں۔''حمود آج اس کی رکھائی کے جواب میں خاموش نہیں ہوا تھا۔

''میں تقریب کے لیے پستہ رنگ کا جوڑا لوں گی۔''رائقہ اس سے زیادہ اسے حق جتانے کا موقع نہیں دے سکتی تھی سو اس نے گفتگو کا رخ ہی موڑ دیا تھا۔

''مجھے فیروزی رنگ زیادہ پسند ہے۔''حمود نے بھی ثابت کیا کہ آج وہ اس کی کوئی ترکیب کارگر ثابت نہیں ہونے دے گا۔

''ڈیڈ نے کہا تھا کہ میں اپنی مرضی سے جو چاہے لے لوں۔''رائقہ میں زیر ہونے کا یارا کہاں تھا۔

''اور آپ کی مرضی یہ جوس تھا۔۔۔اب باقی کی خریداری میری مرضی سے ہو گی۔''حمود نے بڑے موقع پہ تاک کر جوابی وار کیا تھا۔

''میں اپنی پسند سے ہی کپڑے لوں گی۔''وہ دونوں ایک نئ تکرار کی تیاری میں تھے۔

''جب پہننے میرے لیے ہیں تو رنگ تو میری ہی پسند کا ہو گا۔''اس کا جواب ایک پل کے لیے رائقہ کو لاجواب کر گیا تھا۔

''آپ کو یہ غلط فہمی کیوں کر ہوئی؟''اس کے حق جتاتے لہجے اور لو دیتی نظروں سے اندر ہی اندر جزبز ہوتے، رائقہ نے بظاہر لاپرواہی سے کہا جب کہ دل میں تو پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔

''تو اور کس کے لیے سجیں گی آپ؟''اس بار سوال براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا گیا تھا۔

''امی، بابا، ڈیڈ اور جلیشہ کے لیے!''اس سے نظریں چرا کر، اس کے معصومیت بھرے انداز میں کی گئی وضاحت پر حمود کا فلک شگاف قہقہہ گاڑی میں گونجا تھا۔

''اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟''وہ اس کی ہنسی کا برا مناتے ہوئے گویا تھی۔

''ایک عورت کی سجاوٹ پر اس کے شوہر سے زیادہ کسی کا حق نہیں ہوتا اور اس کی فرماں برداری اس پر ایسے ہی لازم ہے جیسے زندہ رہنے والے کے لیے سانس لینا! وہ صرف اسی صورت ان فرائض سے تائب ہو سکتی ہے جب شوہر ناحق اس پہ ظلم کرے یا اسے قرآن و سنت کے مطابق چلنے سے منع کرے۔''حمود کا لہجہ اس بار یکسر مختلف تھا۔۔۔جواباً وہ چپ ہی رہی کہ اگر یہاں وہ اپنے حقوق گنواتی تو وہ اسے اس کے اور بہت سے فرائض بھی یاد دلا سکتا تھا۔۔۔سب سے اہم بات کہ اس کے

لہجے کی گھمبیرتا اس سارے عرصے میں پہلی بار رائقہ کا دل دھڑکا گئی تھی۔۔۔اس کے بعد اس نے حمود کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کیا جو پورے استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے لیے خریداری کر رہا تھا۔۔۔اس دوران اس نے صرف اپنی پسند کو ترجیح نہیں دی تھی بلکہ وہ اس کی رائے کو بھی مقدم جانتا رہا تھا۔

''حمود!'' ڈھیر ساری خریداری کے بعد وہ سامان سے لدے پھندے مال سے باہر نکل رہے تھے جب ایک نسوانی پکار پر ایک لمحے کو ان دونوں کے ہی بڑھتے قدم تھمے لیکن اگلے ہی پل حمود کے اندر بجلی سی بھری تھی۔۔۔وہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گیا تو رائقہ بھی الجھن بھرے انداز میں اس ادھیڑ عمر عورت کو دیکھتی اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔

''حمود! بات سنو بیٹا!'' وہ عورت دیوانہ وار اس کے پیچھے لپکی تھی۔

''میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔۔۔دوبارہ مجھے آواز مت دیجیے گا۔'' آس پاس موجود لوگوں کا خیال کرتے، وہ ایک جھٹکے سے پلٹا اور قدرے دھیمے مگر سخت لہجے میں مقابل کو متنبہ کر گیا تھا۔

''تمہارے کہنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔۔۔سچ یہی ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے!'' رائقہ کو لگا کہ اس کے سر پہ مال کی چھت گر پڑی ہو۔۔۔اسے تو لگا تھا کہ روزی مر چکی ہے کیوں کہ ارسلان نے دو ایک بار اس کے استفسار پر اس کے سامنے ایسے ہی اس کا ذکر کیا تھا

جیسے وہ کوئی وجود نہ رکھتی ہو لیکن سامنے کھڑی عورت اسے باور کروا رہی تھی کہ وہ دنیا سے نہیں بلکہ ان لوگوں کی زندگی سے جا چکی تھی۔

''افسوس! میں چاہ کر بھی اس سچائی کو بدل نہیں سکتا۔'' حمود کی آنکھوں کی سرخی اس کے ضبط کی گواہ تھی۔

''یہ کون ہے؟'' وہ واپس پلٹنے لگا تو اس نے ایک بار پھر اسے پکارا تھا۔

''یہ وہی ہے جس کے ماں باپ کو آپ اور آپ کی بہن کی سازشوں نے جدا کر دیا تھا۔'' رائقہ کو لگا کہ حمود کا لہجہ کانپنے لگا تھا۔۔۔ اس پل اسے اس سے دلی ہمدردی محسوس ہونے کے ساتھ ساتھ یہ تجسس بھی ابھرا کہ اس کے والدین کی جدائی میں اس عورت کا کیا اور کتنا ہاتھ تھا؟

''یہ حسامہ کی بیٹی ہے؟'' اس کے لہجے میں ایک بے چینی سی گھلی تھی۔

''مجھے آپ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔ آپ براہِ مہربانی مجھے جانے دیں۔'' اطراف سے گزرتے لوگوں کو متوجہ ہوتے دیکھ وہ ضبط کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔۔۔ سامنے کھڑی عورت کبھی اس کی زندگی کا محور رہی تھی اور پھر اس کے ایک غلط قدم نے ان سب کی ہی زندگیاں بے ترتیب کر دی تھیں۔

"حمود! مجھے معاف کر دو بیٹا!" اسے اپنی بات کہہ کر پلٹتے دیکھ روزی نے ایک آخری کوشش کی تو حمود نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے، بمشکل خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا تھا۔

"چلو رائقہ!" اسے کوئی بھی جواب دیے بنا سارا سامان ایک ہی ہاتھ میں منتقل کرتا، وہ دوسرے ہاتھ سے رائقہ کی مرمریں کلائی تھام کر اسے وہاں سے لے گیا تھا۔۔۔ پیچھے کھڑی روزی کے پچھتاووں میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا۔

"حمود!" گیئر پہ رکھے اس کے ہاتھ کی ابھری رگیں اور اس کی پیشانی پہ بچھا گہری لکیروں کا جال اس کے ضبط اور اندورنی خلفشار کا گواہ تھا۔۔۔ وہ سارا سامان گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ رکھنے کے بعد اب اپنی نشست پہ بیٹھا چند گہرے سانس بھرتے یقیناً خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ رائقہ کی نرم پکار پر اس نے پل بھر کو آنکھیں موند کر کھولی تھیں۔

"ابھی کچھ نہ پوچھنا رائقہ!" اس کی طرف دیکھے بنا جیسے اس نے التجا کی تھی۔۔۔ وہ اب گاڑی مال کے احاطے سے نکال کر سڑک پہ لے آیا تھا۔

"کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" اس نے اسے بولنے پر آمادہ کرنے کی ایک اور کوشش کی تھی۔

''میری حیثیت کا تعین کیے بنا آپ کیسے مجھ سے یہ توقع کر سکتی ہیں؟'' حمود کا لہجہ گو کہ سخت نہیں تھا لیکن اس ایک جملے نے رائقہ کی گویائی چھین لی کہ وہ خود ہی تو اسے احساس دلا چکی تھی کہ تا حال اس نے اسے قبول نہیں کیا تو پھر وہ کیسے ایک ہی بار میں اس پہ اعتبار کر لیتا؟ اس کے بعد ان کے بیچ کوئی بات نہیں ہوئی لیکن وہ اس سے لاپروا بھی نہیں تھا۔۔۔ گاڑی حسامہ کے گھر کے باہر روکنے کے بعد وہ خود سارا سامان اٹھا کر اسے اندر چھوڑ کر آیا تھا۔۔۔ حاویہ نے چائے کا کہہ دیا تو بھی اس نے انکار نہیں کیا۔۔۔ وہ چائے پینے کے دوران حسامہ سے گفتگو کرتا رہا اور پھر وہ چلا گیا لیکن اس بیچ رائقہ بس ایک ہی نکتے پر اٹکی رہی تھی۔

''بابا جان! آپ سے ایک سوال پوچھوں؟'' حمود کو گئے ابھی ایک دو منٹ ہی ہوئے تھے جب رائقہ نے پر سوچ لہجے میں حسامہ کو مخاطب کیا تھا۔

''ضرور پوچھو میری جان!'' چائے کا خالی کپ میز پہ رکھتے حسامہ کے لہجے میں بیٹی کے لیے حلاوت کی شیرینی بھری تھی۔

''کیا آپ دونوں کے بیچ کی غلط فہمی کی وجہ حمود کی والدہ تھیں؟'' اس نے بلا تمہید اپنے ذہن میں کلبلاتے سوال کو الفاظ دیے تھے۔

''تم سے یہ کس نے کہا؟'' اس کے برابر بیٹھی حاویہ نے چونکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''آج مال میں وہ ہمیں ملی تھیں۔''جواب میں رائقہ نے سارا قصہ کہہ سنایا تو حسامہ بھی ان کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹنے لگا۔۔۔روزی کی بہن عنبرین جو حسامہ میں دلچسپی رکھتی تھی، وہ اس کی حاویہ سے شادی کے بعد بھی حسامہ کو بھلا نہیں پا رہی تھی سو ان دونوں بہنوں نے مل کر حاویہ کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا، جس کے لیے روزی نے عالی جاہ سے رابطہ کیا لیکن حاویہ کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گئی۔۔اس ناکامی کے بعد روزی نے اپنی بہن کو سمجھا بجھا کر اس کی شادی ان کے ہی ایک مشترکہ دوست سے کروادی لیکن وہ اس سے حسامہ کے متعلق پوچھتی رہتی تھی۔۔شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی وہ حسامہ کا خیال اپنے دل سے نکال نہیں پائی تھی اور موقع ملتے ہی اس نے اپنا وار کر دیا تھا۔۔۔اس دن اسپتال میں حاویہ کو ملنے والی عنبرین ہی تھی اور وہ روزی کے توسط سے یہ سچائی جانتی تھی کہ حسامہ نے صرف اپنے بابا کو مطمئن کرنے کے لیے وہ فرضی رپورٹ بنوائی تھی لیکن اس نے حاویہ سے جھوٹ کہا کہ حسامہ نے اس کے بچے کا جنیاتی جائزہ کروایا تھا۔۔۔اسپتال سے چلے جانے کے دو تین دن بعد حاویہ نے تصدیق کے لیے روزی کو فون کیا تھا لیکن تب تک عنبرین اسے اپنی کارستانی بتا چکی تھی سو بہن کا ساتھ دینے کے لیے اس نے بھی حاویہ سے یہی کہا کہ حسامہ نے وہ جائزہ کروایا ہے۔۔۔اس کے بعد حاویہ نے پھر کسی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔۔۔حاویہ کے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی عنبرین نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی تھی اور اب وہ پھر حسامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششوں میں تھی لیکن اس بار بھی اسے ناکامی کا ہی سامنا کرنا پڑا تھا۔

”حسامہ! کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟“ بالآخر ایک دن ارسلان کے گھر ملاقات ہونے پر اس نے صاف الفاظ میں اپنا مدعا اس تک پہنچا دیا۔۔۔ وہ کسی کام کی غرض سے اسے ملنے آیا تھا لیکن وہ لوگ گھر نہیں تھے تو حسامہ نے رخصت لینا چاہی جب عنبرین کی یہ پیش کش سن کر وہ دنگ رہ گیا تھا۔

”میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔“ حسامہ کے لہجے میں واضح ناگواری تھی۔

”آپ کی بیوی آپ کو چھوڑ کر جا چکی ہے۔“ عنبرین کا لہجہ استہزاء سے بھرپور تھا۔

”لیکن میں نے اسے نہیں چھوڑا۔۔۔ تادمِ مرگ میری بیوی بس حاویہ ہی رہے گی۔“ وہ کئی بار اشارے کنایوں میں عنبرین کی حوصلہ شکنی کر چکا تھا لیکن آج جب اس نے بات چھیڑ ہی دی تھی تو حسامہ نے بھی اسے جتا دینے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی کہ اس کی زندگی میں حاویہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔

”ایسا کیا ہے اس میں جو آپ کسی اور کی طرف نہیں دیکھتے؟“ اس کے لہجے میں حسامہ کو ایک عجیب سی تپش محسوس ہوئی تھی۔

”یہ میں آپ کو سمجھا نہیں سکتا۔۔۔ بہتر ہے کہ آپ اس بات کو یہیں دفن کر دیں۔“ اپنی بات کہہ کر وہ وہاں سے جانے کے ارادے سے بیٹھک کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔آپ کی خاطر میں نے اپنے شوہر کو چھوڑا۔۔آپ کے لیے اس عورت سے جھوٹ بولا لیکن وہ ہے کہ آپ کی زندگی سے جا کر بھی آپ کے دل سے نہیں نکلی۔" غصے کی حالت میں ہذیانی ہو کر چیختے وہ اپنے ہی راز سے پردہ اٹھا گئی تھی۔

"تم حاویہ کو کہاں ملی تھی؟" وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی لیکن حسامہ تو اس کے اسی ایک جملے میں اٹک گیا کہ اس نے حاویہ سے جھوٹ بولا۔

"اسپتال میں! میں نے اسے کہا کہ آپ نے اپنے بچے کا جنیاتی جائزہ کروایا ہے۔۔۔مان لیں میری بات اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔۔۔آپی نے بھی اسے بتادیا تھا کہ یہی سچ ہے۔" حسامہ کا گریبان پکڑ کر چیختے، اسے علم ہی نہ تھا کہ وہ کیسے خود کو ہی بے نقاب کر رہی ہے۔۔۔ارسلان جو ابھی روزی کے ساتھ باہر سے آیا تھا، اس کی سماعتوں سے بھی عنبرین کی باتیں مخفی نہیں رہی تھیں۔

"عنبرین!" روزی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے حسامہ کی قمیض چھڑوائی تھی۔

"بھابھی! یہ آپ کی بہن کیا کہہ رہی ہے؟" حسامہ نے کڑے تیور لیے اس سے استفسار کیا۔۔۔اس کے لیے یقین کرنا ہی مشکل تھا کہ وہ عورت جسے وہ اپنی بہن مانتا تھا اور جس کی وہ دل سے عزت کرتا تھا، وہ ہی اس کی بربادی میں برابر کی حصہ دار تھی۔

''کچھ نہیں حسامہ! تم بیٹھو، میں اسے دیکھتی ہوں۔۔۔ یہ تو بس پاگل ہے، کچھ بھی بولتی ہے۔'' وہ بظاہر اس کو مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن اس کا لڑکھڑاتا لہجہ اور اس سے نظریں چرانا حسامہ کے ساتھ ساتھ ارسلان کو بھی کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

''میں پاگل نہیں ہوں۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں، میں نے اس حرافہ کو آپ کی زندگی سے نکالا ہے۔۔۔ آپ جیسے شاندار مرد کے ساتھ ایک طوائف کا کیا کام؟ وہ آپ کے قابل ہی نہیں تھی۔۔۔ اپ میرا ہاتھ تھام لیں، میں آپ کو بہت۔۔۔'' دیوانہ وار چیختے اس نے حسامہ کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو حسامہ کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ اس کے۔اقی کے الفاظ اندر ہی دبا گیا تھا۔

''روزی! سچ کیا ہے؟'' اس کے اس عمل کے بعد گنگ کھڑے ارسلان کے وجود میں حرکت ہوئی اور وہ روزی کے سامنے آ کر رکتے، اس سے سوال کر رہا تھا۔

''ارسلان! میں آپ کو بتاتی ہوں۔۔۔ یہ پتا نہیں کیا کیا بولے جا رہی ہے۔'' سسکتی ہوئی بہن کو گلے لگا کر وہ اس سے بھی نظریں ملانے سے قاصر رہی تھی۔

''حمود کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہو کہ جو اس نے کہا، وہ جھوٹ ہے۔'' ارسلان نے دروازے کے قریب کھڑے، یہ سارا منظر دیکھ کر سہمے ہوئے حمود کو کھینچ کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا تو روزی نے

اپنی سچائی ثابت کرنے کو اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔۔۔اس کا ارادہ بھلے جو بھی ہو لیکن اس دس گیارہ سالہ بچے کے ذہن میں یہ منظر عمر بھر کے لیے جم سا گیا تھا۔

''آپی! آپ اپنے بچے کی جھوٹی قسم کھائیں گی؟ وہ مر جائے گا۔''عنبرین کی بات پر ان تینوں کے ہی دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

''نہیں!''روزی نے تڑپ کر اپنا ہاتھ پیچھے کرتے حمود کو گلے سے لگانا چاہا لیکن ارسلان اسے اپنی پشت پہ کر کے ایسا کرنے سے روک گیا تھا۔۔۔اس کے بعد ارسلان نے حسامہ کے روکنے کے باوجود بھی روزی کو طلاق دے دی جب کہ کچھ عرصہ بعد عنبرین نے بھی خودکشی کر لی تھی۔۔۔روزی نے حمود کو اپنی تحویل میں لینے کے لیے کئی بار کوشش کی مگر وہ کیس نہ جیت سکی تو اپنے بھائی کے پاس بیرون ملک چلی گئی۔۔۔اب کچھ ہی عرصہ ہوا تھا اسے وطن واپس لوٹے اور وہ پھر حمود سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھی لیکن حمود آج تک اپنی ماں کو معاف نہ کر پایا تھا۔

''انسان کیسے کیسے اپنے لیے خسارے تلاش لیتا ہے۔''ساری بات جاننے کے بعد رائقہ کا دل افسوس سے بھر گیا تھا۔۔۔وہ کچھ دیر مزید ان دونوں کے ساتھ بیٹھ کر وہاں اے اٹھ گئی تھی۔

”حسامہ! میں روزی اور عنبرین کو معاف کرتی ہوں۔۔۔آپ حمود سے بھی کہیں کہ وہ اپنی ماں کی معافی قبول کر لے۔“تنہائی میسر آتے ہی حاویہ نے اپنے شریک حیات کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔

”ویسے بھی اس سارے قصے میں غلطی میری بھی ہے۔۔۔اگر کسی نے مجھے بہکانے کی کوشش کی بھی تھی تو مجھے ہی عقل سے کام لیتے ہوئے آپ پر اپنا اعتماد کمزور نہیں پڑنے دینا چاہیے تھا۔۔۔میں اپنے حصے کی سزا کاٹ چکی ہوں۔۔۔اب روزی کی اذیت بھی ختم ہو جانی چاہیے۔“حسامہ کے سینے پر سر رکھتے، وہ سسک اٹھی تھی تو اس نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھا تھا۔

”تم نے انھیں معاف کیا یہ بہت اچھی بات ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ حمود اور رائقہ کو یہ فیصلہ خود لینے دیں۔۔۔ہمارے دباؤ میں آ کر وہ شاید اسے معاف کر بھی دیں لیکن ایسے ان کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہو پائے گا۔“حسامہ کی بات میں وزن تھا سو حاویہ کے پاس اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔

شہر کے مضافات میں رات اتری تو کرامت علی بھی اپنے گھر والوں کے بیچ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا جب اس کے فون کی بجتی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی۔

"عالی جاہ! آپ نے کیسے مجھ ناچیز کو یاد کر لیا؟" اسکرین پہ چمکتے نام کو دیکھ کر رابطہ بحال کرتے ہی اس کے لہجے میں خوشامد بھری عاجزی اتری تھی۔

"کہاں ہو اس وقت؟" دوسری طرف اس کی انکساری کو قطعاً نظرانداز کر کے تحکمانہ لہجے میں دریافت کیا گیا تھا۔

"گھر پہ ہوں۔۔۔ خیریت؟" وہ بھی جی حضوری چھوڑتا سادہ لہجے میں بولا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی پولیس جازمہ نبیل کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔۔۔ پتا کرو کہ اسے کس تھانے میں لے جایا گیا ہے اور اس کے خلاف کس نے شکایت درج کی ہے؟" اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی یقیناً عالی جاہ نے سب سے پہلے اس سے ہی رابطہ کیا تھا۔

"میں آپ کو کچھ دیر میں بتاتا ہوں۔" فون بند کر کے وہ اب مختلف لوگوں سے رابطہ کر رہا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" گھنٹہ بھر بعد اس کی بات سنتے ہی عالی جاہ کے لہجے میں بے یقینی در آئی تھی۔۔۔ حیران تو خود کرامت علی بھی تھا کہ یہ سب کیوں کر ممکن ہوا تھا

"کیا مطلب کہ تمھیں نہیں پتا؟ میری آنکھوں کے سامنے پولیس اسے لے کر گئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ شہر کے کسی تھانے کی بھی تحویل میں نہیں ہے۔۔۔ایسا کیسے ممکن ہے؟"اس کی معلومات کے مطابق بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔۔۔ جازمہ نبیل کو شہر کے کسی تھانے میں دریافت نہیں کیا جا سکا تھا اور نہ ہی کہیں اس کے خلاف کوئی درخواست موصول ہوئی تھی۔

"عالی جاہ! اس کے دو ہی مطلب ہیں۔۔۔ پہلا کہ وہ پولیس نقلی تھی اور دوسرا کہ وہ ایجنسی والوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔۔۔۔دونوں ہی صورتوں میں خطرہ بہر حال ہے۔"اس کے تشویش بھرے انداز پر عبدالکلیم کی پیشانی پہ شکنوں کا ایک جال بچھا تھا۔

"اس کے فلیٹ کے آس پاس کے علاقوں کے کیمرے چیک کرو۔۔۔دیکھو کہ وہ کہاں گئی ہے؟"

پیشانی مسلتے وہ اب نیا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

"عالی جاہ! اسے گھر سے سرکاری جیپ میں ہی لے جایا گیا ہے اور وہ جیپ متعلقہ تھانے کی حدود تک بھی گئی ہے لیکن وہاں تک پہنچنے پر اس میں جے زی نہیں تھی۔"یہ خبر اس پہ بجلی بن کر گری تھی۔

"اسے اس بیچ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا جو وہ راستے میں ہی کہیں کھو گئی؟"اس کے دھاڑنے پر کرامت علی نے شکر کیا کہ وہ اس کے سامنے نہیں ورنہ اس سے کیا بعید کہ سر میں ہی گولی ٹھوک دیتا۔

"میں پوری کوشش کر رہا ہوں لیکن ہمیں کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا۔" وہ گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولا تو اس نے غصے سے فون بند کر دیا تھا۔

"اگلے ہفتے اس کا فیشن شو ہے۔۔۔ اگر وہ آزاد گھوم رہی ہے تو وہ وہاں تو ضرور آئے گی اور پھر وہ مجھ سے بچ نہیں سکتی۔" ادھر ادھر ٹہلتے وہ اپنے آپ سے محو گفتگو تھا۔۔۔ اس کے لیے یہ برداشت کرنا مشکل تھا کہ وہ بالشت بھر کی لڑکی اس جیسے بااثر غنڈے کو چکما دے کر بھاگ گئی تھی۔

"اسے علم نہیں ہے کہ عالی جاہ سے غداری کی سزا موت ہے۔" وقت کے چکر سے ان جان وہ اپنے تیئں جازمہ نبیل کی موت کا پروانہ جاری کر چکا تھا۔

حال پوچھ کے ہم نشیں مرے سوز دل کو ہوا نہ دے

بس یہی دعا میں کروں ہوں اب کہ یہ غم کسی کو خدا نہ دے

یہ جو زخم دل کو پکائے ہم لئے پھر رہے ہیں چھپائے ہم

کوئی ناشناس مزاج غم کہیں ہاتھ اس کو لگا نہ دے

تو جہاں سے آج ہے نکتہ چیں کبھی مدتوں میں رہا وہیں
میں گدائے راہ گزر نہیں مجھے دور ہی سے صدا نہ دے

تب و تاب عشق کا ہے کرم کہ جمی ہے محفل چشم نم
ذرا دیکھو اے ہوائے غم یہ چراغ کوئی بجھا نہ دے

وہ جو شاعری کا سبب ہوا وہ معاملہ بھی عجب ہوا
میں غزل سناؤں ہوں اس لئے کہ زمانہ اس کو بھلا نہ دے

انسان کو زمین پر بہت سے خونی رشتوں کے ساتھ اتارا جاتا ہے لیکن کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جو وہ اپنے دل کی مرضی سے زمین پر بناتا ہے اور ان ہی میں سے ایک رشتہ دوستی کا بھی ہے۔۔۔رائقہ کے لیے بھی جلیشہ کا ساتھ کسی نعمت سے کم نہ تھا۔۔۔وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی ساتھی تھیں۔۔۔ان دونوں نے ایک ساتھ زندگی کے کئی نشیب وفراز دیکھے تھے اور ہر گزرتے دن نے ان کی دوستی کو مضبوط تر کیا تھا۔۔۔وہ دونوں دوستیں اس وقت بھی ایک دوسرے کے ساتھ راز و نیاز میں مگن تھیں۔۔۔رائقہ اپنے والدین سے اجازت لے کر بطورِ خاص جلیشہ سے ملنے آئی تھی۔

''حمود بھائی سے کب ملوا رہی ہو مجھے؟'' ادھر ادھر کی باتیں کرتے، جلیشہ نے اچانک گفتگو کا رخ موڑا تھا۔

''تم نے انھیں مل کر کیا کرنا ہے؟'' رائقہ کی بات پر اس نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''ان کے دماغی توازن کا جائزہ لینا ہے۔'' وہ بالکل بھی سنجیدہ دکھائی نہ دیتی تھی۔

''اب جو بندہ تم جیسی سر پھری کو اپنے پلو سے باندھ لے، اس کی دماغی صحت مشکوک ہونے میں کوئی شبہ تو نہیں ہو سکتا۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔

''بڑا ہی کوئی تھکا ہوا مذاق تھا۔'' رائقہ نے منہ کے زاویے بگاڑ کر اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

''تم سے زیادہ نہیں!'' وہ بھی اسی کی دوست تھی سو بنا اثر لیے اس کی ٹانگ کھینچتی رہی۔

''تمھارے ہوتے ہوئے میں کسی بھی چیز میں آگے بڑھ ہی نہیں سکتی۔''اس کے جل کر کہنے پر جلیشہ ایک بار پھر کھلکھلا اٹھی تھی۔

''اچھا اب بکواس ہی کرتی رہو گی یا حمود بھائی کے متعلق کچھ بتاؤ گی بھی؟''اس کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے وہ پھر سے واپس اپنے آج کے پسندیدہ موضوع پہ آئی تھی۔

''کیا بتاؤں؟''رائقہ کی معصومیت انتہا پر تھی۔

''یہی کہ وہ تمھارے ساتھ کیسے ہیں؟ ان کا رویہ، ان کے گھر والے۔۔۔ان سب کے بارے میں بتاؤ۔''جلیشہ کے استفسار پر اسے مال والا واقعہ یاد آیا تھا۔

''ان کے والدین کی علیحدگی ہو چکی ہے۔۔۔وہ ڈیڈ کی اکلوتی اولاد ہیں۔''پہلے سوال کا جواب گول کرتے، اس نے آخری بات کا جواب دیا تھا۔

''اچھا! یہ بتاؤ کہ منہ دکھائی کا کیا تحفہ ملا؟''اس سوال پر رائقہ نے تھوک نگلا تھا۔

''کچھ نہیں!''جواب دیتے ہی وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

''کیا مطلب کچھ نہیں؟''جلیشہ کی حیرت حد سے سوا تھی۔۔۔رائقہ کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"منہ دکھائی ہوتی تو تحفہ بھی مل جاتا۔" خود کو اس کی متوقع صلواتیں سننے کے لیے تیار کرتی، وہ لہجے کو سرسری بنا کر بولی تھی۔

"یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟ سیدھی طرح پھوٹو کہ کیا ماجرہ ہے؟" اسے ایک ہتھڑ رسید کرتے، وہ کوفت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"یار یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آئی اور میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے کچھ وقت چاہیے ہے۔" مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق رائقہ نے حقیقت سے پردہ اٹھایا تھا۔

"کیا مطلب وقت چاہیے ہے؟ یہ کون سا نیا تماشا ہے تمھارا؟" حسبِ توقع جلیشہ استانی والے اوتار میں آئی تھی۔

"دل تو کر رہا ہے کہ ایک سے شروع کروں اور گن کے پورے سو جوتے تمھارے سر میں ماروں لیکن کیا کروں اب تم سے دوستی کی ہے تو جھیلنا تو پڑے گا نا۔" اس بار رائقہ نے بنار کے نکاح سے لے کر کل تک کی ساری روداد اس کے گوش گزار کر دی تھی اور اب جلیشہ کا بس نہ چل رہا تھا کہ اسے اٹھا کر کہیں پھینک دے۔

"میری جان! کسی بھی شادی میں سب سے اہم نکاح ہوتا ہے جو کہ ہمیشہ اپنے وقت مقررہ پہ ہی ہوتا ہے۔۔۔ یہ جو لوگ کہتے پھرتے ہیں نا کہ ابھی مجھے اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے وقت چاہیے تو

یہ سارے شیطانی وسوسے ہیں۔۔۔اگر آپ کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہو تو بہتر ہے کہ نکاح کے بعد رخصتی میں کچھ وقت لے لیا جائے لیکن جب رخصتی ہو گئی تو مرد و زن کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے زوج کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتیں۔۔۔آپ کو وقت درکار ہو تو نکاح سے پہلے سوچیں، جب ایک بار اللہ کو حاضر ناظر جان کر ایجاب و قبول کا مرحلہ طے ہو گیا تو پھر حقوق کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔" کچھ دیر اسے باتیں سنانے کے بعد وہ بولی تو اس کے لہجے میں ایک مدبرانہ پن تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن مجھے اس وقت کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا اور اب میں اپنے منہ سے تو کچھ نہیں کہہ سکتی نا! وہ اپنی والدہ کو لے کر بہت پریشان تھے، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔۔۔۔میں چاہتی تھی کہ ان کی تکلیف بانٹ سکوں لیکن میرے اپنے ہی الفاظ میرے راستے کی دیوار بن گئے۔" حمود سے ہوئی آخری گفتگو رائقہ کو ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار کر گئی تھی اور آج جلیشہ کے پاس آنے کی اصل وجہ بھی اس سے مشورہ کرنا ہی تھا کیوں کہ وہ اچھے دوست ایک نعمت والے مقولے پہ پورا اترتی تھی۔

"تم انھیں پسند کرنے لگی ہو؟" جلیشہ اس کے بچپن کی سہیلی تھی، اسے اپنی دوست کے دل کی بات جاننے میں ایک پل بھی نہیں لگا تھا۔

''اگر ان کی فکر پسندیدگی ہے تو پھر ایسا ہی سمجھو۔'' رائقہ نے دوست کے سامنے اعتراف کرنے میں پل نہیں لگایا تھا۔۔۔ وہ اک عام سی لڑکی تھی جس کی زندگی کا محور اس کا گھر اور گھر والے ہوتے ہیں اور جب بات شوہر کی ہو تو وہ اسے اپنا سب کچھ مان لیتی ہے۔۔۔ اس کے لیے محبت ضروری نہیں ہوتی بلکہ اس کے دل میں فکر جگانے کے لیے نکاح ہی کافی ہوتا ہے۔۔۔ وہ اس سے لڑتی جھگڑتی ہے لیکن جب اس پہ ایک ہلکی سی آنچ بھی آئے تو وہ تڑپ اٹھتی ہے اور رائقہ بھی اس وقت اپنے شوہر کی تکلیف میں دکھی تھی۔

''سارا کام خراب کر کے اب تمھیں ان کی پریشانی ہونے لگی ہے۔'' جلیشہ کو اب اس پہ ایک نئے سرے سے تپ چڑھی تھی۔

''تم اب کوسنے ہی دیتی رہو گی یا اس مسئلے کا کوئی حل بھی بتاؤ گی؟'' رائقہ نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''میں حل بتاؤں گی نہیں بلکہ کل کی تقریب میں دکھاؤں گی۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تو پھر رائقہ کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے اسے اپنے ذہن میں پنپتے منصوبے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔۔۔ جانے اب وہ تقریب میں کون سا نیا رائتہ پھیلانے والی تھی۔

حمود آج اپنے ایک مخبر کی اطلاع پر عوامی کپڑوں میں مختلف جگہوں کا جائزہ لینے کی غرض سے گھوم پھر رہا تھا۔۔۔ سڑک کنارے بنی پیدل چلنے کے لیے بنی گزر گاہ پہ بیٹھے فقیر سے لے کر بس اڈے پہ کھڑی سواریوں اور کسی بھی تعلیمی ادارے سے اسپتال تک سب میں ہی منشیات کی ترسیل کا کام بڑی مشاقی سے کیا جا رہا تھا۔۔۔ وہ دوربین کی مدد سے اس کام میں ملوث افراد کی شناخت کرتا، ان کے متعلق تفصیلات متعلقہ اشخاص کو بھیجتا جا رہا تھا۔۔۔ وہ اس وقت شہر کی سب سے بڑی جامعہ سے کچھ فاصلے پر موجود تھا۔۔۔ اس کی اطلاع کے مطابق یہاں اس گروہ کا ایک اہم کارندہ طلبا میں منشیات کی ترسیل کا کام خود کرتا تھا۔۔۔ حمود کا ارادہ اسے اپنے قابو میں کر کے اس سے عالی جاہ کے اہم ٹھکانوں کا پتا لینے کا تھا۔۔۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا اور کچھ ہی دیر میں اس کی نظروں کے سامنے سے ایک کار گزری، جو جامعہ میں داخل ہونے کی بجائے وہاں کھڑے کچھ طلبا کو اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔۔۔ اس کے وہاں سے جاتے ہی وہ طلباء بھی محتاط انداز میں اطراف میں نگاہیں دوڑاتے، اس سمت چلے گئے جہاں وہ گاڑی گئی تھی۔۔۔ حمود موٹر سائیکل پہ سوار تھا سو ایک قدرے سنسان سڑک کے موڑ پہ رکتے، وہ دوربین نکال کر وہیں سے اس جگہ کا جائزہ لینے لگا جہاں وہ گاڑی کھڑی تھی اور پھر اس گاڑی سے برآمد ہونے والے شخص کو دیکھتے اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا تھا۔

”کرامت علی!“ گو کہ اس کا تعلق پاک فوج سے تھا لیکن وہ اس پولیس اہلکار سے بھی واقف تھا جسے وہ ایک دو بار کسی تقریب میں مل چکا تھا۔۔۔اسے وہاں دیکھ کر حمود نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اب وہ اس کی طلبا کو سفید سفوف سے بنی گولیوں سے بھری شیشیاں دینے کی تصویریں بنانے لگا تھا۔

”بھائی! یہ پتا تو بتادو۔“ اس کی گاڑی مڑنے کی بجائے آگے بڑھ گئی تو حمود ان طلبا کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔۔۔کچھ طلبا کے وہاں سے گزر جانے کے بعد اس نے ایک لڑکے کو بہانے سے روکا جو اکیلا ہی اپنا بیگ لاپرواہی سے ایک کندھے پر ڈالے اس طرف آرہا تھا۔

”آپ تو اس علاقے سے بہت دور آگئے ہیں۔۔۔آپ ایسا کریں۔۔۔“ اس کے موبائل پر لکھا پتا پڑھ کر وہ اب اسے راستہ سمجھانے لگا تو حمود نے نہایت احتیاط سے اس کے بیگ کی ادھ کھلی زپ سے جھلکتی شیشی نکال کر اپنی جیب میں منتقل کر لی تھی۔

”بہت شکریہ بھائی!“ اپنا کام ہوتے ہی وہ موبائل اس سے پکڑتا وہاں سے چلا گیا۔۔۔وہ اب اپنے اگلے لائحہ عمل پہ کام کر رہا تھا۔۔۔کچھ ہی دیر بعد وہ متعلقہ تھانے میں موجود تھا۔

”آپ کسی طرح یہ آلہ کرامت علی کے موبائل میں لگا دیجیے۔۔۔باقی کا کام ہمارا ہے۔“ ایک اہلکار کو اس کے حصے کا کام سونپ کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔۔۔اب اسے بس اس کام کے ہو جانے کا انتظار تھا، جس میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

''آپ کا کام ہو گیا ہے سر!'' شام سے پہلے اسے یہ پیغام موصول ہو گیا تھا۔۔۔کچھ دیر قبل ہی پولیس اہلکاروں کا ایک اجلاس تھا جہاں موبائل لے جانے کی اجازت کسی کو نہیں تھی سو انھیں اپنے فون بند کر کے استقبالیہ پہ جمع کروانے تھے۔۔۔اس میں شریک افراد میں کرامت علی بھی شامل تھا سو حمود کا کام آسانی سے ہو گیا تھا۔۔۔کرامت کا فون دوبارہ چلتے ہی حمود کے پاس اس کے موجودہ مقام کی تفصیل آگئی تھی۔۔۔اب وہ جہاں بھی جاتا، حمود سے چھپ نہیں سکتا تھا۔۔۔ان کے لیے اب اپنے اگلے قدم کو اٹھانے میں یہ بہت مددگار ثابت ہونے والا تھا۔

فیروزی رنگ پر نقرئی دھاگے اور تلے کے ہلکے پھلکے کام سے مزین گھیر دار فراک کے ساتھ نقرئی رنگ کا کھسہ پہن کر کمر تک آتے بالوں کو پشت پہ کھلا چھوڑے، ہلکے پھلکے میک اپ میں آج رائقہ کسی ریاست کی شہزادی ہی لگ رہی تھی۔۔۔ہمیشہ سادگی سے رہنے والی اج ذرا سی سجاوٹ سے ہی ہر منظر پہ حاوی ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔۔۔اس کے کانوں میں پہنے نقرئی آویزے اس کے گالوں کو چومتے اپنی قسمت پہ نازاں تھے تو اس کی کلائی میں پڑی کنگنیاں اس کی ہر ہر جنبش پہ کھلکھلا رہی تھیں۔۔۔اس کے بدن سے لپٹے دوپٹے کی سرسراہٹ ایسی تھی جیسے کوئی جوگن مدہوش ہو کر

ناچتی پھرتی ہو۔۔۔اس کے ہونٹوں پہ کھلتی ہنسی اس کے اس روپ کو کچھ مزید تابنا کی بخش رہی تھی اور یہی وہ پل تھا جب پہلی بار حمود ربانی کو اپنا دل ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔۔وہ نکاح کے بولوں کی طاقت پہ تو ایمان لا ہی چکا تھا لیکن آج شاید اسے محبت کے وجود پہ بھی یقین آجانا تھا۔

''ماشاءاللہ! ہماری بیٹی تو آج پرستان سے آئی کوئی پری ہی لگ رہی ہے۔''ارسلان کی معیت میں آتے حمود نے پورے دل سے اپنے باپ کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"بہت شکریہ ڈیڈ! ویسے آپ کے بیٹے کی پسند اتنی بھی بری نہیں!''پہلا جملہ عام سے انداز میں کہہ کر، پھر ذرا سا آگے جھکتے اس نے رازدارانہ لہجہ اپنایا تھا۔۔یہ اور بات کہ اس کی یہ سرگوشی حمود کی سماعتوں سے ٹکرا کر اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔۔۔اس نے نظر بھر کر اسے دیکھا تو عین اسی پل رائقہ نے بھی اس جانب نگاہ کی تھی۔۔۔حمود کی نظروں میں جانے ایسا کون سا تاثر تھا کہ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔۔۔وہ گڑ بڑا کر فوراً اپنی نگاہوں کا زاویہ موڑ گئی تو حمود کے ہونٹوں کے کنارے پھیلے تھے۔

''میرا بیٹا بھی بہت اچھا ہے۔۔۔بس آزمائش شرط ہے۔''ان کی آنکھوں کی گستاخیوں سے بے خبر ارسلان نے بھی جواباً رائقہ کو چھیڑا تو وہ سرخ چہرہ لیے اپنا رخ ذرا سا موڑ گئی کہ اسے یقین تھا کہ ڈیڈ

کے بیٹے نے اپنے والدِ گرامی کے نادر مشورے سے ضرور حظ اٹھایا ہو گا۔۔۔اور اٹھاتا بھی کیوں نہ؟ اس کے ڈیڈ نے تو سرگوشیانہ انداز اپنانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔

"آئیں میں آپ کو بابا کے پاس لے چلتی ہوں۔" حمود کی مسکراتی نظروں سے بچنے کو اسے یہی راہ فرار سوجھی تھی۔

"میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں جو مجھے تمھاری رہنمائی کی ضرورت پڑے۔۔۔ابھی تمھارے لیے زیادہ ضروری میرے بچے کا حال احوال دریافت کرنا ہے جس کی بیوی شادی کے دوسرے دن سے ہی میکے میں جا بیٹھی ہے۔" ارسلان اس کی جان مشکل میں ڈال کر خود آگے بڑھ گیا تو رائقہ خواہ مخواہ ہی انگلیاں چٹخانے لگی۔۔۔اسے تو ارسلان سے یہ پوچھنے کا بھی خیال نہیں آیا تھا کہ آپ نے تو میرے ساتھ مل کر اپنے بیٹے کو تنگ کرنے کے منصوبے بنائے تھے اور یہاں الٹا وہ اسے پھنسا کر چلے گئے تھے۔

"کیسی ہیں آپ؟ انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ جو ارسلان کے جانے کے بعد ملکۂ جذبات بنی اپنے ہاتھوں کی شامت لاتے اس کی جانب سے کسی تعریف یا ذو معنی جملے کی منتظر تھی، اس کے عام سے انداز پر رائقہ کا سارا جوش جھاگ کی مانند بیٹھا تھا۔

”وہ بیٹھے ہیں آپ کے انکل! جا کر خود ہی پوچھ لیں۔“ رائقہ کی شدید دلی خواہش تھی کہ وہ یہ جواب اس کے منہ پر دے مارے لیکن جب وہ بولی تو اس کے الفاظ قدرے مختلف تھے۔

”میں ٹھیک ہوں اور بابا جان بھی اب الحمدللہ کافی بہتر ہیں۔“ اس کی سرد مہری کا جواب اس نے بھی سرسری سے لہجے میں ہی دیا تھا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ کی اپنے ددھیال والوں سے ملاقات ہو گئی؟ کیسے لگے سب؟“ وہ اب بھی اس کے روپ سے نگاہیں چرائے ہوئے تھا۔

”ابھی تو بس بڑے پاپا کے گھر والوں سے ہی ملی۔۔۔ باقی لوگ ابھی آئے ہی نہیں!“ ازمیر نے تقریب کا اہتمام اپنے فارم ہاؤس میں کیا تھا جو شہر سے کچھ دوری پر واقع تھا سو ابھی تمام مہمان پہنچے نہیں تھے۔

”ہک ہا!“ ان کی گفتگو کا سلسلہ کسی کی ٹھنڈی آہ بھرنے سے ٹوٹا تھا۔

”کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اس سے

وہ جو اک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا“

وہ جلیشہ تھی جو خاصے غمگیں انداز میں شعر پڑھتے رائقہ کے برابر آ کر رکی تھی۔

"بد تمیز!" اس کی نوٹنکی پہ خفت زدہ سا ہوتے رائقہ نے اسے ایک ہاتھ جڑا تھا۔

"آپ کی تعریف!" حمود نے ان دونوں کے چہرے کے تاثرات جانچتے استفسار کیا تو جلیشہ کی ادبی رگ کچھ مزید پھڑکی تھی۔

"میں اپنا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں

کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے"

اس بار اس نے احمد فراز کے شعر کو اپنے حساب سے بدل ڈالا تھا۔

"یہ جلیشہ ہے۔۔۔میرے بچپن کی دوست!" اس کی کسی اور گل افشانی سے پہلے ہی رائقہ نے تعارف کا مرحلہ نپٹا دیا تھا

"اوہ۔۔۔اوکے!" اس کے مسکراتے ہونٹ سکڑے تھے۔

"آپ یقیناً دلہا بھائی ہیں۔" رائقہ کے کندھے پہ کہنی ٹکاتے وہ اب حمود کی جانب متوجہ تھی۔

"نہیں! میں کسی دلہا کا بھائی نہیں ہوں اور نہ ہی یہاں کوئی شادی ہے۔" حمود نے خود پہ سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا تو جلیشہ نے محظوظ ہوتی نظروں سے اسے دیکھتے جواب دیا تھا:

”نہیں ہے تو ہم خود ہی شادی والا ماحول بنا دیں گے۔“اس کی بات پر حمود کے ساتھ ساتھ رائقہ نے بھی الجھن بھری حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

”مطلب؟“حمود نے سوال پوچھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

”اس کے لیے آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔“اسے ٹکا سا جواب دے کر وہ خود کو دیکھتی کم گھورتی زیادہ رائقہ کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

”آؤ! انکل انٹی سے مل لیتے ہیں۔“حمود کی نگاہوں نے دور تلک ان دونوں کا تعاقب کیا تھا۔

”یہ ابھی کیا بکواس کر رہی تھی؟“اس سے ذرا فاصلے ہر آتے رائقہ کی زبان چلنا شروع ہو گئی تھی۔

”وہ تو تمھاری عادت ہے۔۔۔میرے منھ سے تو پھول جھڑتے ہیں۔“اس کا الزام اسی پہ الٹاتے، اس نے شانِ بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے۔

”بد تمیزی نہیں کرو اور سیدھی طرح بتاؤ کہ تمھارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟“رائقہ نے ارد گرد کا خیال کرتے دھیمے لہجے میں بازپرس جاری رکھی تھی۔

”تم سے دوستی ہونے کے باوجود بھی اگر تمھیں مجھ سے کسی سیدھے کام کی امید ہے تو پھر میں تمھاری عقل پہ ماتم ہی کر سکتی ہوں۔“جلیشہ کی بونگیاں ہنوز جاری رہیں تو رائقہ کا فشارِ خون بڑھنے لگا تھا۔

”یہ کیا انکل؟ آپ نے یوں ہی سوکھے سوکھے میری دوست کی شادی کر دی۔“ حسامہ، ارسلان اور حاویہ سے ملنے اور ان کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد وہ سیدھا اپنے منصوبے کی تکمیل کی جانب آئی تھی۔

”بیٹا! بس صورت حال ہی کچھ ایسی تھی۔“ حسامہ کے انداز شفقت بھرا تھا۔

”آپ پریشان نہ ہوں، ہم بڑی دھوم دھام سے آپ کی سہیلی کا ولیمہ کریں گے۔“ ارسلان نے بھی اس کی معلومات میں اضافہ کرنا ضروری سمجھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو اس کی رخصتی دیکھنی تھی نا۔۔۔ آپ بنا نیگ دیے ہی ہماری لڑکی لے گئے۔“ جلیشہ کی اداکاری اپنے عروج پر تھی جب کہ اس کے دماغ میں چلتی سوچوں سے یکسر انجان رائقہ کو اس کے ندیدے پن پہ تپ چڑھی تھی۔

”آپ بتائیں آپ کو کتنا نیگ چاہیے ہے۔“ ارسلان کا ہاتھ فوراً جیب کی جانب گیا۔۔۔ اسے یہ چلبلی سی لڑکی بہت پسند آئی تھی۔

”آپ سے تھوڑی نا لیں گے ہم! اس کے لیے تو دلہا بھائی ہیں نا! ویسے بھی ہماری لڑکی تو اتنی سیدھی سادی ہے کہ کچھ کہتی ہی نہیں لیکن آپ کے لڑکے کے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے نا۔“ جلیشہ نے

ناصحانہ انداز اپنایا جب کہ رائقہ اس کی لن ترانیاں سنتے دل ہی دل میں اسے ہزاروں صلواتیں سنا رہی تھی۔

"کیسے ارمان؟" ارسلان متجسس نظر آتا تھا۔

"بارات لانے کا ارمان!" ان سے تھوڑا دیر کسی بندے سے محو گفتگو حمود کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کوئی اس کے دل کے ارمان پورے کرنے کی تگ ودو میں لگا ہے اور ارمان بھی وہ جن سے وہ خود بھی یکسر انجان تھا۔

"سو تو ہے لیکن کیا کریں اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔" ارسلان کو بھی تاسف نے گھیرا تھا۔

"ارے کیوں نہیں ہو سکتا! وہ کیا کہتے ہیں؟ موقع بھی ہے، دستور بھی تو پھر آج چوکا لگا ہی دیں۔" جلیشہ اب دھیرے دھیرے سانپ کو پٹاری سے باہر نکال رہی تھی۔۔۔اس کے مشورے پر ان سب نے ہی استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ کیسے؟" اس سے سوال حسامہ نے کیا تھا۔

"دیکھیں انکل! آج یہاں آپ کا سارا خاندان جمع ہے اور سونے پہ سہاگا آپ میزبان بھی ہیں اور مہمان خصوصی بھی! ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سکھیوں سہیلیوں کی ہنسی اور چھیڑ چھاڑ کے ساتھ اپنے گھر والوں کی دعاؤں میں رخصت ہو لیکن جب اس کی رخصتی ہوئی تو آپ اس کے سر پہ

دست شفقت بھی نہیں رکھ پائے۔۔۔ ویسے بھی شادی سے اگلے دن سے ہی وہ آپ کے ہی پاس ہے تو آپ آج اس تقریب میں ان کی شادی کا اعلان کرنے کے بعد اسے یہاں سے باقاعدہ رخصت کیوں نہیں کر دیتے؟'' جلیشہ کی تیزیوں پہ رائقہ کے چودہ طبق روشن ہوئے۔۔۔ تو یہ تھی اس کی منصوبہ بندی!

''بہت خوب! یہ تو بہت نیک خیال ہے۔۔۔۔ میں ابھی ازمیر بھائی کو بلاتا ہوں۔'' حسامہ سے پہلے ارسلان پرجوش سا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔۔۔ منٹوں کی بات تھی اور وہ ملاقاتی محفل شادی کی تقریب میں بدل گئی۔۔۔ حسامہ کے سارے بھائی بہنوں کے آتے ہی رائقہ کو ساری لڑکیوں کے سپرد کر دیا گیا جو اسے اندر ایک کمرے میں لے گئیں جب کہ لڑکے حمود کی جانب بڑھ گئے جو اپنے ڈیڈ کی زبانی سب سن کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔۔۔ لان کی سجاوٹ تو پہلے ہی بہت عمدگی سے کی گئی تھی، وہاں موجود ملازمین نے کچھ ہی منٹوں میں سٹیج بھی تیار کر دیا تھا۔

''دولہا بھائی! پھر مانتے ہیں نا کہ آپ کی سالی بہت کام کی چیز ہے۔'' سارے لڑکے ڈھول کی تھاپ پہ رقص کرتے ہوئے، حمود کو اسٹیج تک لائے تو جلیشہ نے اپنی قابلیت کا رعب جھاڑنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

”تھوڑے گر اپنی دوست کے لیے بھی بچا لیتیں۔“اتنا تو حمود بھی سمجھ گیا تھا کہ ان دونوں کی دوستی خاصی گہری تھی اور وہ یقیناً اُن کی شادی کے پورے قصے سے بھی بخوبی واقف تھی سو اس نے اسی حوالے سے خفیف سا طنز کیا تھا۔

”ارے! آپ کی سوچ ہے کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔“اس نے صفائی بھی ایسے دی کہ اگلا بندہ مشکوک ہی ہو جائے۔

”چلیں دیکھ ہی لیں گے۔“حمود بھی جتاتے لہجے میں گویا ہوا جب کہ اس کی ذات کے کچھ جوہر تو پہلے ہی اس پہ آشکار ہو چکے تھے۔

”شوق سے!“جلیشہ کے لہجے میں بے فکری تھی، یوں جیسے اسے اپنی دوست پہ پورا یقین ہو۔

”تو پھر جلدی سے میرا نیگ نکالیے۔“لڑکے ابھی بھی بھنگڑا ڈالتے، ایک ایک بڑے کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا رہے تھے سو وہ دونوں آرام سے محوِ گفتگو تھے۔

”کیا چاہیے آپ کو؟“جو بھی تھا حمود کو خود بھی یہ سب بہت اچھا لگا تھا سو وہ خوش دلی سے اس کی مانگ پوچھ گیا۔

”لگتا ہے میرے منصوبے نے بہت خوش کیا ہے آپ کو؟“ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتے وہ خود بھی ہولے سے ہنس دی۔۔۔ حمود کا حوصلہ افزا رویہ اسے خاصا پر سکون کر گیا ورنہ در حقیقت وہ رائقہ کی بے وقوفی کو لے کر خاصی پریشان تھی۔۔۔ یہ اور بات کہ وہ اس پہ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔

”آپ کو ایسا لگتا ہے تو ایسا ہی سہی! دوسرے فریق سے بھی اس کی مرضی پوچھ لینی تھی۔“ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے حمود نے مبہم انداز میں دوسری جانب کی صورت حال جاننے کی کوشش کی تھی۔

”اس کی فکر نہ کریں آپ! اس کی مرضی نہ ہوتی تو کوئی اسے یہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔“ حمود کو اس کے لہجے نے خاصا ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

”جلیشہ بیٹا! آپ لوگ رائقہ کو لے آئیں۔“ ازمیر نے اسٹیج پر آتے اسے مخاطب کیا تو اس کے جانے کے بعد باری باری سب لوگ حمود کے ساتھ تصاویر بنانے لگے تھے۔

”ماشاءاللہ!“ وہ ازمیر کی کسی بات کا جواب دے رہا تھا جب حاویہ کی ستائش بھری آواز پر حمود نے پل کے پل نگاہ اٹھائی لیکن سامنے کا منظر دیکھتے، اس کی نظر پلٹنے سے انکاری ہوئی تھی۔۔۔ رائقہ کا لباس گو کہ اب بھی وہی تھا لیکن اس کی مزید نوک پلک سنوارنے کے بعد اس کے دوپٹے کو کندھوں کے اطراف کسی پوشاک کی طرح پھیلا کر اس کے سر پر سرخ رنگ کا بھاری کامدانی دوپٹہ اوڑھا دیا گیا تھا۔۔۔ ہلکے پھلکے میک اپ کو تھوڑا اور گہرا کر کے اس کے کانوں میں پہنے ہلکے پھلکے آویزوں کی جگہ

بھی اب بھاری جھمکے لٹک رہے تھے۔۔۔اس کی صراحی دار گردن کے گرد بھی اب نقرئی گلوبند پہنا کر اسے مزید دلکش و دلنشیں بنا دیا گیا تھا۔۔۔اس کی جھکی پلکیں اور چہرے پہ چھائی سرخی اسے مزید خوب صورت بنا رہی تھی۔۔۔اپنے لیے سجی سنوری وہ لڑکی حمود کو پہلے سے کئی گنا زیادہ پیاری لگی۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے وہ کیوپڈ کے تیر کا شکار ہو گیا ہو۔

"دلہا بھائی! جلدی سے ہاتھ دیں۔" وہ یک ٹک اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا جب جلیشہ کی پرجوش سی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس کھینچ لائی تھی۔۔۔رائقہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پہلو میں بٹھانے سے لے کر جلیشہ اور رائقہ کے کزنز کے چٹکلوں کا حاضر دماغی سے جواب دینے اور اسے اپنے گھر لانے تک وہ ایک عجیب سرشاری کی سی کیفیت میں گھرا رہا تھا۔۔۔ان کے گھر پہنچنے تک ارسلان بھی رائقہ کے استقبال کی تیاریاں مکمل کروا چکا تھا۔۔۔رائقہ کی کچھ کزنز اور جلیشہ بھی ان کے ساتھ ہی آئے تھے تو انھوں نے یہاں بھی خاصی رونق لگا دی تھی۔۔۔خوشی سے ارسلان کے تو پاؤں ہی زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔۔۔وہ تو حاویہ اور حسامہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔۔۔حاویہ نے منع کرنا چاہا تو وہ یہ کہہ کر اس کا اعتراض رد کر گیا کہ وہ اپنی بیٹی نہیں بلکہ بیٹے کی دلہن کے استقبال کو جا رہے ہیں اور اب وہ اپنی نگرانی میں حمود کا کمرہ تیار کروا رہا تھا۔۔۔وہ آج صحیح معنوں میں بہو گھر لانے کی خوشی منا رہا تھا۔

سرخ تازہ گلابوں کے بڑے بڑے گلدستے، زمین اور کمرے کی چھت کے ساتھ لگے سیاہ، سرخ اور سنہری غبارے، جگہ جگہ جلتیں خوش بودار شمعیں، یہ سب مل کر کمرے کے ماحول پہ ایک سحر سا طاری کر رہے تھے۔۔۔ کمرے کی مشرقی دیوار کے ساتھ بچھے جہازی سائز پلنگ کے وسط میں بیٹھی رائقہ پر شوق نگاہوں سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔۔۔ سنہری کشیدہ کاری سے مزین کمرے کی سفید دیواریں اور سنہری و سرمئی امتزاج سے بنا آرائشی سامان اس کے مکین کی اعلیٰ ذوقی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔۔۔ جس وقت حمود دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا رائقہ کی توجہ کا مرکز باغیچے میں کھلنے والی قد آدم شیشے کی کھڑکی کے آگے رکھا سرمئی اور سنہری امتزاج کا لکڑی کا بڑا سا جھولا تھا۔۔۔ قریب تھا کہ وہ اٹھ کر اس پہ جا بیٹھتی لیکن حمود کے آجانے کی وجہ سے وہ اپنی اس خواہش کو تعبیر نہیں دے سکی تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' یہ سوال اس نے کچھ گھنٹوں پہلے بھی اس سے کیا تھا لیکن تب اور اب کے لہجے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔'' سیدھا ہو کر بیٹھتے رائقہ نے بھی اس پہ سلامتی بھیجی تھی۔

”میرا حال نہیں پوچھو گی؟“ سر جھکا ہونے کے باعث وہ حمود کی آنکھوں میں ناچتی شرارت نہیں دیکھ پائی تھی۔

”کیا حال ہے آپ کا؟“ وہ جھٹ بولی تو اس کی اس درجہ فرماں برداری پہ حمود ہولے سے ہنس دیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ جواب دینے کے ساتھ اس نے اس کی تعریف کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں کیا تھا۔

”شکریہ!“ ہلکی سی مسکان اپنے چہرے پہ سجائے وہ تشکر بجالائی تھی۔

”میری تعریف نہیں کرو گی؟“ اس کی طرف اپنا پھیلا ہاتھ بڑھاتے حمود نے ایک بار پھر اسے حیران کیا تھا۔

"آپ بھی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔“ فطری جھجک کے زیرِ اثر اس کی مضبوط مردانہ ہتھیلی پہ اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھتے وہ اس بار بھی اپنی فرماں برداری کا ایک اور ثبوت پیش کر رہی تھی۔

”یہ فرماں برداری سچ میں تمھاری ذات کا خاصا ہے یا پھر کسی نے کوئی سخت قسم کی پٹی پڑھائی ہے؟“ اسے احتیاط سے بستر سے اترنے میں مدد دے کر جھولے کی طرف لے جاتے وہ ایک بار پھر شرارت پہ آمادہ لگتا تھا۔۔۔ رائقہ کے حیرانی سے اسے دیکھنے پر وہ ایک بار پھر ہنس دیا تھا۔

"مذاق کر رہا ہوں۔۔۔ مجھے تمھارا شکریہ ادا کرنا تھا۔" وہ یقیناً کمرے میں داخل ہوتے ہی اس جھولے کی جانب اس کی محویت محسوس کر چکا تھا سو اب وہ اسے اسی پہ بٹھاتے، خود بھی اس کے برابر بیٹھا تھا۔

"کس لیے؟" وہ یقیناً اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

"میری بننے کے لیے!" اس کے استفسار پر حمود نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ پلکوں کی چلمن گرا گئی تھی۔

"رائقہ! میں ایک سیدھا سادہ سا بندہ ہوں جس نے زندگی میں بہت سی مشکلات بھی دیکھی ہیں لیکن ڈیڈ اور حسامہ انکل نے مجھے جینے کا ایسا ڈھنگ سکھایا ہے کہ مجھے اب کوئی چیز پریشان نہیں کرتی ماسوائے اپنے فرض میں کوتاہی کے!" اس کا ہاتھ پکڑ کر بولتے وہ اب خاصا سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔

"محبت کے وجود سے انکاری نہ ہونے کے باوجود میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی لیکن تم سے نکاح کے بعد سے مجھے یوں لگنے لگا ہے کہ میں جلد ہی اس کا شکار ہو جاؤں گا۔" وہ اب اسے ان کے رشتے کو لے کر اپنی مخلصی دکھا رہا تھا۔

"بہر کیف میں زیادہ تکلفات میں پڑنے والا شخص نہیں اور نہ ہی میں نے کبھی اپنے جیون ساتھی کا کوئی تصوراتی خاکہ بنا رکھا تھا سو جب میں نے تمھیں بطور شریک حیات اپنی زندگی میں شامل کیا، میں

اسی وقت اس رشتے کو نبھانے کی ٹھان چکا تھا اور مجھے امید ہے کہ تم بھی اس سفر میں میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو۔" اس نے لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی بجائے بنا کسی لگی لپٹی کے آسان الفاظ میں اپنی نظر میں اس رشتے کی اہمیت اس پہ واضح کر دی تھی۔

"میرا اس وقت یہاں ہونا ہی آپ کے ہر سوال کا مثبت جواب ہے۔" رائقہ نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کرتے دیر نہیں لگائی تھی۔۔۔اس سمے حمود کو احساس ہوا کہ جلیشہ نے سچ کہا تھا کہ اسے اس کی مرضی کے بغیر کسی بھی چیز کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔۔۔اس کا لہجہ بظاہر سادہ تھا مگر اس کی مضبوطی اس کے دوٹوک ارادوں کا پتا دیتی تھی۔

"اجازت ہے۔؟" اس کے مومی ہاتھ میں اپنے نام کی انگوٹھی پہناتے وہ اسے ایک ایسے سفر پہ لے کے روانہ ہوا، جس کی منزل یقیناً محبت کے سوا اور کچھ نہ تھی۔

آج کرامت علی سرِ شام ہی گھر واپس آ گیا تھا۔۔۔اس کے ہاتھ میں موجود ایک پھولا ہوا خاکی تھیلا دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ یقیناً اپنی ترقی کی خوشی میں اپنے اہلِ خانہ کے لیے نئے تحائف لے کر آیا تھا۔

"یہ تو بہت خوب صورت ہے۔" تھوڑی ہی دیر میں کنول ہاتھ میں ایک مخملی ڈبہ پکڑے اس میں موجود طلائی سیٹ پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے ستائشی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"تم سے زیادہ خوب صورت تھوڑی ہے۔۔۔اب دیکھتی ہی رہو گی کہ پہن کر بھی دکھاؤ گی۔" مجوبانہ انداز میں کہتے وہ ہولے سے مسکرایا تو کنول ڈبے سے زیور نکال کر خوشی خوشی پہننے لگی۔

"دل فریب!" اپنی بیوی کی طرف جھکتے اس کا لہجہ بوجھل ہوا تھا۔

"ایسے ہی خوش رہا کرو۔۔۔جب تم لڑتی ہو تو بالکل اچھی نہیں لگتی۔" خوشی سے نہال کنول کی باچھیں کھل اٹھیں تو اس کے چہرے کی لالی دیکھتے کرامت علی نے پچھلی کسی لڑائی کا حوالہ دیا تھا۔

"آپ ایسے تحائف دیتے رہا کریں تو میری کیا مجال کہ اپنے مزاج کو برہم ہونے دوں۔" کندھے اچکا کر بے نیازی سے بولتی وہ خوب صورت بلا یقیناً حرص و طمع کا شکار تھی، جس کے سب سے اہم مادی آسائشات ہی ہوتی ہیں۔۔۔ کرامت علی کو اس رستے پہ چلانے کا موجب بھی یقیناً وہی تھی۔

"میں تم لوگوں کے لیے ہی تو اتنی محنت کرتا ہوں۔۔۔اب تم ہی خوش نہیں رہو گی تو یہ سب میرے کس کام کا؟" اس کا خوشامدی لہجہ اس کی ازدواجی زندگی میں یقیناً اس کی بیوی کی برتری کو ثابت کرتا تھا۔

"یہ شہریار کدھر گم رہتا ہے؟ کتنے دن ہوئے اسے دیکھا نہیں!" بیوی سے دھیان ہٹا تو اسے بیٹے کی یاد ستائی تھی۔

"کہتا ہے کہ پڑھائی بڑی مشکل ہے تو اکثر دوستوں کے ساتھ پڑھنے چلا جاتا ہے یا کبھی اس کا کوئی دوست ساتھ مل کر پڑھنے آجاتا ہے۔" اس کے لہجے کی لاپرواہی بتاتی تھی کہ اس کا شمار ان ماؤں میں ہوتا ہے جو اپنے بچوں کی سرگرمیوں پہ نظر رکھے بنا ہی اس کے ہر صحیح غلط کا دفاع کرنا جانتی ہیں۔

"عنایہ نہیں آئی ابھی تک؟" بیٹے کے بعد اب اسے بیٹی کا بھی خیال آیا جو شام ڈھلنے کے بعد بھی ابھی گھر واپس نہ لوٹی تھی۔

"اس کی کسی دوست کی سالگرہ تھی تو اس نے جامعہ سے واپسی پر اس کی طرف جانا تھا۔" سرسری سے لہجے میں کہتے اس کے انداز میں کسی قسم کی فکر یا پریشانی نہیں تھی۔

"کون سی دوست؟ تم نے پوچھا نہیں؟" کرامت علی کچھ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

"یہ آپ کا تھانہ نہیں سو تفتیش شروع نہ کریں۔۔۔ آئے گی تو پوچھ لیجیے گا کہ کون سی دوست؟" لٹھ مار انداز میں کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تو کرامت علی کے دل میں پہلی بار ایک ڈر سا پیدا ہوا تھا۔۔۔

دوسری جانب نئی نئی محبت کے جال میں پھنسی عنایہ کو علم ہی نہیں تھا کہ وہ کس عذاب میں پھنسنے

والی تھی۔ زمین تو ابھی کرامت علی کے پیروں کے نیچے سے نکلنے تھی جب اسے علم ہوتا کہ اس کی بیٹی عالی جاہ کے بیٹے کے عشق میں گرفتار ہوئی ہے۔

ملن کی ساعت کو اس طرح سے امر کیا ہے

تمھاری یادوں کے ساتھ تنہا سفر کیا ہے

سنا ہے اس رُت کو دیکھ کر تم بھی رو پڑے تھے

سنا ہے بارش نے سنگ دل پر اثر کیا ہے

گھٹن بڑھی ہے تو پھر اسی کو صدائیں دی ہیں

کہ جس ہوا نے ہر اک شجر بے ثمر کیا ہے

ہے تیرے اندر بسی ہوئی ایک اور دنیا

مگر کبھی تُو نے اتنا لمبا سفر کیا ہے

بہت سی آنکھوں میں تیرگی گھر بنا چکی ہے

بہت سی آنکھوں نے انتظارِ سحر کیا ہے

آنس معین

صبح کی سپیدی پھیلی تو ایک روشن سویرے نے بنی نوعِ انساں میں امید کی ایک نئی کرن جگادی تھی۔۔۔ربانی منزل کے باورچی خانے میں موجود رائقہ مشاقی سے ہاتھ چلاتی آج بڑے دل سے حمود کے لیے ناشتہ بنا رہی تھی اور وہاں سے اٹھتی اشتہا انگیز خوش بو باہر بیٹھے مکینوں کے نتھنوں سے ٹکراتے ان کی بھوک کچھ مزید چمکا رہی تھی۔

"آج میں بہت خوش ہوں کہ ایک عرصہ بعد اینٹ گارے سے بنا یہ مکان مجھے ایک گھر لگ رہا ہے۔" ارسلان کی بات پر حمود کے ذہن کے پردے پر کچھ دن پہلے کا منظر تازہ ہوا جب وہ روزی سے ملا تھا لیکن اس نے ارسلان سے اس بابت ذکر نہیں کیا۔۔۔وہ دونوں باپ بیٹا اسے لے کر بات نہیں کرتے تھے کہ یہ امر تکلیف دہ تھا لیکن وہ دونوں اسے یاد ضرور کرتے تھے۔۔۔ارسلان کے ساتھ

کاروبار دیکھنے کی بدولت وہ کوئی بہت گھریلو خاتون نہیں تھی مگر کبھی کبھار اسے گھرداری کا شوق چڑھتا تو انھیں ایسی عیاشیاں ضرور میسر آجاتیں جب وہ کسی خاتون خانہ کے ہاتھ کا بنا کھانا کھاتے تھے۔

''مجھے تو بس یہی فکر ستائے جا رہی ہے کہ اگر آپ کی بہو روز روز ایسے ہی نت نئے پکوان بناتی رہی تو بہت جلد میری توند نکل آئے گی۔''اس نے ان تکلیف دہ یادوں سے پیچھا چھڑانے کی خاطر ہلکے پھلکے لہجے میں احتجاج کرتے دہائی دی کہ ان کے منع کرنے کے باوجود پچھلے ایک ہفتے سے ناشتے اور رات کے کھانے کی ذمہ داری رائقہ نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔

''تو تم ہاتھ روک کر کھایا کرو۔''اس کی بات سے محظوظ ہوتے ارسلان نے اسے ایک مفید مشورے سے نوازا تھا۔

''اب کھانا لذت اور اپنائیت سے بھرپور ہو تو کوئی دیوانہ ہی اپنے ہاتھ روک پائے گا۔''وہ منہ لٹکا کر اپنی بے چارگی کا اظہار کرتے ارسلان کو ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''وہ تو مجھے اب تم بھی لگتے ہو۔''ارسلان کا اشارہ یقیناً لفظ 'دیوانہ' کی طرف تھا۔۔۔چند ہی دن گزرے تھے اور وہ دونوں میاں بیوی ایک دوجے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے تھے۔۔۔حمود کو

گھر آتے ہی سب سے پہلے رائقہ کا دیدار مطلوب تھا تو رائقہ کو بھی صبح شام اسے باہر سے رخصت کرنا اور وہیں کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرنا پسند آ گیا تھا۔

''یہ لیں جناب! گرما گرم ناشتہ!'' ان کی باتوں کے بیچ رائقہ کی نگرانی میں خانساماں ناشتے کے لوازمات کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

''تم بھی بیٹھ کر ناشتہ کرو۔۔۔ باقی رحیم دیکھ لے گا۔'' اسے ٹرالی کی سمت جاتا دیکھ کر حمود نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے اپنے برابر بٹھایا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اس ہفتے تم لوگوں کے ولیمہ کی تقریب منعقد کر لوں۔'' رحیم کے منظر سے ہٹتے ہی ارسلان نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''ابھی کچھ دن رک جائیں! ایک کیس کی وجہ سے ایاس ہماری شادی میں بھی شرکت نہیں کر سکے لیکن میں چاہتی ہوں کہ وہ ہمارے ولیمہ کی تقریب میں ضرور شریک ہوں۔'' کانٹے کی مدد سے آملیٹ اپنی تھالی میں رکھتی رائقہ نے نفی میں سر ہلاتے فرمائش کی تو حمود بھی تائیدی انداز میں سر ہلا گیا تھا۔

''ڈیڈ! میں بھی آج کل ایک اہم کیس پہ کام کر رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ رب کی رضا شاملِ حال رہی تو اگلے ہفتے یہ معاملہ نپٹ جائے گا۔۔۔ میرے خیال سے تب تک ایاس بھی فارغ ہو جائے

گا تو پھر آپ جب چاہیں تقریب رکھ لیجے گا۔'' حمود کی حمایت پر اس نے ممنون نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھا جو پہلی ملاقات میں اسے خاصا کھڑوس لگا تھا لیکن آج وہ اس کے مزاج کی حلاوت کی گرویدہ تھی۔

''جیسے تم لوگوں کی مرضی! ویسے تم آج کل عالی جاہ کے پیچھے لگے ہو نا؟'' ارسلان کے منھ سے یہ نام سن کر رائقہ کے کان کھڑے ہوئے کہ یہ نام تو اس نے ایاس کے منھ سے بھی سنا تھا۔

''جی ڈیڈ! بس آپ دعا کریں کہ اس بار وہ ہمارے ہاتھ آ جائے۔۔۔ اس کے بعد ہم کسی کی سفارش قبول نہیں کریں گے۔۔۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ اسے بیچ چوراہے پر گولیوں سے بھون کر رکھ دوں لیکن افسوس کہ میرے فرض نے میرے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔'' حمود بولتے بولتے پر جوش ہوا تھا۔

''میری تو ساری دعائیں ہی تمھارے لیے ہیں۔'' ارسلان کا انداز محبت بھرا تھا۔

''اور میرے لیے؟'' رائقہ کو جھٹ اپنی فکر لگی تھی۔

''تم دونوں الگ تھوڑی ہو۔'' اس کے جواب پہ رائقہ خوش دلی سے مسکرا دی کہ اسے اس چیز کی ہی توقع تھی اور وہ خود بھی یہی سننا چاہتی تھی۔

''ناشتہ بہت مزیدار تھا لیکن میں تمھیں روز روز یہ بنانے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' گود میں رکھے رومال سے ہونٹ تھپتھپاتے حمود اٹھ کھڑا ہوا تو رائقہ نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

''وہ کیوں؟''اس نے اپنی موٹی موٹی آنکھوں کو کچھ مزید پھیلا کر حیرانی سے پوچھا تو حمود کو اس پہ بے طرح پیار آیا لیکن اس کے اظہار کے لیے یہ جگہ ہرگز مناسب نہیں تھی۔

''میں موٹا نہیں ہونا چاہتا۔۔۔اچھا! اب میں چلتا ہوں۔''تفصیل بتاتے اس نے میز سے اپنی ٹوپی اٹھائی تو رائقہ بھی اس کی معیت میں خارجی دروازے کی طرف گئی تھی۔

''اپنا خیال رکھیے گا۔''احاطے کی سیڑھیوں پر پہنچتے رائقہ نے اسے تاکید کی تو وہ مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپا گیا تھا۔

''تم بھی!''وہ پلٹ کر فوجی جیپ میں جا بیٹھا تو رائقہ بھی اسے اللہ کی امان میں دے کر واپس اندر کی جانب چلی گئی تھی۔

یہ شہر کی فوجی چھاؤنی کی مرکزی عمارت تھی جہاں آج کچھ افسران ایک خاص مقصد کے تحت اکٹھا ہوئے تھے۔۔۔وہ سب ایک لمبی سی میز کے گرد بیٹھے سربراہی کرسی پہ براجمان افسر کی طرف متوجہ تھے جو آج کے اس اجلاس کے چند اہم بنیادی نکات ان کے گوش گزار کر رہا تھا۔

”عبدالکلیم عرف عالی جاہ پچھلے ایک لمبے عرصے سے ہمیں مطلوب ہے لیکن کچھ بااثر شخصیات کا ہاتھ اس کے سر پہ ہونے کی بدولت ہم ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے سو اب ہم نے ہر طرف سے اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔“ اس افسر کے ہر لفظ میں سچائی تھی کہ آج ہمارے معاشرے میں زیادہ تر اربابِ اختیار ہمیشہ ایسے بدقماشوں کی سرپرستی کرتے ہی نظر آتے ہیں اور جو ان کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، اسے منظر سے غائب کر دیا جاتا ہے۔

”میجر حمود اس کے گرگوں کا پتا چلا چکے ہیں جو منشیات کی ترسیل کا کام کرتے ہیں۔۔۔ میجر ایاس اس کے کئی اسلحہ ڈپو کھوج چکے ہیں۔۔۔ کیپٹن فاریہ اس کے کئی دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کے کافی ٹھوس ثبوت تلاش چکی ہیں۔۔۔ لیفٹیننٹ اسرار اس کے انسان اور انسانی اعضا کی اندرون و بیرون ملک غیر قانونی ابلاغ کے کاروبار کے متعلق خاصی تفصیل سے مواد اکٹھا کر چکے ہیں سو اب ہمیں بہت احتیاط سے اس پہ ہاتھ ڈالنا ہے تاکہ اس بار وہ بچ نہ سکے۔“ اس نے ایک ایک کر کے اس اجلاس کے تمام اراکین کی کارکردگی رپورٹ پیش کی تھی۔

”سر! کیا میں اس ضمن میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟“ اپنے افسر کی بات کے اختتام پر حمود نے اس سے اجازت طلب کی تھی۔

”جی میجر حمود! کہیے!“ بولنے کا عندیہ ملتے ہی وہ کچھ آگے کو ہو بیٹھا تھا۔

”سر! پرسوں عالی جاہ کی میگا فیشن شو میں آمد کی خبر پکی ہے۔۔۔اور اسی دن اس کا چھوٹا بیٹا اس کے سارے حلیفوں کے ساتھ ایک مشترکہ ملاقات کرنے والا ہے۔۔۔ہماری اطلاعات کے مطابق وہ اس کا گدی نشین ہونے والا ہے تو کیوں نہ ہم اس شو سے واپسی پر عالی جاہ اور اس کی وہاں موجودگی کے دوران اس کے سارے ساتھیوں کو ایک ساتھ گرفتار کر لیں؟“ وہ پرجوش سے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔

”سر! اس کے علاوہ اس سارے عمل کے دوران ہم اس بینکویٹ کے اطراف میں کچھ دیر کے لیے موبائل سگنلز کی فراہمی معطل کر دیں گے تاکہ اسے بچ نکلنے کا موقع نہ مل سکے۔۔۔اور اس کے ساتھ ہی ساتھ۔۔۔“ حمود کی گفتگو کو اپاس نے کچھ مزید آگے بڑھایا تھا۔

”آپ کا خیال تو اچھا ہے لیکن اس کے لیے مجھے حکام بالا سے اجازت لینا ہو گی۔۔۔آپ لوگ اس پہ ہوم ورک مکمل کر لیں، تب تک میں اوپر بات کر لیتا ہوں۔“ اپنے افسر کی نیم رضامندی پہ وہ سب ہی ایک اچھی امید کے ساتھ اس منصوبے کی مزید نوک پلک سنوارنے لگے تھے۔

شرما گئے لجا گئے دامن چھڑا گئے

اے عشق مرحبا وہ یہاں تک تو آ گئے

دل پر ہزار طرح کے اوہام چھا گئے

یہ تم نے کیا کیا مری دنیا میں آ گئے

سب کچھ لٹا کے راہ محبت میں اہل دل

خوش ہیں کہ جیسے دولت کونین پا گئے

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا

وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

عقل و جنوں میں سب کی تھیں راہیں جدا جدا

ہر پھر کے لیکن ایک ہی منزل پہ آ گئے

اب کیا کروں میں فطرت ناکام عشق کو

جتنے تھے حادثات مجھے راس آ گئے

جگر مراد آبادی

سرمئی پردوں سے چھن کر آتی چاند کی روشنی، ہوا میں رچی رات کی رانی کی مہک، ربانی منزل کے باغیچے میں بنی مصنوعی آبشار میں گرتے پانی کی مدھم آواز، اور کمرے میں پھیلی خاموشی رائقہ پہ ایک عجیب سرور ساطاری کر رہی تھی۔۔۔اس سے اس کے دل میں حمود کے ساتھ کی شدید خواہش جاگی تھی۔

''کدھر ہیں آپ؟'' دل ہی دل میں اسے مخاطب کرتے اس نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔۔۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے جی بھر کر باتیں کرے لیکن وہ تھا کہ میسر ہی نہیں تھا۔

"کچھ عرصہ پہلے تک مجھے محبت کے م سے بھی واقفیت نہیں تھی اور آج میرا جی چاہتا ہے کہ میں سب کام چھوڑ کر آپ کے ساتھ کسی پرسکون گوشے میں بیٹھ کر آسمان پہ چمکتے ان ننھے تاروں کو دیکھتی رہوں۔" وہ بستر سے اٹھ کر اب کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی تو ڈھیروں تاروں کے بیچ چمکتے چاند میں ابھرتی حمود کی شبیہ نے اس کے اندر دفن خواہشات کو الفاظ دیے تھے۔

"میں نے سوچا نہیں تھا کہ کبھی آپ کے بغیر رہنا یوں محال ہو جائے گا۔" اس وقت اس نے اتنی شدت سے حمود کو یاد کیا تھا کہ قدرت کو بھی اس پہ پیار آگیا اور اسی پل مرکزی پھاٹک پہ حمود کی گاڑی کا مخصوص ہارن بجا تھا۔۔۔ دل کی بے قراری پہ لبیک کہتے وہ دوڑتے قدموں سے دروازے کی طرف لپکی تھی۔

"کدھر رہ گئے تھے آپ؟ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" حمود داخلی دروازے سے اندر آیا تو سامنے ہی بے ترتیب ہوتی سانسوں کے ساتھ وہاں آتی رائقہ کی یہ بے اختیاری اسے ایک لمحے کے لیے ساکن کر گئی تھی۔

"مجھے علم ہوتا کہ واپس لوٹتے ہی یوں ایک لمحے میں میرے دن بھر کی تھکن اتر جائے گی تو کبھی اتنی دیر نہ کرتا۔" اس کی جانب بڑھتے حمود کے لہجے کا بوجھل پن رائقہ کی دھڑکنیں کچھ مزید تیز کر گیا

تھا۔۔۔ شوہر تھکا ہارا گھر لوٹے اور بیوی اپنی ایک جھلک سے ہی اس کی روح تک کو سیر اب کر دے، تو اس سے بڑھ کر نعمت ایک مرد کے لیے اور کیا ہو گی بھلا؟

"علم تو مجھے بھی نہیں تھا کہ آپ کی موجودگی میرے لیے آکسیجن کا کام کرے گی۔۔۔ آپ کا ہونا میری دھڑکنوں کی ضمانت بن جائے گا۔" اپنے گرد اس کے بازو کا حصار بنتا دیکھ اس کے جی میں آیا کہ چیخ چیخ کر اس کے لیے اپنی محبت کا اعلان کر دے لیکن اس شخص کی قربت نے اس کی گویائی ہی سلب کر لی تھی۔۔۔ وہ دونوں ہی اس لمحے بس ایک دوسرے کی موجودگی محسوس کر رہے تھے۔

"کھانا کھائیں گے آپ؟" کچھ دیر بعد اس کی دھڑکنیں اعتدال پہ آئیں تو اس نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر استفسار کیا تھا۔

"اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ گی تو ضرور!" حمود نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے فرمائش کی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

"آپ تازہ دم ہو جائیں، میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔" اپنے کہے کے مطابق وہ کچھ ہی دیر میں اس لڑکی کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا جو زمین پہ اسے نخرے دکھانے اور خود اس کے لاڈ اٹھانے کے لیے بھیجی گئی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" وہ کھانا کھاتے ہوئے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا تو رائقہ نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"تم قسمت پہ یقین رکھتی ہو؟" اس نے بے خودی کی سی کیفیت میں سوال در سوال کیا تھا۔

"مطلب؟" اس کی آنکھوں کے ساتھ اس کے لہجے میں بھی تحیر ابھرا تھا۔

"تمھیں نہیں لگتا کہ ہمارا ملنا محض ایک اتفاق نہیں تھا بلکہ یہ ہماری تقدیر کا لکھا تھا۔" اس جواب پر وہ کھل کے مسکرا دی تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ یہ قسمت اور اتفاق کی ملی بھگت ہے کہ آج ہم یوں ساتھ ہیں۔۔۔ کچھ دن پہلے تک میں آپ کو تنگ کرنے کے منصوبے بنا رہی تھی کہ اسپتال میں بابا نے آپ کو ہم پر ترجیح دی جو انھوں نے آپ سے ملاقات کا کہا لیکن آج سوچتی ہوں تو لگتا ہے کہ زندگی آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں۔" اس بار رائقہ نے جذبات کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

"بالکل! یہاں تمھارے ساتھ بیٹھ کر میں اپنی گزشتہ زندگی کو سوچوں تو حاصلِ زندگی صرف تم ہی لگتی ہو۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ اگر تم نہ ہوتی تو میری زندگی کیسی ہوتی؟ ہماری پہلی ملاقات میں تم مجھے ایک سر پھری اور لاابالی سی لڑکی لگی تھی لیکن آج میری سوچ یکسر مختلف ہے۔" وہ دونوں ہی آج

اپنے دل کی ہر بات کہہ دینا چاہتے تھے۔۔۔ قسمت نے مختلف دنیاؤں کے باسی ان دو لوگوں کو ایک ساتھ بٹھا کر ان کو اک دوجے کے لیے لازم وملزوم ٹھہرا دیا تھا۔

"وہ ملاقات!" اس منظر کو سوچتی وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔

"تب میرے سر پہ باپ بھائی کا سایہ نہیں تھا سو اس چیز نے مجھے بے خوف بنا دیا تھا۔۔۔ ویسے بھی امی نے بچپن سے ہی مجھے سکھایا تھا کہ مجھے اپنی حفاظت خود کرنی ہے سو میں نے کبھی کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ میرے ساتھ زیادتی کر کے چلا جائے اور میں اسے ایک لفظ بھی نہ کہوں۔۔۔ میرے نزدیک کچھ جگہوں پہ بولنا ضروری ہوتا ہے، اپنے ساتھ غلط ہونے کے بعد بھی ہم خاموش رہیں گے تو خود کے ساتھ زیادتی کریں گے۔" وہ محظوظ نظروں سے رائقہ کو دیکھتا، اس کی باتیں سن رہا تھا جو سراسر حقیقت پہ مبنی تھیں۔

"اس دن شاید میں آپ کو پاگل لگی ہوں لیکن حقیقت یہی ہے کہ اگر آپ وہاں رک کر میری خیریت پوچھ لیتے کہ مجھے زیادہ تو نہیں لگی یا آپ معذرت ہی کر دیتے تو میں کبھی ویسا ردعمل نہ دکھاتی جیسا تب دکھایا تھا۔۔۔ مجھے اصل غصہ ہی اس بات پہ آیا تھا کہ آپ نے ایک پل بھی وہاں رکنے کی زحمت نہیں کی۔" اس کی وضاحت حمود کو بھی بہت کچھ یاد دلا گئی تھی۔

"میں اگر وہاں رک جاتا تو پیچھے گاڑیوں کی قطاریں لگ جاتیں سو میرا ارادہ موڑ کاٹ کر تم تک آنے کا تھا لیکن پھر حسامہ انکل کا فون آ گیا تو میں گاڑی روک کر ان سے بات کرنے لگا جو کہ پھر تم نے مکمل ہی نہیں کرنے دی۔" اس کی بات کے اختتام پر وہ دونوں ہی گزرے وقت کو یاد کر کے کھل کر ہنس دیے تھے۔

"اب مجھے کیا پتا تھا کہ آپ جناب کتنی مصروف ہستی ہیں۔" رائقہ نے ہنستے ہوئے ہی یہ بات کہی تھی۔

"جو بھی ہے لیکن مجھے تمھاری سوچ اچھی لگی۔۔۔ ہر انسان، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کو اتنا ہی بہادر ہونا چاہیے کہ وہ اپنے حق کے لیے لڑ سکے۔" حمود کی تعریف پر وہ کھل اٹھی تھی۔

"اچھا آپ کو ایک اور بات بتاؤں جو آپ نے پوچھی تھی کہ میں کیا کرتی ہوں؟" کچھ یاد آنے پر وہ پھر سے پر جوش ہوئی تو حمود نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔

"ضرور بتاؤ!" اس کا سر سہلاتے حمود نے اس پہ بالکل بھی عیاں نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنے ڈیڈ اور اس کے والدین کے توسط سے اس کے ارادوں سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔

''مجھے صحافی بہت اچھے لگتے ہیں اور میں شادی سے پہلے اسی شعبے میں ایم فل میں داخلے کی تیاری کر رہی تھی۔۔۔مجھے امید ہے کہ اب آپ مجھے روکیں گے نہیں!''اس کے لہجے میں ایک مان تھا جو حمود کو ہی سلامت رکھنا تھا۔

''بالکل نہیں روکوں گا۔۔۔ تمھارا جو دل چاہے وہ کرو۔''اس کا سر سہلاتے حمود نے اسے اڑنے کو پنکھ دیے تھے۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔''فرط مسرت سے اس کے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹتے، وہ بچوں کی سی خوشی سے بولی تھی۔

''اب میں ایک بات بولوں؟''اس کے سوال پر رائقہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟''حمود نے اس کی پیشانی پہ اپنا لمس چھوڑتے، چند پل یوں ہی اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔''گھمبیرتا سے بھرپور یہ الفاظ رائقہ کے چہرے پہ حیا کی لالی بکھیر گئے تو اوپر اٹھیں گھنیری پلکیں جھٹ سے اس کی آنکھوں پہ سایہ فگن ہوئی تھیں۔

''مجھے بھی!''حیا آلود مسکان کے ساتھ محبت کا جواب محبت سے دیتے وہ شرما کر اسی کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ گئی تھی۔

''یہ بالکل ایک خواب جیسا لگتا ہے۔''حمود کا مخمور لہجہ رائقہ کے اندر ایک نئی روح پھونک گیا تھا۔

''اور مجھے یہ اپنی امی کی دعاؤں کا صلہ لگتا ہے۔''اپنی سوچ کا اظہار کرتے اس نے سر اٹھانے کی غلطی نہ کی کہ اس وقت حمود کی آنکھوں میں دیکھنا اس کے لیے ایک مشکل امر تھا۔۔اسے خود میں بھینچتے حمود نے آنکھیں موند لیں۔۔۔یہ محبت ہی تو تھی جو قسمت کا ہاتھ پکڑ کر انھیں زندگی کی اس پھولوں بھری راہ گزر پہ لے آئی تھی جس سے آگے صرف خوشیاں ہی ان کی منتظر تھیں۔

شام کے دھندلکے سائے رات کی چادر اوڑھ کر تاروں کے دیپ جلانے لگے تو شہر کے انتہائی پوش ترین علاقے میں واقع اس عالیشان بینکوئٹ کے بڑے سے ہال میں شوبز اور وضع طراز صحافت سے منسلک افراد کی ایک بڑی تعداد جلوہ افروز ہونے لگی۔۔۔یہ وہ لوگ تھے جن کے دن زیادہ تر ستی بھرے اور راتیں شباب و شراب کے ساتھ گزرتی تھیں۔۔۔۔یہاں اور بھی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے لیکن ان سب کا شمار بھی امیر ترین طبقے میں ہوتا تھا۔۔۔ہر دو منٹ بعد کوئی چمچماتی گاڑی آکر اس بینکوئٹ کے مرکزی پھاٹک کے سامنے رکتی اور وہاں موجود مختلف نجی و سرکاری خبر رساں ایجنسیوں کے کیمرہ مین یوں دھڑا دھڑ ان کی تصاویر لیتے جیسے خوش رنگ پھولوں پہ شہد کی مکھیاں رقص کر رہی ہوں۔۔۔۔اندر ہال سے متصل پچھلی

راہداری کی طرف آئیں تو وہاں اس وقت مقسوے لگا کر اسے قیام گاہ، سنگھار کمرہ اور انتظار گاہ کی شکل دی گئی تھی جبکہ اس فیشن شو میں شریک ماڈلز کے لباس تبدیل کرنے کے لیے اس راہداری کے سرے پر موجود کمرے کو مختص کیا گیا تھا۔۔۔ہال کی خاموشی کی نسبت اس وقت اس راہداری میں بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔۔۔ہر ماڈل کو پہلے اور بہترین تیار ہونے کی فکر تھی۔۔۔۔ان سب میں ایک لڑکی ایسی بھی تھی جو آرام سے ایک طرف بیٹھی، بے فکری سے چیونگم چباتے وہاں موجود باقی لڑکیوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرتا دیکھ رہی تھی۔۔۔بھورے بالوں اور سرمئی آنکھوں والی وہ لڑکی اس ساری تقریب کی شو سٹاپر جازمہ نبیل تھی، جس نے اس فیشن شو کے اختتام پر جلوہ افروز ہونا تھا۔۔۔شوبز کی دنیا میں ایک شو سٹاپر کوئی ایسا سین، موسیقی یا اداکار ہوتا ہے جسے سب سے زیادہ داد و تحسین سے نوازا جاتا ہے۔۔۔ایک شو سٹاپر کے لیے منفرد اور حیران کن ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عوام کی توجہ کھینچ سکے۔۔۔بالکل اسی طرح جب کوئی ڈیزائنر کسی فیشن شو میں اپنے تخلیق کردہ ملبوسات کو نمائش کے لیے پیش کرتا ہے تو ان میں سے بہترین لباس کو وہ شو کے آخر میں سب کی نظروں میں لاتا ہے اور اس لباس کی نمائش کی غرض سے ماڈل کا انتخاب بھی بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے اور آج کل قریباً ہر فیشن شو میں بطور شو سٹاپر اسی کو منتخب کیا جا رہا تھا۔

اس فیشن شو کے شروع ہونے میں پانچ دس منٹ ہی باقی تھے جب ایک سیاہ چمچماتی مرسڈیز بینکوئٹ کے احاطے میں آکر رکی۔۔۔اس میں سے برآمد ہونے والی شخصیت کو دیکھتے ہی تمام کیمرہ مین پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے کھٹا کھٹ اس کی تصاویر بنانے لگے۔۔۔وہ عبدالکلیم عرف عالی جاہ تھا۔۔۔شوبز کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام! وہ ہدایتکاری یا اداکاری میں نام نہیں کمار ہا تھا بلکہ وہ آج کے شو کا مہمان خصوصی اس لیے تھا کہ وہ اس شعبے میں سرمایہ کاری کر رہا تھا۔۔۔اپنے کالے دھن کو وہ صرف انھی تخلیق کاروں کی فلموں میں لگاتا، جن کی کامیابی کا اسے سو فی صد یقین ہوتا تھا اور اس کام کے لیے وہ خود ہر فلم کی کہانی میں دلچسپی لیتا تھا۔۔۔اس شعبے سے وابستہ قریب سب افراد اس کے کالے کرتوتوں سے واقف تھی مگر اس کا پیسہ سب کی بولتی بند کروانے کے لیے کافی تھا۔۔۔آج کوئی اور بھی تھا اس کے ساتھ جو پل بھر میں سب کی توجہ کھینچ گیا۔۔۔وہ دونوں آج کے فیشن شو کے سیاہ و سنہری تھیم کے برعکس سرمئی رنگ کے ٹو پیس میں ملبوس تھے۔۔۔عبدالکلیم ان سب کی توقع کے برعکس اس انسان کا تعارف کروائے بنا ہی اسے لیے اندر کی سمت بڑھ گیا جو اپنی بھرپور مردانہ وجاہت سے وہاں موجود کئی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''عالی جاہ! اچھا لگا آپ کو یہاں دیکھ کر!'' جازمہ نبیل نے اس شو کی انتظامیہ کی ایما پر اسے پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ پیش کرتے خاصی خوش دلی سے کہا۔۔۔وہ اس وقت سفید، سرمئی اور سیاہ امتزاج سے بنی ایک پوشاک نما فراک میں ملبوس تھی جس کی سلائی اس کے سراپے کی دلکشی کو مزید ابھار

رہی تھی۔۔۔اس پوشاک کی ایک آستین اور پیچھے کمر کا کچھ حصہ غائب تھا جب کہ بائیں جانب گھٹنے سے کچھ نیچے سے لے کر ایڑھی تک کا حصہ بھی درمیان سے کاٹ کر اس کی رعنائیوں کو مزید اجاگر کیا گیا تھا۔۔۔اپنے کندھوں سے کچھ نیچے آتے بھورے بالوں کو سیدھا کر کے کھلا چھوڑے، وہ سرخ لپ اسٹک سے سجے اپنے ہونٹوں سے جھپ دکھلاتے موتیوں جیسے دانتوں کے ساتھ عبدالکلیم کو بھی دل سے مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''مجھے بھی خوشی ہوئی تم سے مل کر! بہت دلکش لگ رہی ہو۔''اس تقریب میں وہ پہلی اور شاید آخری شخصیت تھی جسے اس شخص نے نا صرف مسکرا کر جواب دیا بلکہ اسے باقاعدہ گلے لگا کر، اس کی گال پر بوسہ دیتے اس کے حسن کی شان میں قصیدہ بھی پڑھا تھا۔۔۔وہ تو خیر اداکارہ تھی لیکن عالی جاہ کو بھی اپنے تاثرات چھپانے میں ملکہ حاصل تھا، یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے ہی چہروں پر ان کی آخری ملاقات کا شائبہ تک نہ تھا۔۔۔یہ اور بات کہ دل ہی دل میں وہ دونوں ایک دوسرے پہ قابو پانے کی تراکیب سوچ رہے تھے۔۔۔جازمہ کو کسی بھی حال میں اس سے بچنا تھا جب کہ عبدالکلیم کو وہ آج ہر صورت مطلوب تھی۔

''یہ قیامت کون ہے؟''اس کے بوسے پہ بمشکل اپنے چہرے کے تاثرات معتدل رکھتے، جازمہ نے اس کے ساتھ کھڑے وجود کو دلچسپی سے نہارتے، اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا کہ ایسے شوق نہ

رکھنے کے باوجود بھی اسے لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لیے اس طرح کی ادائیں دکھانا ہی ہوتی تھیں حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ نووارد عبدالکلیم کا بیٹا ضمائر کلیم تھا جو جلد ہی بطور ہدایت کار خود کو شوبز کی دنیا میں متعارف کروانے والا تھا۔

"یہ تمھیں کچھ ہی دیر میں پتا چل جائے گا۔" اس کے تجسس کو ہوا دیتے، وہ اس شخص اور دیگر مہمانوں کے ہمراہ نشستوں کی جانب بڑھ گیا تو جازمہ بھی سر جھٹک کر تیار ہونے چل دی تھی۔

ان دونوں باپ بیٹا اور شو انتظامیہ کے اپنی اپنی جگہوں پر براجمان ہوتے ہی اس شو کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔۔۔ مغربی و مشرقی امتزاج سے مزین، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے ملبوسات زیب تن کیے، سلیقے سے سنواری گئیں دوشیزاؤں نے جب ایک ایک کر کے موسیقی کی دھنوں سے تال ملاتے ہوئے قدم اٹھا کر ریمپ پر چلنا شروع کیا تو سارا ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔۔۔ اس سارے شو کی فلم بندی کرنے کے علاوہ وہاں براجمان مختلف فیشن ایجنسیوں سے منسلک کیمرہ مین بھی کسی لباس یا ماڈل کے زیادہ پسند آنے پر اپنے مالک کے اشارے پر جھٹ اس کی تصاویر بنانے لگتے۔۔۔ سب سے آخر میں جازمہ نبیل اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئی تو وہاں موجود تمام لڑکیاں اس کی خوب صورتی کے سامنے ماند پڑ گئیں۔۔۔ یوں اس شو کے اختتام پر ایک اور کامیابی اس کے کھاتے میں لکھ دی گئی تھی لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے عروج کا پر زوال انجام اب بس ہونے کو ہی تھا۔

شہر کے اس علاقے سے خاصا دور ایک ویران سی عمارت کے ہال میں بھی اس وقت خاصی گہما گہمی تھی جہاں عالی جاہ کے سارے کاروباری حلیف اس کے چھوٹے بیٹے کی سربراہی میں اپنی اپنی کارکردگی رپورٹ اسے پیش کر رہے تھے۔۔۔اندر وہ لوگ انسانیت کے مرتبے سے گرنے کو تھے اور باہر رات کی تاریکی اور سناٹے کی پرواکیے بنا وطن عزیز کے جانباز سپاہی نہایت خاموشی سے اس عمارت کا گھیراؤ کر رہے تھے جو دیکھنے میں کسی سرکاری اسکول جیسے تھی اور قریب ہر کمرے میں بڑی بڑی شیشے کی کھڑکیاں نصب تھیں۔

''کرامت علی! یہ رہا تمھارا انعام!''اس نے اپنا حساب کتاب پیش کیا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہوتے زبیر کلیم نے پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف اچھالی جو اس نے بالکل یوں تھام لی جیسے کوئی کتا اپنے مالک کی جانب سے پھینکی جانے والی ہڈی کو لپک کر اپنے منھ میں لیتا ہے۔

''تم لوگ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔۔۔بہتر یہی ہوگا کہ مقابلے کی بجائے ہتھیار پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔''اس نے وہ نوٹ اپنی جیب میں رکھے ہی تھے کہ اس آواز کے گونجتے ہی وہاں موجود افراد میں ایک برقی لہر دوڑ گئی تھی۔

”چھوٹے بابا! باہر پولیس اور فوجی جوانوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔“ وہاں موجود افراد میں سے کچھ فوج مطلوب تھے تو کچھ پولیس کو سوان دونوں کی جانب سے یہ مشترکہ کارروائی کی جارہی تھی۔۔۔ ایسا اس لیے تھا کہ فوجی ادارے صرف دہشت گردی، انسانی اسمگلنگ، منشیات کی ترسیل، بچوں اور خواتین کو ہراساں کرنے، مخصوص افراد کے قتل اور اغوا جیسے جرائم کی تفتیش کے مجاز ہوتے ہیں جب کہ پولیس والے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جرائم کے خلاف کارروائی کرتے ہیں جیسا کہ چوری، ڈکیتی، راہزنی، قبضہ مافیا، ناجائز تجاوزات، گھریلو تشدد وغیرہ لیکن کچھ کیسز میں یہ دونوں ساتھ مل کر بھی کام کرتے ہیں۔

”کسی کو اس جگہ کا علم کیسے ہوا؟“ زبیر کلیم نے حیرانی سے کہتے ساتھ ہی اپنی بندوق ہاتھ میں لی تھی۔۔۔ یہ یقیناً اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ مقابلے کو تیار تھا۔۔۔ اسی اثنا میں ایک بار پھر اسپیکر پہ وہی تنبیہ دہرائی گئی لیکن تب تک وہ تمام ہی اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر مناسب آڑ لیتے مقابلے پہ اتر آئے تھے۔۔۔ یکایک فضا کانچ ٹوٹنے اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز سے لرز اٹھی تھی۔۔۔ جوانب سے ایک دوسرے پر بارود برسایا جارہا تھا لیکن ابھی مقابلہ برابر کا تھا۔۔۔ کیپٹن اسرار اور میجر حمود کے ساتھ دو پولیس افسران اس سارے آپریشن کی سربراہی کر رہے تھے۔۔۔ کرامت علی وہاں کے خفیہ راستے سے بخوبی واقف تھا سو کچھ دیر بعد وہ دوسری جانب کا پلڑا بھاری دیکھ کر موقع ملتے ہی

وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔۔۔فضا میں رچی بارود کی بو اور دشمن کے ناپاک خون کی باس ہماری سپاہ کی جوان مردی، ہمت اور حوصلے کی غماز تھی۔

"دھیان رہے کہ کوئی بچ کے نہ جانے پائے۔" حالات تھوڑے قابو میں آئے تو حمود کچھ اہلکاروں کے ہم راہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔۔۔وہ ایک ایک کر کے ہر کمرے کا جائزہ لیتے آگے بڑھ رہے تھے۔۔۔وہ لوگ مردہ اور زخمی افراد کو مخصوص گاڑیوں میں منتقل کر رہے تھے۔۔۔ایک دو افراد نے بھاگنے کی بھی کوشش کی لیکن اب تک کرامت علی کے سوا کوئی اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اس جگہ کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد تمام متعلقہ ثبوت اکٹھے کرتے ہی آپ لوگ یہاں سے نکل جائیں گے۔۔۔آگے باقی کا کام پولیس کا ہے۔" یہ ایک خفیہ مشترکہ آپریشن تھا جس کا سراغ خبر رساں اداروں کو دینے کی اجازت نہیں تھی، اسی لیے حمود نے صحافیوں کے پہنچنے سے پہلے اپنے تمام اہلکاروں کو وہاں سے نکلنے کی ہدایت کی اور خود باقی بچ جانے والے واحد کمرے کی طرف بڑھ گیا جس کی تلاشی ابھی رہتی تھی۔

"آہ!" اس نے محتاط انداز میں دروازہ کھولا لیکن اندر موجود شخص بھی پہلے سے چوکنا تھا سو ہلکی سی درز پیدا ہوتے ہی اس نے حمود پہ حملہ کر دیا۔۔۔پستول سے نکلتے شعلے کو دیکھتے ہی وہ بروقت پیچھے ہو گیا ورنہ اس سے نکلتی گولی اس کے بازو سے رگڑ کھانے کی بجائے دل میں پیوست ہو جاتی۔۔۔اس

کے بازو پکڑتے ہی وہ شخص ایک ہی جست میں باہر آیا۔۔۔ وہ زبیر کلیم تھا اور اس کا ارادہ اسے یرغمال بنا کر نکلنے کی کوشش کرنا تھا لیکن حمود کے پاؤں کی ٹھوکر نے اسے اچھل کر پیچھے گرایا تو وہ دوبارہ اس پہ ہتھیار سونت گیا تھا لیکن اس بار اسے گولی چلانے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔۔۔ حمود، کیپٹن اسرار اور ایک پولیس اہلکار کی پستولوں نے ایک ساتھ تین گولیاں اگلی تھیں جو سیدھا جا کر اس کے جسم میں پیوست ہوئیں اور وہ ایک ہی پل میں زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک ہیں؟" کیپٹن اسرار اس کے جسم کو پھلانگ کر حمود تک آتے فکر مندی سے گویا ہوا تو اس نے لب بھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔۔۔ اس نے اسے اپنے کندھوں کا سہارا دیتے کھڑا کیا اور اسے لیے باہر کی جانب بڑھ گیا۔۔۔ گو کہ اس کا زخم مہلک نہیں تھا لیکن خون کا زیادہ اخراج ضرور اس کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔۔۔ کچھ ہی دیر میں اسے ابتدائی طبّی امداد فراہم کر دی گئی کہ ان کے ساتھ ایسی کسی بھی ہنگامی صورت حال سے نپٹنے کے لیے تین ڈاکٹروں کی ہمراہی میں ایک بڑی ایمبولینس بھی موجود تھی۔

ان کا آپریشن کامیاب رہا جو کہ ان سب کی مہارت اور بہادری کا ثبوت تھا۔۔۔ فوجی اہلکاروں کے خاموشی سے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکلتے ہی وہاں ایک ساتھ کئی سائرن گونجے تھے۔۔۔ مقتولین اور زخمیوں کو گاڑی میں منتقل کرتے اب پولیس اپنا کام کر رہی تھی۔۔۔ رات کی تاریکی اب

کچھ ماند پڑتی محسوس ہوئی، شاید اندھیرے کو بھی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ اس کے سائے میں پنپنے والے ظلم و تیرگی کو انصاف کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔

تیری مجبوریوں سے واقف ہوں

تو نے پہلے بھی کئی بار مجھے

ایسے دیکھا تھا کہ جیسے مجھے دیکھا ہی نہ ہو

ایسے سوچا تھا کہ جیسے مجھے سوچا ہی نہ ہو

ایسے چھوڑا تھا مجھے راہ میں اکثر تو نے

جیسے مجھ سے کوئی رشتہ، کوئی ناتا ہی نہ ہو

جیسے تو نے مجھے، میں نے تجھے چاہا ہی نہ ہو

مصلحت اوڑھ کے چاہت کو چھپائے رکھا

اپنے ہر راز کو سینے سے لگائے رکھا

اور میں جو تیری مجبوریوں سے واقف تھا

تجھ کو دیوی سا خیالوں میں سجائے رکھا

ہر نشانی کو تیری میں نے مقدس جانا

تیرے ہر عکس کو آنکھوں میں بسائے رکھا

مجھ کو معلوم نہیں ہجر کے قاتل لمحے

تو نے کس آگ میں جل جل کے گزارے ہوں گے

کبھی لفظوں میں تھکن تو نے سمیٹی ہو گی

کبھی کاغذ پہ فقط اشک اتارے ہوں گے

یہ بھی ممکن ہے کہ گزرا ہوا لمحہ لمحہ

جس کو میں آج بھی سینے سے لگا رکھتا ہوں

تیرے نزدیک فقط یاد کی پرچھائی ہو

دور کی جیسے تیری اس سے شناسائی ہو

جس طرح دھوپ دسمبر کی دریچے سے لگی

بے ارادہ کہیں آنگن میں اتر آئی ہو

جیسے محفل میں کسی شخص کی تنہائی ہو

تیری مجبوریوں سے واقف ہوں

اس لیے میں تجھے الزام نہیں دے سکتا

اپنی چاہت کو کوئی نام نہیں دے سکتا

ایک پیغام ہے تیرے لیے یہ خاموشی

اور تو کوئی بھی پیغام نہیں دے سکتا

تیرے لفظوں، تیرے اشکوں، تیری آنکھوں کی قسم

ضبط اب ساتھ کسی گام نہیں دے سکتا

یہ کہانی تو میرے ساتھ چلے گی عاطف

اس کہانی کو میں انجام نہیں دے سکتا

عاطف سعید

فیشن شو اختتام پذیر ہوا تو مہمانان خصوصی کے لیے عشائیے کا انتظام تھا جہاں کھانے سے زیادہ شباب وشراب پہ دھیان دیا جاتا تھا۔۔۔عبدالکلیم بھی اپنے گرد گھومتی رنگین تتلیوں کی اداؤں سے محظوظ ہوتے جازمہ نبیل کے شکار کا کوئی ایسا طریقہ سوچ رہا تھا جہاں لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔۔۔ بالآخر ایک نتیجے پر پہنچتے اس نے اپنے ایک ماتحت کو بلا کر کچھ ہدایات دی تھیں۔

''ضمائر! مجھے کچھ کام ہے۔۔۔۔ تم ان سب کے ساتھ جاؤ۔''واپسی پہ اپنے منصوبے پہ عمل کرتے اپنے بیٹے کو محافظوں کے ساتھ روانہ کرتے، وہ خود ایک محافظ اور ڈرائیور کے ساتھ جازمہ کے پیچھے گیا جو ابھی اپنی گاڑی لے کر وہاں سے نکلی تھی۔

''مادام! میں آپ کی کچھ مدد کروں؟''ان کی توقع کے عین مطابق کچھ دور جا کر جازمہ کی گاڑی کا پچھلا پہیہ زمین کے ساتھ لگ چکا تھا۔۔۔رات کے اس پہر وہاں کسی سے مدد ملنا بھی مشکل تھا۔

''میری گاڑی کا ٹائر بدلنا ہے۔''وہ عالی جاہ کی مخصوص گاڑی اچھے سے پہچانتی تھی لیکن اس وقت اسے گدھے کو باپ بنانا ہی تھا۔

''مادام! آئیں ہم آپ کو چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔میرا محافظ آپ کی گاڑی کا ٹائر بدل کر پیچھے لے آئے گا۔۔۔یوں رات کے اس پہر سنسان سڑک پہ ایک نوجوان حسینہ کا تنہا کھڑے رہنا کچھ مناسب نہیں

لگتا۔۔۔کوئی مصیبت آن پڑی تو آپ سے تو چلا بھی نہیں جائے گا۔" اس بار عبدالکلیم نے پچھلا شیشہ گرا کر، ذو معنی انداز میں کہتے اپنا اگلا پتا پھینکا تھا۔۔۔اس کا کھیل سمجھتے ہوئے بھی وہ اس وقت اختلاف کا حق نہیں رکھتی تھی۔۔۔وہ گر بھاگنے کی کوشش بھی کرتی تو وہ اکیلی ان تین کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔۔اس نے اس وقت کو کوسا جب اس نے اپنے مصاحب خاص اور ڈرائیور کو خود چلے جانے کی تسلی کروا کر انھیں گھر بھیج دیا تھا۔

"اتنی نازک سی تو ہیں آپ! کیوں اتنی مشقت کرتی ہیں؟ کہا تھا نا کہ تم مجھ سے بچ نہیں سکتی۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر عالی جاہ کے برابر بیٹھی محو سفر تھی۔۔۔پہلے پہل فکر مندی سے بولتے اس نے یک دم جازمہ کے بالوں کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔

"آہ! چھوڑو مجھے! میں نے کچھ نہیں کیا۔" تکلیف سے کراہتے اس نے صفائی دینا چاہی تھی۔

"تم نے عالی جاہ کو دھوکہ دیا ہے جس کی تمھیں ایسی سزا ملے گی کہ نہ تم جی سکو گی اور نہ ہی میں تمھیں مرنے دوں گا۔" فرعون بنا بولتا وہ رب کے قہر کو آواز دے رہا تھا۔

"تم ایک درندے ہو۔۔۔تم دیکھنا تم کتے کی موت مرو گے۔۔۔میں مر جاؤں گی مگر کبھی تمھارے ارادے پورے نہیں ہونے دوں گی۔" اس کے کرب بھرے لہجے پر عبدالکلیم ایک زوردار قہقہہ لگا گیا تھا۔

''تمھاری اوقات کیا ہے جو یوں مجھے دھمکا رہی ہو؟ ہو کیا تم؟ مردوں کو رجھانے والی ایک داشتہ!''

اس کے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیتے، وہ غرور بھرے انداز میں بولا تو دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

''جو خود اپنے نام کی لاج نہ رکھ سکا، وہ کسی اور کو اس کی اوقات کیا یاد دلائے گا؟'' وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ اس کے دل میں اس کے لیے ہمدردی کی ذرا سی بھی رمق نہ ہو گی سو اس کے آگے گڑگڑانے کی بجائے اس نے اپنی تکلیف پس پشت ڈال کر اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔۔۔اس کے نتیجے میں اس نے اتنی زور سے اس کے بال کھینچے کہ جازمہ کو اپنے سر کی کھال ادھڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''خود کو بچا نہیں سکتی اور چلی ہو میرا مقابلہ کرنے!'' اس کے درد سے چلانے پر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے استہزائیہ لہجے میں کہا تو جازمہ لب بھینچ کر اپنے رگ و پے میں اترتی اذیت پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔۔۔اس لمحے اسے شدت سے کوئی یاد آیا تھا۔۔۔عبدالکلیم اسے لے کر اپنے فارم ہاؤس آیا تھا جہاں اس کے کام میں خلل ڈالنے والا کوئی نہ تھا۔۔۔اب وہاں ایک ایسا کھیل رچا جانے والا تھا کہ وہ لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن جاتا۔

رات کے اس پہر اپنے شوہر کی گھر پہ غیر موجودگی سے بے فکر کنول کرامت علی شہر کے ایک پوش علاقے میں اپنے نئے گھر کی سجاوٹ کے لیے بیش قیمت آرائشی سامان کی فہرست تیار کر رہی تھی جو اس کے شوہر کی آج کی کمائی سے اسے خریدنا تھا۔

''آ گئے آپ؟ پیسے مل گئے کیا؟'' وہ ہڑبڑایا ہوا گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے اس کا احوال دریافت کرنے کی زحمت گوارا کیے بنا ہی اپنے مطلب کی بات کی تھی۔۔۔اس کے چہرے کی اڑی رنگت پہ تو اس نے ذرا سا بھی غور نہ کیا تھا۔

''شکر کرو کہ آ گیا ہوں ورنہ آج تو میں گیا تھا کام سے!'' اس کے برابر صوفے پر بیٹھتے اس نے اپنے چہرے اور بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو پرسکون کرنا چاہا تھا۔

''ہائے ہائے! کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' اس کی بیوی کو اس کا لب و لہجہ ذرا نہ بھایا تھا سو وہ نخوت سے منھ بنا کر بولی تھی۔

''پولیس اور فوج کا چھاپہ پڑ گیا تھا وہاں، بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا ہوں۔'' اس بار اس کی بیوی کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''چلو شکر ہے کہ بچ تو گئے۔۔۔اچھا یہ بتائیں کہ کچھ مال بھی ہاتھ لگا یا نہیں؟ کہیں ایسے ہی بازو لٹکاتے تو نہیں آ گئے۔'' اسے ابھی بھی شوہر سے زیادہ دولت کی فکر تھی۔۔۔یہ یقیناً اس حرام کمائی

کا نشہ ہی تھا جس کی لت اسے ایسی لگی کہ وہ رشتوں کا لحاظ بھی بھول گئی تھی۔۔۔وہ جن کے لیے کماتا تھا،ان کے لیے اسے اس حالت میں ایک گلاس پانی پوچھنا بھی محال تھا۔

''یہ لو، لے آیا ہوں پیسے !اب ذرا اپنی خواہشات کم کرو۔اس سارے قصے کے بعد خاصی سختی ہونے والی ہے۔''اس کی باتوں پہ کان دھرے بنا، وہ اس کے ہاتھ سے پیسے جھپٹ کر نوٹوں کی اس گڈی کو سونگھنے لگی۔۔۔یوں جیسے ان پیسوں کو دیکھتے اسے خماری سی چڑھنے لگی ہو۔

''ڈیڈی !میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔۔مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''وہ بیوی کو سرزنش کرتا لیکن اس سے پہلے ہی عنایہ وہاں چلی آئی تھی۔

''عنایہ !ہم صبح بات کریں گے۔۔۔اس وقت میں تھکا ہوا ہوں۔''اس نے بے زاری سے کہتے اسے ٹالنا چاہا لیکن یہاں بھی ہٹ دھرمی اپنے عروج پر تھی۔

''نہیں !صبح مجھے جلدی جانا ہے۔''وہ ایسے بولی جیسے اس نے باپ کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''سن لیں نا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔''اس کی بیوی کو نوٹوں سے دھیان ہٹانے کا خیال آیا بھی تو کب جب اس کی بیٹی تن کے باپ کے سامنے کھڑی تھی۔

''صبح کدھر جانا ہے تم نے ؟''ایک غصیلی نظر بیوی پہ ڈالتے وہ بیٹی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"بابا! میرا ایک دوست ہے ضمائر کلیم! اس نے مجھے اپنی پہلی فلم میں ہیروئن بننے کی پیش کش کی تو میں نے ہاں کر دی ہے۔۔۔ کل مجھے اسی کی شوٹنگ کے لیے دوسرے شہر جانا ہے۔" وہ سرسری سے انداز میں باپ کو اطلاع دیتے اس کا سکون غارت کر گئی تھی۔

"تمھارا دماغ ٹھیک ہے؟ کس کی اجازت سے تم نے اس بیچ کام کی ہامی بھری ہے؟" وہ غصے سے کف اڑاتے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میں کوئی چھوٹی بچی نہیں کہ مجھے کسی کام کے لیے ہر کسی سے پوچھنے کی ضرورت پڑے۔۔۔۔ میں اپنے فیصلے خود لے سکتی ہوں۔۔۔ میں تو بس آپ کو بتانے آئی تھی۔" جس خون میں حرام کی آمیزش ہو، اس سے نرم طبع کی توقع رکھنا عبث ہے۔۔۔ یہ حرص و طمع کے گڑھے کو بھرتی دولت ہی تو ہے جو اولاد کو ماں باپ کے مقابل کھڑا کر دیتی ہے۔

"یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟ جانتی بھی ہو کہ ضمائر کلیم ہے کون؟ ایک نمبر کا بدقماش انسان ہے وہ! میں تمھیں ہرگز اس کے ساتھ کہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔" اس کی کردار کشی کرتے وہ اپنا اعمال نامہ یکسر فراموش کر گیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بابا! میں اسے پچھلے چار ماہ سے جانتی ہوں اور ہم جلد ہی شادی بھی کرنے والے ہیں۔" وہ بے خوفی سے باپ کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔

''بدتمیز! باپ کے سامنے کھڑے ہو کر ایسے بکواس کر رہی ہو۔''اس کے نڈر انداز پہ کرامت علی کا ہاتھ اٹھا لیکن خاموشی سے سب دیکھتی اس کی بیوی اس کا ہاتھ بیچ میں ہی روک گئی تھی۔

''کیا کر رہے ہیں؟ جوان اولاد پہ ہاتھ اٹھائیں گے آپ!''سرزنش کرتے لہجے میں اس کا ہاتھ جھٹک کر کہتے،اس نے بیٹی کو اپنے پیچھے کیا تھا۔

''یہ سب تمھاری ڈھیل کا نتیجہ ہے۔۔۔تم نے زیور کپڑوں کے علاوہ بھی کسی چیز کو اہمیت دی ہوتی تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''اپنی غلطی پہچاننے کی بجائے وہ اب بھی دوسروں کو موردالزام ٹھہرا رہا تھا۔

''اپنا غصہ مجھ پہ نہ اتاریں۔''نخوت بھرے لہجے میں بولتے،وہ مزید بھی کچھ کہتے لیکن اسی پل شہریار کے کمرے سے کانچ ٹوٹنے کی آواز زوردار آئی تو وہ لوگ اس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔۔۔ وہاں پہنچتے ہی اندر کا منظر ان کا دل دہلا گیا تھا۔

''شہریار!''سامنے ہی وہ زمین پہ پڑا بے چینی سے ادھر ادھر کروٹیں بدل رہا تھا۔۔۔اس کے پاس ہی شیشے کا جگ ٹوٹا پڑا تھا۔۔۔کرامت علی نے بیٹے کی ابتر ہوتی حالت دیکھتے تیر کی سی تیزی سے اس تک آ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھتے،اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کا سہلایا تھا۔۔۔بیٹے کا نام پکارتے اس کے لہجے میں بلا کی نرمی تھی۔

"بابا!" باپ کو سامنے پا کر وہ گلو گیر لہجے میں بولا تھا۔

"بابا کی جان! کیا ہوا تمھیں؟" اس کو اٹھانے کی کوشش میں اس نے نرمی سے استفسار کیا تھا۔۔

اسے شہریار کی سانسیں الجھی ہوئی لگی تھیں۔

"درد۔۔۔درد ہے۔۔۔بہت درد ہے۔۔۔یہ اب۔۔۔اب اثر۔۔۔نہیں۔۔ک۔۔۔ کر۔۔کرتی۔" تکلیف کی شدت میں بے ربطگی سے بولتے وہ اپنا دایاں ہاتھ باپ کے سامنے کر گیا۔۔جس میں موجود خالی شیشی کرامت علی کے پیروں تلے سے زمین نکال کر لے گئی۔۔اس نے یقیناً خود کو پرسکون کرنے کی خاطر وہ سارا زہر ایک ساتھ اپنے اندر اتار لیا تھا۔

"شہریار! یہ دوا کہاں سے لی؟" اس کے ہاتھ سے وہ بوتل پکڑتے اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا۔۔وہ اس شیشی کو اچھے سے پہچانتا تھا۔۔۔اس نے جو زہر ان گنت نوجوانوں کی رگوں میں اتارا تھا، آج اس کا بیٹا بھی اسی کا شکار ہو کر موت کے دہانے پہ کھڑا تھا۔۔۔اس کی حرص آج اس کے گھر کی بنیادیں ہلا گئی تھی۔

"شہریار!" اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر کرامت علی نے اس کو ہلا جلا کر دیکھا تھا۔۔۔اس کے منھ سے نکلتے جھاگ کو دیکھ کر اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''شیری بیٹا!'' اس بار کنول کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی اور وہ بیٹے کے پاس بیٹھتے اس کا گال تھپتھپانے لگی تھی۔

''شیری!'' وہ دیوانہ وار اس کو پکار رہی تھی لیکن وہ تھا کہ جواب ہی نہ دیتا تھا۔۔۔ ثنا بھی بھائی کے پاس آ کر اسے ہلانے لگی لیکن بے سود! کرامت علی اس کی ناک کے آگے ہاتھ رکھ کر، اس کی نبض ٹٹولنے لگا لیکن اس کا ٹھنڈا پڑتا جسم اسے کوئی خیر کی خبر نہ دے رہا تھا۔۔۔ وہ ڈاکٹر نہیں تھا لیکن اس زہر کے مضمرات سے اچھے سے واقف تھا جس سے وہ کئی خاندانوں کے چراغ بجھا چکا تھا اور آج یقیناً اس کا بیٹا بھی اس کی لالچ کا شکار ہو گیا تھا۔۔۔ اس کے سینے پر سر رکھتے اسے اپنے خدشے کی تصدیق ہو چلی تھی۔

''یہ چلا گیا دنیا سے! ہمارا بیٹا چلا گیا کنول! ہماری لالچ کھا گئی ہمارے بیٹے کو!'' وہ سر پیٹتے ہوئے بولا تو کنول چیخ اٹھی تھی:

''شیری! اٹھ میرے بچے!'' وہ ہذیانی انداز میں اس کے بے جان وجود کو جھنجھوڑتے اس کی منتیں کر رہی تھی لیکن وہ ان سب سے بہت دور جا چکا تھا۔

''میں تو تم لوگوں کے لیے دولت کمانے کی دھن میں گھر سے باہر رہتا تھا لیکن تم تو گھر میں تھی نا! تو پھر کیوں تمھیں پتا نہیں چلا کہ یہ کس راہ پہ چل نکلے ہیں؟'' وہ ایک بار پھر اپنہ بیوی کی غلطی گنوا رہا تھا لیکن اب کے اسے جواب نہ ملا کہ وہ تو جوان بیٹے کا لاشہ دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو چکی تھی۔

''کیوں؟ کیوں؟'' وہ جس وقت شدت سے گریہ وزاری کرتے اپنا ماتھا پیٹ رہا تھا، عین اسی وقت کئی پولیس اہلکار اس کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

''کرامت علی! ہم تمھیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔'' ایک افسر نے وہاں آتے اسے یہ اطلاع دی تو وہ وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''سر! یہ دیکھیں میری لالچ میرے بیٹے کو کھا گئی۔'' خود کو زدوکوب کرتے وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگتا تھا۔

''کرامت علی! جو آگ تم دوسروں کی زندگیوں میں لگاتے تھے، وہ آج تمھارے گھر کو بھی نذر آتش کر گئی۔۔۔ حرام سے کمائی گئی دولت کبھی آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔'' مکافات عمل کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی جانے لوگ کیسے اسے بھول جاتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کسی کے گھر میں آگ لگاؤ گے تو اس کی لپٹیں آپ تک ضرور پہنچیں گی۔۔۔ اس کے افسر کو اس کی حالت دیکھتے

افسوس ہوا لیکن اسے اس پر ترس نہیں آیا تھا کہ کچھ لوگ آپ کے لیے عبرت کا نشان ضرور ہوتے ہیں لیکن وہ قابل رحم نہیں ہوتے۔

"تمھارے پاس بس اپنے بیٹے کی تدفین تک کا وقت ہے۔۔۔اس کے بعد تمھیں گرفتار کر لیا جائے گا۔" بے تاثر انداز میں کہتے وہ ایک اہلکار کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو اور اس کے بیٹے کی آخری رسومات ہوتے ہی اسے لے کر تھانے پہنچو۔" خدا کی لاٹھی بے آواز ہے لیکن جب یہ پڑتی ہے تو انسان کو چیخنے کی بھی مہلت نہیں ملتی اور کرامت علی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔۔۔ ہم انسان نجانے کیوں مکافات عمل کو بھول بیٹھے ہیں۔۔۔یاد رکھیں ہر جان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہی ہے، پھر چاہے وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں!

سارے معاملات نپٹانے کے بعد حمود گھر پہنچا تو اس کے چہرے پر تھکن کے ساتھ درد اور تکلیف کے بھی واضح آثار موجود تھے۔۔۔وہ کمرے میں آیا تو رائقہ کو صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر سوتا پایا۔۔۔ سرخ رنگ کا شیفون کا ہم رنگ کڑھائی والا سوٹ، چہرے پہ ہوا ہلکا پھلکا میک اپ اور سلیقے سے بنے بال جواب قدرے بکھر چکے تھے، یہ سب اس بات کی جانب اشارہ کرتے تھے کہ وہ یقیناً

اس کا انتظار کرتے کرتے نیند کی وادی میں اتری تھی۔۔۔اسے یوں دیکھتے حمود کو اندازہ ہوا کہ اس کا خوابیدہ حسن سوتے میں بھی اسے بے بس کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔۔۔اسے یوں سوتا دیکھ کر حمود کو پشیمانی ہوئی۔۔۔اس کا بازو گلے میں پڑی سلنگ میں نہ بندھا ہوتا تو وہ اسے کسی اور طریقے سے بستر تک لاتا لیکن اس وقت اسے جگائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔۔۔اپنے زخمی ہونے پر اس کی پریشانی کا سوچ کر اس نے پہلے سوچا کہ اسے نہ جگائے لیکن پھر اس کی بے آرامی کے خیال سے اس نے اپنے تندرست ہاتھ کی انگلیاں ہولے سے اس کے گالوں سے مس کی تھیں۔۔۔اس کے لمس پر وہ ہلکا سا کسمسا کر پھر سے آنکھیں موند گئی تو حمود کے لبوں پہ ایک جاندار مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آ گئے آپ؟" حمود نے ایک بار پھر یہی عمل دہرایا تو اس بار اس نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے مسکرا کر پوچھا لیکن اگلے ہی پل اس کے گلے میں لٹکتی پٹی دیکھ کر اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑی تھیں اور ساری نیند رفوچکر ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا آپ کو؟ ہاتھ ایسے کیوں لٹکا رکھا ہے؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟ کیسے لگی یہ چوٹ؟ آپ ٹھیک ہیں؟" تفتیش سے شروع ہونے والے سوالات کا اختتام تشویش پر ہوا تھا۔۔۔وہ اس کا باوردی جسم ٹٹولتے ہوئے اس کے ٹھیک ہونے کی تسلی کر رہی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا۔۔۔بس ہلکی سی رگڑ ہے۔“ حمود نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگاتے، اسے تسلی دی تھی۔

”کس چیز کی رگڑ؟“ وہ اس کی پٹی پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نم ناک لہجے میں بولی تھی۔

”گولی کی؟“ حمود کو ڈھونڈنے سے بھی اس خبر کے لیے کوئی اور متبادل لفظ نہیں ملا تو اس نے الفاظ کی تعداد کم کر دی تھی۔

”کیا؟ آپ کو گولی لگی ہے؟ آپ ٹھیک ہیں نا؟ آپ اسپتال کیوں نہیں گئے؟ ہمیں اسپتال جانا چاہیے۔ میں ابھی ڈیڈ کو جگاتی ہوں۔“ وہ تو گولی کا سنتے ہی حواس باختگی سے باہر کی سمت بھاگی تھی۔

”رائقہ! میری جان! میں بالکل ٹھیک ہوں اور ابھی ڈاکٹر سے ہی پٹی کروا کر آ رہا ہوں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے! ڈیڈ کو اس وقت پریشان مت کرو۔“ حمود نے لپک کر اسے اپنے بازو کے حصار میں لیتے اس کی تشفی کروانے کی ایک کوشش کی تھی۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟ آپ ٹھیک ہیں نا؟“ آنسو ٹپ ٹپ کر کے اس کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔۔۔ وہ بار بار اس کا جسم ٹٹول رہی تھی کہ کہیں اور تو کوئی چوٹ نہیں لگی۔

”جی میری جان! میں ٹھیک ہوں کیوں کہ تم میرے ساتھ ہو۔“ اس لمحے ہر درد و تکلیف پگھل کر پانی بنی تھی۔۔۔ اس وقت اگر کچھ تھا تو وہ تھی محبت! وہ محبت جو اپنی مسیحائی سے ہر زخم بھر دیتی

ہے۔۔۔رائقہ نے اپنے دونوں بازویوں اس کے گرد لپیٹ دیے جیسے اس کے کہیں کھو جانے کا ڈر ہو وگرنہ اس کی جانب سے ایسی پیش رفت کم ہی ہوتی تھی۔۔۔وہ بس اس وقت اس کی موجودگی محسوس کرنا چاہتی تھی۔

''میں کتنا ڈر گئی تھی۔۔۔آپ نہیں تو میں بھی نہیں!''وہ کتنی ہی دیر اس کے ساتھ لگے رہی۔۔۔حمود کے بازو میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں لیکن اس کے لیے اس وقت اپنی تکلیف سے زیادہ اپنی بیوی کا پر سکون ہونا اہم تھا۔

''فوجیوں کی بیویوں کو ڈرپوک نہیں ہونا چاہیے۔''حمود کی بات ہر وہ اس کے سینے سے سر اٹھا کر نفی میں ہلا گئی تھی۔

''جدائی کی اذیت ساری بہادری ہوا کر دیتی ہے۔۔۔میں نے اپنی امی کو بیس سال اس آگ میں جلتے دیکھا ہے۔۔۔مجھ میں ان کے جتنا حوصلہ نہیں ہے۔۔۔۔مجھے جدائی سے خوف آتا ہے۔''وہ بے خودی میں اپنی کیفیت اس پہ آشکار کر گئی تھی۔

''تم بس دعا کیا کرو کہ اللہ پاک ہمارا یہ ساتھ بنائے رکھے۔''اس کی پر تاکید بات پر اس نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

''آپ کو کچھ چاہیے؟''حواس تھوڑا بحال ہوئے تو رائقہ کو بالآخر اس سے پوچھنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''بس تم اور نیند!'' حمود نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا تو رائقہ جھٹ اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے جوتوں کے تسمے کھولنے لگی تھی۔

''میں کر لوں گا۔'' اس نے پیر سمیٹنے چاہے لیکن وہ اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''آپ پہ احسان نہیں کر رہی! بس اپنا فرض نبھا رہی ہوں۔'' دوٹوک لہجے میں کہتے وہ اس کا پیر واپس کھینچ گئی تو حمود نے اس بار انکار نہیں کیا کہ اس وقت وہ یقیناً اس کی نہیں سننے والی تھی۔

''آپ ادھر ہی کپڑے بدل لیں، میں بس ہلدی والا دودھ لے کر آتی ہوں۔۔۔ وہ پی کر سو جایے گا۔'' جوتوں کے بعد احتیاط سے اس کی قمیض کے بٹن کھول کر اسے اتارتے، وہ اسے دوسری قمیض پہنانے کے بعد زیر جامہ بستر پہ ہی اس کے پاس رکھ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

''ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھ جیسے خشک انسان کو بھی محبت ہو سکتی ہے۔'' زبردستی اس کے ہاتھوں ہلدی والا دودھ پینے کے بعد اب وہ بستر پہ دراز خفیف سی بے بسی سے بولا تو اس کے سر میں انگلیاں چلاتی رائقہ کا ہاتھ رکا تھا۔

''ابھی آپ سو جائیں۔۔۔ یہ افسوس بعد میں منا لیجیے گا۔۔۔ ابھی آرام ضروری ہے۔'' اس کے سر میں اپنی انگلیوں کی سرسراہٹ پھر سے شروع کرتے وہ دوسرے ساتھ سے اس کی آنکھیں بند کرنے لگی تھی۔

"یہ ملال تھوڑی ہے۔۔۔یہ تو میری خوش بختی ہے۔۔۔میں نے سنا تھا کہ بہترین جیون ساتھی وہ ہے جو مشکل وقت کو بھی آسان بنادے، آج دیکھ بھی لیا۔" اپنی آنکھوں پہ دھرا اس کا ہاتھ اپنے سینے پہ دھرے اپنے مضروب ہاتھ کے اوپر رکھتے اس نے مان بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"یہ تو میرے رب کا بھی فرمان ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔" اس کی بات پہ حمود مسکرادیا تھا۔

"بالکل اور اس کا کہا کسی طور شک کے قابل نہیں!" اس نے جھٹ اس کی بات کی تائید کی تھی۔

"بالکل! چلیں اب آپ سو جائیں۔" اس بار اس نے فرماں برداری سے آنکھیں موندلیں تو رائقہ اس کے سو جانے تک اس کا سر سہلاتی رہی تھی۔

"بابا نے صحیح کہا تھا کہ کوئی آپ کو ناپسند کر ہی نہیں سکتا۔" حمود کی بھاری ہوتی سانسوں نے اس کے سو جانے کا عندیہ دیا تو رائقہ نے ہلکا سا جھک کر اس کی پیشانی کو ہولے سے اپنے لبوں سے چھوا اور پھر اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے وہ بھی سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔۔۔نیند کی وادی میں اترنے تک وہ اس کی سلامتی کی دعائیں ہی مانگتی رہی تھی۔

رات کے اس پہر فارم ہاؤس پہ چھائے سناٹے میں ہلکی ہلکی چلتی ہوا کے سبب درختوں کے پتوں میں ہونے والی سرسراہٹ اور دور کہیں سے گونجتی کسی جانور کی آواز ماحول کو مزید ہیبت ناک بنا رہی تھی۔۔۔اندر بنے کمروں میں سے ایک میں آئیں تو جازمہ کی پشت اس وقت دیوار سے لگی تھی اور وہ اپنے آپ کو بچانے کی ہر ممکن ترکیب سوچ رہی تھی۔۔۔اس کے سامنے عالی جاہ کسی بدمست ہاتھی طرح اسے روندنے کی بھرپور خواہش لیے اس کے اطراف میں دونوں بازو ٹکائے کھڑا تھا۔

"تمھیں آخری بار موقع دے رہا ہوں، مجھے اس شخص کا نام بتا دو جس کے کہنے پر تم نے مجھ سے غداری کی۔۔۔ہو سکتا ہے کہ ایسے تمھاری سزا میں کچھ کمی ہو جائے۔" اپنا منہ اس کے کان کے قریب کر کے وہ غراتے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

"میں بھی بتا رہی ہوں کہ میں نے کسی کے بھی کہنے پہ کچھ نہیں کیا۔" اپنا چہرہ دوسری جانب موڑ کر کہتے اس کا لہجہ حتمی اور دوٹوک تھا۔

"اب تمھیں خود سے ہمدردی نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ اب تم مجھ سے رحم کی بھیک مانگو گی اور میں تم پہ ترس نہیں کھاؤں گا۔" اس کے انکار پر اس نے جازمہ کے گال دبوچتے سفاکیت سے بھرپور لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں! نہیں! میں بتاتی ہوں۔۔۔ میں نے یہ سب۔۔۔''اس کا ہاتھ اپنی قمیض کے گلے کی جانب بڑھتے دیکھ کر اس نے فوراً اس سے التجا کی تو عالی جاہ کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

''میں نے یہ سب اپنی مرضی سے کیا۔''اس کا لہجہ اور انداز یکسر بدلے تو عبدالکلیم کے چہرے کی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی تھی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟''اس کے بالوں کو مٹھی میں لے کر اس نے اس کا چہرہ اوپن کی جانب کرتے غضب ناک لہجے میں پوچھا تھا۔

''میں بتاؤں اس نے ایسا کیوں کیا؟''اپنے پیچھے سے ابھرنے والی آواز پہ عبدالکلیم بجلی کی سی تیزی سے پیچھے کو مڑا تھا۔

''کون ہو تم اور یہاں کیسے پہنچے؟''اس کے سوال پہ نو وارد کے چہرے کو ایک معنی خیز مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

''کیا کہتی ہو جے زی؟ بتا دیں انھیں کہ ہم کون ہیں؟''اس کے دریافت کرنے پر جازمہ نے ایک پل میں اپنا آپ عالی جاہ کی گرفت سے چھڑایا تو اسے اس کی مہارت پہ حیرت ہوئی۔۔۔ اس کے جھٹکے سے عالی جاہ کو کہیں نہیں لگا کہ اس نے کسی اناڑی کو پکڑ رکھا تھا۔۔۔ اس کے ساتھ سے ہو کر جازمہ

کے نووارد کے ساتھ کھڑے ہو جانے پر اس کی حیرت حد سے سوا ہوئی۔۔۔کچھ دیر پہلے وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی یوں اس کی اجازت کے بغیر بلا دھڑک اس کی راجدھانی میں داخل ہو سکتا ہے سو شاک کے مارے اسے کسی بھی قسم کے رد عمل کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے کہ یہاں تم مجھے زبردستی لے کر آئے ہو؟ نہیں! تم غلط ہو۔۔۔میں خود اپنی مرضی سے آئی ہوں۔" جازمہ کے انکشاف پر عالی جاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

"دروازہ تو بند کیا ہے عالی جاہ

وقت مگر سب دیکھ رہا ہے عالی جاہ

باہر کتنا ہنگامہ ہے عالی جاہ

لیکن آپ کو کیا کرنا ہے عالی جاہ

درد وہی زنجیر وہی دیوار وہی

عشق سے آخر جھگڑا کیا ہے عالی جاہ

راج محل کی سرخی کم ہوتی ہی نہیں

بنیادوں میں خون بھرا ہے عالی جاہ

تاج اتار و منصب چھوڑو باہر آؤ

شہزادے کا حکم ہوا ہے عالی جاہ

غور سے دیکھو بنجارن کی آنکھوں میں

اک پورا سنسار بسا ہے عالی جاہ''

نو وارد نے اس کے حالات کے عین مطابق شاعری کہی تو عبدالکلیم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑی تھی۔۔۔اسے مزاحمت کا خیال آیا بھی تھا تو اس پہ عمل درآمد کا کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ اس کی حد سے بھری خود اعتمادی ہی اس کے لیے وبال جان بننے والی تھی۔۔۔اتنے بڑے فارم ہاؤس میں اس وقت اس کے ساتھ آنے والے ڈرائیور اور دروازے پہ موجود چوکیدار کے سوا صرف جازمہ نبیل ہی تھی اور ان کے بعد آنے والا یقیناً ان کو قابو میں کر کے ہی یہاں تک پہنچا تھا۔

''تم ہو کون؟'' تھوک نگلتے اس نے پھر سے سوال کیا تو اس نے اس بار عبدالکلیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں۔

''منگو یاد ہے تمھیں؟'' اس کے پر تپش لہجے پر عبدالکلیم کو اپنے گرد آگ کی لپٹیں محسوس ہوئی تھیں اور اس کا ذہن کافی عرصہ پہلے ہوئے کسی واقعہ کو یاد کرنے لگا تھا۔

شہر کو جاتی بڑی سڑک کے کنارے واقع اس کچی بستی میں آج خلافِ معمول سر شام ہی کٹے پھٹے اور میلے کچیلے کپڑوں سے بنی جھگیوں میں سناٹا چھا گیا تھا۔۔۔ماؤں نے جانے کس ڈر کے تحت اپنے بچوں کو باہر ہی نہیں نکلنے دیا تھا۔۔۔ان جھگیوں کے قریب وسط میں بنی ایک جھگی کے اندر اس وقت صرف مرد حضرات ہی بیٹھے تھے۔۔۔یہ منگو کی رہائش تھی اور اس کی بیوی بچے فی الوقت کسی اور جھگی میں دبکے بیٹھے تھے۔

"طافو بھائی! میرے خیال سے اب یہاں سے کوچ کا وقت آگیا ہے۔"ایک لمبے عرصے سے میسر سازگار حالات کی بدولت وہ معمول سے زیادہ ایک جگہ پہ ٹکے رہے تھے اور اب ان کی اس بیٹھک کا مقصد یقیناً یہاں سے رخصت لینے کا تھا۔۔۔سب کے بیچ بیٹھے منگو کی بات پر کئی گردنیں ایک ساتھ ہلی تھیں۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔۔۔یہ ہمارا کسی بھی جگہ پہ سب سے طویل پڑاؤ ہے جواب ہمارے ہی گلے پڑنے والا ہے۔"طافو کی بات سے لگتا تھا کہ انھیں کوئی گھمبیر مسئلہ درپیش ہے جو اس مجلس کے لگنے کی وجہ تھ

"بالکل! نہ ہم اتنا عرصہ یہاں رہتے اور نہ ہی اس بدبخت عالی جاہ کی نظروں میں آتے۔" یہ تبصرہ ایک عمر رسیدہ شخص کی جانب سے کیا گیا جو شکل و صورت سے ہی پریشان حال لگتا تھا۔

"یہ وقت گئے دنوں پہ افسوس کرنے کا نہیں بلکہ اپنی اگلی منزل کے بارے میں سوچنے کا ہے۔۔۔ اس سے پہلے کہ اس موذی کے کارندے پھر سے آکر کوئی مسئلہ کریں، ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" منگو نے بات بڑھنے سے پہلے ہی سمیٹ دی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے، آپ لوگ اپنا اپنا سامان سمیٹ لیں۔" طافو نے اس کی حمایت کرنے کے بعد اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا تو وہ سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اسی اثناء میں پردہ ہٹا کر ایک شخص اندر داخل ہوا تھا۔

"عالی جاہ باہر گاڑی میں ہیں۔۔۔ وہ منگو سے ملنا چاہتے ہیں۔" نووارد کی اطلاع پہ وہاں کے ماحول میں واضح تناؤ پھیلا تھا اور بے ساختہ سب کی نگاہیں منگو کی جانب اٹھی تھیں۔

"تم لوگ پریشان نہ ہو۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔" ان کی تشفی کرواتے وہ اس شخص کی ہم راہی میں پردہ کھسکا کر باہر نکل گیا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم لوگوں نے؟" چند لمحوں بعد وہ عبدالکلیم کی عالی شان گاڑی میں اس کے مقابل بیٹھا تھا جو سگار سلگائے بڑے کروفر سے اپنی نشست پہ براجمان تھا۔

”معذرت عالی جاہ! لیکن ہم یہ پنچ کام نہیں کریں گے۔۔۔ہم بھیک منگے ضرور ہیں لیکن اپنے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتے۔“عبدالکلیم پچھلے سیک عرصہ سے اس کوشش میں تھا کہ خانہ بدوشوں کی اس بستی میں جتنے بھی بھیک مانگنے والے افراد تھے، وہ کسی نہ کسی طرح اس کے منشیات کی ترسیل کے کاروبار میں شامل ہو جائیں لیکن وہ لوگ اس چیز پہ راضی نہیں تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ منگو نے انھیں کسی طرح قائل کرر کھا تھا کہ یہ کام نہیں کرنا۔۔اس مے مطابق وہ لوگوں سے مانگ تو سکتے تھے لیکن ان کی جان کا سودا نہیں کر سکتے۔

”کیا یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے؟“اس نے ماتھے پہ شکنوں کا ایک جال بچھا کر دریافت کیا تھا۔

”ہماری پوری بستی اس فیصلے میں شریک ہے۔“منگو کے لہجے میں یقین تھا۔

”بستی کی بات نہ کرو منگو! اپنی رائے دو۔“عالی جاہ کے لہجے میں کچھ تو تھا کہ وہ ٹھٹھک گیا۔

”ہاں! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“اس نے بلا جھجھک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا تھا۔

”اس کا خمیازہ بھگتو گے تم!“غضب ناک لہجے میں کہتے وہ اسے گاڑی سے اترنے کا اشارہ کر گیا تو منگو بھی جلد از جلد کوچ کی تیاری مکمل کرنے کا اعادہ کرتے جھگیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”نذیر سے کہو کہ اپنا کام ختم کر کے مجھے ملے۔“گاڑی کے دروازے پر موجود مصاحب کو ہدایت کرتا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

منگو نے واپس آتے ہی تمام افراد کو آج رات ہی یہاں سے نکلنے کی ہدایت کر دی تھی۔۔۔اس نے حاویہ کو اپنے جانے کی اطلاع دی تو وہ رات کے اس پہر بھی ان لوگوں سے ملنے کی خاطر گھر سے نکل آئی تھی۔

”امی! ہم کدھر جا رہے ہیں؟“ان کے گھر سے نکلتے ہی سات سالہ رائقہ کے سوالات شروع ہو گئے تھے۔

”ایک کوشش کرنے!“گاڑی چلاتی حاویہ کا لہجہ پر سوچ تھا۔۔۔وہ بظاہر سڑک پہ نظریں جمائے ہوئے تھی لیکن اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

”کیسی کوشش؟“وہ عمر کے اس دور میں تھی جب بچوں کو ہر چیز کی وضاحت چاہیے ہوتی ہے۔

”ہم منگو ماموں سے کہیں گے کہ وہ آپ کے دوستوں کو ہمارے پاس ہی چھوڑ جائیں تاکہ ہم اسے اچھے سے پڑھا سکیں۔“ حاویہ کی بات پر وہ پرجوش ہونے کے ساتھ ساتھ کسی الجھن میں بھی پھنسی تھی۔

”وہ کہاں جارہے ہیں؟“ دوستوں کے ذکر پر اسے ان کے کہیں جانے کا خیال ہی مضطرب کر گیا تھا۔

”اپنی نئی منزل کی طرف!“ گو کہ حاویہ کا جواب واضح تھا لیکن اس کا ننھا ذہن اس کے معنی تلاش کرنے سے قاصر تھا۔

”نئی منزل کیا ہوتی ہے؟“ اس کا سوال غیر متوقع نہیں تھا۔

”نئی منزل مطلب نیا گھر!“ اب بات کچھ کچھ رائقہ کی سمجھ میں آرہی تھی۔

”تو کیا ہم میرے دوستوں کو اپنے نئے گھر میں رکھیں گے یا انھیں بھی نانی کے گھر پہ رکھیں گے؟“ آج کل حاویہ الگ گھر کی تلاش میں تھی سو رائقہ نے اسی تناظر میں سوال کیا تھا۔

”نہیں! ہم جلد ہی اپنا گھر لے لیں گے۔“ پچھلے کچھ عرصہ سے حاویہ کی ماں پھر سے شوبز کے لوگوں سے ملنے جلنے لگی تھی تو رائقہ کو اس سب سے دور رکھنے کی خاطر حاویہ نے یہ فیصلہ لیا تھا۔۔۔ عالی جاہ کے نام سے وہ پہلے بھی واقف تھی لیکن اب اپنی ماں کے اس کے ساتھ کام کرنے کے فیصلے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔۔۔ گو کہ اس کی ماں نے فقط اداکاروں کو رقص کی تربیت ہی دینی تھی لیکن

اس کے حوالے سے اپنی شناخت ہونے پر وہ ایک بار پھر طوائف نہیں کہلائی جانا چاہتی تھی کیوں کہ سمارہ کی کوشش تھی کہ حاویہ بھی پھر سے گانا شروع کردے جو اسے کسی طور منظور نہ تھا۔۔۔یہی وجہ تھی کہ وہ ماں کو بنا بتائے اپنے لیے رہائش کی تلاش میں تھی۔

''اس گھر میں میری گڑیا کا کمرہ ہو گا کیا؟''اس نے اپنے بازو میں دبوچی گڑیا کی رہائش کے متعلق تصدیق کر لینا ضروری سمجھا تھا۔

''رائقہ! کتنا بولتی ہو تم؟''حاویہ سے پہلے ہی پچھلی نشست پر براجمان وجود نے اس کی مزید گل افشانیوں پر بندھ باندھنے کی کوشش کی تھی۔

''امی! آگ!''وہ اسے کوئی جواب دیتی لیکن دور سے اٹھتے آگ کے شعلوں نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

''وہ دیکھیں آگ!''وہ دیوانہ وار چیختے ہوئے ماں کو متوجہ کر رہی تھی جو اس منظر پہ گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھا گئی تھی۔

''آپا آپ کدھر جا رہی ہیں؟''گاڑی سڑک کنارے روکتے، وہ تیزی سے جلتی ہوئی جھگیوں کی طرف بڑھی جہاں سے بلند ہوتی چیخیں کسی کا بھی دل دہلا سکتی تھی۔۔۔گاڑی کی پچھلی نشست سے نکلتے نوجوان نے اس کا بازو تھام کر روکنا چاہا تھا۔

''مجھے جانے دو ایاس!'' وہ اس کے والدین کی ادھیڑ عمری کی اولاد تھا اور اسی ناطے وہ اپنی بہن کو کسی بھی قسم کی تکلیف سے بچانا چاہتا تھا لیکن حاویہ آگے بڑھنے پر بضد تھی۔

''پھپھو!'' منگو اسے بہن کہتا ہی نہیں بلکہ دل سے اسے بہن مانتا بھی تھا۔۔۔ حاویہ کسی طرح بلند ہوئے آگ کے لپٹوں کو پھلانگنا چاہتی تھی لیکن بے سود! کسی نے سوکھی لکڑیوں کو ان جھگیوں کے گرد پھیلا کر انھیں آگ لگائی تھی اور اب وہ جھگیاں زندہ انسانوں کو جلا کر خاکستر کر رہی تھیں۔۔۔ اپنا سامان سمیٹنے کی غرض سے ان لوگوں کے جھگیوں میں جاتے ہی یہ ساری کارروائی سرانجام دی گئی تھی۔۔۔ آگ کی شدت بتاتی تھی کہ وہاں شاید پٹرول کا چھڑکاؤ بھی کیا گیا تھا۔۔۔ وہ آگ بجھانے یا کسی سے مدد مانگنے کی کوئی ترکیب سوچ رہی تھی جب ایک نسوانی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔

''جازمہ!'' یہ منگو کی گیارہ سالہ بیٹی تھی جسے سب کاکی بلاتے تھے اور حاویہ کے منھ سے ادا ہونے والا یہ نام اسے ان تینوں نے ہی دیا تھا۔

''آپا! رائقہ!'' اس نے مخالف سمت سے آتی، روتی بلکتی جازمہ کو بانہوں میں بھر رکھا تھا جب ایاس کے متوجہ کرنے پر اس کی نگاہ رائقہ پہ گئی جو یقیناً اس منظر سے دہشت زدہ ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔

''ناجو چاچا نے لگائی آگ! میں اماں کو بتا کر جھاڑیوں میں گئی تھی۔'' رائقہ کو ڈرپ لگوانے کے بعد وہ لوگ ایک نجی اسپتال کے ہی کمرے میں بیٹھے جازمہ کی باتیں سن رہے تھے جس کے مطابق ایک لمبی سی گاڑی میں کوئی شخص منگو سے ملنے آیا تھا اور اس کے جاتے ہی جب منگو نے سب کو ابھی سامان سمیٹنے کی ہدایت کی تو سب مردوں کے بھی اندر جاتے ہی نذیر عرف ناجو، جو کہ اسی بستی کا رہائشی تھا، نے دو تین لوگوں کے ساتھ مل کر ایک جانب آگ جلانے کے لیے جمع کی گئی خشک لکڑی پر کوئی سیال مادہ، جو کہ یقیناً پٹرول تھا، انڈیل کر اسے آگ لگا کر جھگیوں کے اوپر پھینک دیا اور پھر باقی لکڑیوں کو اس کے گرد موجود خشک گھاس پہ ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے کسی کو بھی سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔۔۔ کچھ ہی دیر میں اس بستی کے خشک لکڑی میں حادثاتی طور پر آگ بھڑک اٹھنے کے سبب راکھ کا ڈھیر بننے کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔۔۔ حاویہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانا چاہتی تھی لیکن پندرہ سالہ ایاس نے اس سے زیادہ معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔۔۔ اس کے مطابق دشمن سے بدلہ لینے کے لیے پہلے ان کا طاقتور ہونا ضروری تھا۔

''پھپھو! یہ وہی ہے جو بابا کو ملنے آیا تھا۔'' سمارہ کے گھر جازمہ کے عالی جاہ کو پہچانتے ہی حاویہ خاموشی سے کسی کو بھی بنا بتائے اسی رات وہاں سے چلی گئی تھی۔۔۔ اس نے شکر کیا کہ جازمہ نے اس کے کمرے کی کھڑکی سے عبدالکلیم کو دیکھ کر پہچانا تھا ورنہ وہ اس کے سامنے کچھ بول دیتی تو حاویہ کے لیے اس کے ساتھ ساتھ باقی سب کی جان بچانا بھی مشکل ہو جاتا۔۔۔ وہ کئی سال گمنامی کی

زندگی گزارتی رہی لیکن پھر ایک دن فوجی وردی میں ملبوس ایاس نے انھیں ڈھونڈ ہی لیا تھا۔۔۔ سمارہ کا انتقال ہو چکا تھا لیکن اس کے حوالے سے ایاس کی شناخت کسی سے چھپی نہیں تھی۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے حاویہ اور پھر رائقہ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ وہ اب کبھی منظر عام پر نہیں آنا چاہتی تھیں۔

———

ساری سچائی جاننے کے بعد عبدالکلیم کی آنکھوں میں واضح خوف ابھرا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔ تم لوگوں کو جتنی چاہیے دولت لے لو لیکن مجھے جانے دو۔" اپنا انجام قریب دیکھ کر عالی جاہ منتوں پہ اترا تھا۔۔۔ ان جیسے لوگوں کا مسئلہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ طاقت کے بل پر لوگوں پہ دھونس جماتے ہیں لیکن جب ان سے وہ اختیار چھن جاتا ہے تو ان کی ساری ہیکڑی نکل جاتی ہے۔۔۔ عالی جاہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔۔۔ بے دست و پا ہونے کے بعد وہ ساری اکڑ بھول کر گھٹنوں پہ جا بیٹھا تھا۔

''میرا وعدہ ہے کہ میں تمھیں زک بھی نہیں پہنچاؤں گا۔'' وہ آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کو ایسے وعدے بھی کرنے لگا جن کا ایفا ہونا ناممکن ہی ہوتا۔۔۔ بھلا کوئی موذی کبھی اپنے دشمنوں کو بھولتا ہے؟

''تیرے وعدے پہ جیے تو یہ جان جھوٹ جانا!'' ایاس نے تمسخرانہ لہجے میں شعر کا مصرع پڑھتے اس کی جانب ایک قدم بڑھایا تھا۔

''میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔'' ایک قدم پیچھے لیتے وہ گڑ گڑایا تھا۔

''لکھنا تو تمھیں واقعی بہت کچھ ہے۔'' جازمہ نے بھی اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

''لاؤ بتاؤ مجھے کیا لکھنا ہے؟'' ان کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ وہ ایک قدم پیچھے جا رہا تھا۔

''تمھیں لکھنا ہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کی موت کے ذمہ دار سراسر تم ہو۔'' ایاس کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ کیا ہوا ہے زبیر کو؟ دیکھو! اسے کچھ مت کہنا۔'' لرزتے لہجے میں وہ اپنے اس بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا جو اس کی اپنی سفاکیت کی نذر ہو گیا تھا۔

''عبدالکلیم! تم سے اپنے نام کی لاج ہی نہ رکھی گئی۔۔۔ خود کو عالی جاہ کہلوانے کے چکروں میں تم نے لوگوں کو یوں اپنے پیروں تلے مسلا کہ تم یہ بھی بھول گئے کہ انسان کو اس کے کرموں کا پھل

مل کر ہی رہتا ہے۔۔۔یہ تمھارے سکھائے اسلوب ہی تھے جو تمھارے بیٹے کی جان لے گئے۔"

جازمہ نے ترشی سے کہتے اس کے پیٹ میں ایک ٹانگ رسید کی تھی۔

"نہیں! نہیں! یہ کیا ہو گیا؟ تم جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔میرا زبیر! زبیر نہیں مر سکتا۔" اپنا چہرہ نوچتے وہ ہذیانی ہوا تھا۔

"اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔افسوس! تم نے اپنی نسل کے لیے عبرت ناک موت کا انتخاب کیا ہے۔" اس بار ایاس نے اس کا جبڑہ دبوچ کر کہتے اسے اس کے گناہوں کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

"تم! میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" بیٹے کی موت نے اس پر ایسا اثر کیا کہ وہ مرنے مارنے پہ اتر آیا تھا۔

"تمھارا ایک بیٹا مر گیا تو تم یوں واویلا مچا رہے ہو۔۔۔کبھی سوچا ہے کہ جن سینکڑوں لوگوں کی تم نے ناحق جان لی ہے،ان کے گھر والوں پہ کیا بیتی ہو گی؟" اس کی ٹانگ کا وار اپنی کہنی پہ روکتے،ایاس نے اسے ایک جھٹکے سے زمین بوس کیا تھا۔

''تمھیں کبھی وہ بیسیوں لوگ یاد نہیں آئے جن کو تم نے زندہ جلا ڈالا؟ کیا کبھی ان کی چیخیں تمھاری بے چینی کی وجہ نہیں بنیں؟'' پیروں کے پل زمین پر بیٹھتے جازمہ نے اس کے سر کے بالوں کو اپنی مٹھی میں دبوچتے درشتی سے کہا تھا۔

''زبیر! میرا بیٹا! مجھے اس کی لاش کو کندھا دینا ہے۔'' زمین کی خاک چاٹتے ہی ایک بار پھر اس کے لہجے کا غرور ختم ہوا تھا۔

''وہ ایک مجرم تھا اور مجرموں کے جنازوں کو کندھے کا حق ہم اس سے بڑے مجرم کو ہرگز نہیں دیں گے۔'' جازمہ نے اس کا سر زمین پہ مارتے، نفرت سے پر لہجے میں کہا تھا۔۔۔اس کا دل چاہا کہ وہ اس کے منھ پر تھوک دے لیکن انھیں یہاں اپنی موجودگی کا کوئی بھی نشان باقی نہیں چھوڑنا تھا۔۔۔ ایاس کے اشارے پر وہ اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر مارتے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کیا کرنے والے ہو تم لوگ؟'' ایاس کو بجلی کی ایک لمبی تار اپنی جانب لاتا دیکھ کر اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا۔

''افسوس کہ ہم تمھیں زندہ گرفتار نہیں کر سکتے۔۔۔ایسا ہونے کی صورت میں تمھارے بہت سے مددگار ہمارے راستے کی دیوار بن جائیں گے سو ہم تمھارا نام ہی اس صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔۔۔ نیا چڑھنے والا سورج تمھارے نام سے بھی ناواقف ہو گا۔'' اس نے کہتے ساتھ ہی اپنے مومی دستانے

چڑھے ہاتھوں میں پکڑا اتھری شوز بردستی اس کے ہاتھوں میں تھما کر اس کی مٹھیاں زور سے بند کر دی تھیں۔۔۔اس تھری شو کی تار جگہ جگہ سے چھلی ہوئی تھی،یوں جیسے وہ کافی خستہ حال ہو۔۔۔

اس کے ساتھ ہی ایاس نے اس کے فون کا چارجر بھی عالی جاہ کے قریب رکھ دیا تھا۔

''کاش! میں یہاں رک کر تمھاری موت کا تماشہ دیکھ سکتی۔''اس کے ہاتھ ہٹاتے ہی جازمہ نے بٹن دبایا اور میز پہ پڑا پانی سے بھرا لوہے کا جگ پکڑ کر اس کے قریب پھینک دیا تھا۔۔۔ایاس پہلے ہی میٹر کی تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر چکا تھا سو جازمہ کے بتی چالو کرتے ہی اسے کرنٹ کا ایک زبردست جھٹکا لگا تھا۔۔۔وہ تار تو اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی لیکن پتھریلا فرش،اس پہ تیزی سے پھیلتا پانی اور اس کے پاؤں کے پاس گرا جگ اسے وقفے وقفے سے کرنٹ کے جھٹکے دینے کو کافی تھے۔۔۔ جاتے جاتے وہ دونوں مرکزی برقی حلقے کی کچھ تاریں چھیل کر ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا نہیں بھولے تھے۔۔۔ان کے وہاں سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس فارم ہاؤس میں برقی ترسیل میں خلل کے سبب آگ کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔۔۔آج جازمہ نبیل نے نا صرف اپنا بلکہ اور بہت سے مظلوموں کا بھی بدلہ لے لیا تھا۔

صبح کی سپیدی ابھی ہلکی ہلکی پھیل رہی تھی جب بازو میں تکلیف کی وجہ سے حمود کی آنکھ کھلی تو نگاہ سیدھی خود سے کچھ انچ دور سوئی ہوئی رائقہ پہ پڑی۔۔۔ جانبی میز پہ جلتے لیمپ کی ملگجی سی پیلی روشنی میں اسے دیکھتے وہ ہولے سے مسکرادیا۔۔ اس کا آدھا چہرہ بالوں نے ڈھانپ رکھا تھا اور جو آدھا نظر آرہا تھا اس پہ چھائی معصومیت پہ حمود کا دل ایک بار پھر فدا ہوا۔۔ کچھ پل کے لیے اسے تکلیف کا احساس بھی باقی نہ رہا تھا۔۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو چھونا چاہا لیکن پھر اس کی نیند ٹوٹنے کے خیال سے وہ رک گیا تھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو؟'' بازو میں ہوتی تکلیف کا احساس پھر سے عود کر آیا تو حمود نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی، اسی پل رائقہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔۔ نیند کھلتے ہی اس کے استفسار پر حمود کے چہرے کو ایک دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

''سنا تھا کہ نکاح کے دو بولوں میں بہت طاقت ہوتی ہے اور شادی کے بعد سے مجھے ہر اس سنی سنائی بات پہ یقین آگیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح دو یکسر اجنبی افراد کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بنادینے کی مکمل خوبی رکھتا ہے۔'' چند لمحے پہلے رائقہ کے سوئے ہوئے وجود کو دیکھتے، یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ بہت گہری نیند میں ہو اور وہ اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹے گی اور اب اس کی حتی المقدور

محتاط حرکت کے باعث بستر پہ ہونے والی ہلکی سی سرسراہٹ ہی اس کے جاگنے کا سبب بن گئی تو حمود اپنے تاثرات کے اظہار میں تامل سے کام نہیں لے سکا تھا۔

''بات تو صحیح ہے آپ کی لیکن ابھی جو پوچھا ہے، وہ بتادیں۔'' رائقہ نے تائید کے ساتھ تاکید بھی کی تو اس پل حمود کا دل چاہا کہ وہ پھر سے ایک چھوٹا بچہ بن جائے جو ذرا سی تکلیف پہ بھی لاڈ اٹھوانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

''بازو میں درد ہے۔'' دل کی آواز پہ لبیک کہتے حمود نے معصومیت اور بے بسی کو اپنے لہجے کا حصہ بنا لیا تھا۔۔۔ اس کی توقع کے عین مطابق رائقہ اس کی تکلیف کا سنتے ہی حرکت میں آئی تھی۔۔۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ اس کے لیے ہلکا پھلکا ناشتہ بنا کر لانے کے بعد اب اسے اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی تھی۔

''شکر ہے کہ آپ رات کو آتے ہوئے دوا لے آئے۔'' پلاسٹک کے پتے سے دو گولیاں نکال کر اس نے حمود کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے تبصرہ کیا تو اس نے بغور اس کے سراپے کا جائزہ لیا جس کی آنکھوں میں دوڑتی سرخی اس کی کچی نیند سے جاگنے کا اعلان کر رہی تھی لیکن اس کی پھرتیوں سے کہیں نہ لگتا تھا کہ وہ نیند کی کمی کا شکار ہے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ جلدی سے یہ دوا کھائیں اور سو جائیں۔۔۔ آپ کو نیند کی سخت ضرورت ہے۔۔۔ مشکل سے دو گھنٹے ہی تو سوئے ہوں گے۔" اس کے یوں دیکھنے پر اس کا دوا والا ہاتھ ہونٹوں کے قریب کر کے، اس کے گولیاں پھانکتے ہی اسے پانی پلاتے وہ اس کی تکلیف سے ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔

"آپ اب جب جاگیں گے تو میں خود آپ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی۔" اس کے جسم پہ کمبل برابر کر کے اس کا زخمی بازو احتیاط سے گدی پہ رکھتے وہ اس کی سوچوں سے قطع نظر آگے کا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔

"تم کبھی بدلو گی تو نہیں نا؟" حمود نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کسی احساس کے تحت پوچھا تو اس کی آنکھوں میں چھپے خوف نے اسے اس کی اندرونی کیفیات سے آگاہی دی تھی۔

"میں نے اللہ کو حاضر ناظر جان کر آپ کو اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اور میں آج اسی کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گی، آپ کی وفادار رہوں گی۔" اس کا ہاتھ تھپک کر اسے بستر پہ رکھتے، رائقہ نے اس کی پیشانی کو ہولے سے چھو کر اسے کچھ بھی بولنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔۔۔ وہ بنا کچھ کہے آنکھیں موند گیا۔۔۔ اس کی اس قدر مضبوط لہجے میں کروائی گئی یقین دہانی کے بعد اب مزید کسی سوال کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی تھی۔

"مام! کاش آپ نے بھی سوچا ہوتا ہے کہ ایک عورت جب کسی مرد کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہے تو وہ اسے کس طرح بے دردی سے توڑ دیتی ہے۔" بتی بجھانے کے لیے جاتی رائقہ واپس بستر تک آئی تو تب تک حمود کی آنکھ سے بہہ جانے والا ایک آنسو اس کے سر کے بالوں میں کہیں گم ہو گیا تھا۔۔۔ ارسلان نے روزی کے بعد سے بھرپور کوشش کی تھی کہ اس کا بیٹا ایک عورت کے دھوکے کا بدلہ دوسری خواتین سے نہ لے اور آج یقیناً وہ سرخرو ہوا تھا ورنہ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو بے وفائی کی مرتکب عورتوں کو تو سزا دیتے ہی ہیں لیکن پھر ساری زندگی کسی اور خاتون پہ بھی اعتبار نہیں کرتے۔۔۔ وہ بڑے شوق سے اپنی آنکھوں پہ اپنے نظریات کی وہ غیر منطقی عینک باندھ لیتے ہیں جس سے انھیں ہر عورت دھوکے باز اور فریبی دکھائی دیتی ہے۔

اگلے دو دن ہر طرف عبدالکلیم کی اپنے فارم ہاؤس میں ہونے والے شارٹ سرکٹ کی بدولت موت کی خبر گردش کرتی رہی تھی۔۔۔ اس کے چھوٹے بیٹے کی ایک پولیس مقابلے میں ہونے والی موت بھی خبروں کی زینت بنی ہوئی تھی لیکن اس کے لیے عبدالکلیم جتنی ہمدردی نہیں دکھائی جا رہی تھی۔۔۔ کرامت علی پہ بھی جرم ثابت ہو چکا تھا اور وہ بھی اب اپنی سزا کاٹ رہا تھا۔۔۔ ضمائر

کلیم ان پے در پے ہونے والے حادثات کی بدولت چکرا کر رہ گیا تھا۔۔۔ وہ جہاں بھی نکلتا تو ہر جگہ صحافی اس کے ارد گرد ہ بن ڈلانے لگتے۔۔۔ اس سب سے گھبرا کر اس نے سب چھوڑ چھاڑ کر بیرون ملک منتقل ہونے کا منصوبہ بنالیا تھا۔۔۔ جازمہ نبیل نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنے باقی ساتھیوں کے ہمراہ اس سے تعزیت کی اور وہاں سے واپسی پر اس نے بالکل اچانک شوبز چھوڑنے کا اعلان کر دیا تھا۔۔۔ اس کے اس غیر متوقع فیصلے پر کئی ہدایت کار چکرا کر رہ گئے لیکن وہ اب اس مصنوعی دنیا کو خیر باد کہہ دینا چاہتی تھی۔۔۔ یوں عبدالکلیم کی موت کی خبر سے زیادہ پذیرائی جازمہ نبیل کے دیے جھٹکے کو ملنے لگی جو ایک قلیل عرصہ میں ہی شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگی تھی۔

''خس کم جہاں پاک! مبارک ہو آپ کی سہیلی نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔'' حمود ان دنوں پندرہ دن کی چھٹی پر تھا سو رائقہ نے اس کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی لیکن اپنی عادت سے مجبور وہ بیچ بیچ میں اسے تنگ کرنے سے بھی باز نہیں آتی تھی۔۔۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی حسامہ اور حاویہ ان دونوں کو مل کر گئے تھے اور اب وہ لوگ ٹی وی کے آگے بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب ایک نجی خبر رساں ادارے کی جانب سے سہ باری اس خبر کے دہرائے جانے پر رائقہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آواز کا گلا گھونٹتے، مسکراتے لہجے میں حمود کو مخاطب کیا۔۔۔ اس کے چہرے پر ایک دل جلا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ تمھاری اس سے کوئی پرانی دشمنی ہے جو بے چاری کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔“اس کے جل کر کہنے پر رائقہ نے معنی خیزی سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے کہ میری کیا دشمنی ہو گی اس سے ؟“اس کے لہجے کی پر اسراریت حمود کو عجیب نہیں لگی کیوں کہ اسے شک تھا کہ رائقہ اسپتال میں ہوئی ملاقات کے پہلے سے ہی جازمہ کو جانتی تھی۔

”یہ تو تم ہی بہتر بتا سکتی ہو۔“اس نے کوئی بھی تکا لگانے سے گریز ہی برتا کہ رائقہ کو لے کر اس کے اندازے غلط ہی ثابت ہوتے تھے۔۔ وہ اسے ایک لاابالی لڑکی سمجھتا تھا لیکن اب وہ اس کی معاملہ فہمی کا قائل ہو چلا تھا۔

”سچ میں بتادوں ؟“اس کا انداز تجسس پھیلانے والا تھا۔

”کیا؟“حمود نے سیدھا ہو کر بیٹھتے، ناسمجھی سے پوچھا۔۔ اسے یوں لگا کہ وہ اسے کچھ بہت انوکھا بتانے والی ہے، جو وہ پہلے سے نہیں جانتا۔

”جازمہ نبیل کا سچ !“اس کے نام کے ساتھ منگو کا اصل نام لگاتے اس نے کچھ مزید سنسنی پھیلائی تھی۔

”کیسا سچ ؟“حمود کے لہجے میں آپ ہی آپ اشتیاق ابھر آیا تھا۔

”اس رات اسے جلتی بستی سے لانے والوں میں ایک میں بھی تھی۔“اس کے انکشاف پر حمود کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

”مطلب! اپنی جس محسنہ کا ذکر وہ کرتی ہے، وہ حاویہ آنٹی ہیں؟“اس کے استفسار پر وہ ہولے سے سر ہلا کر گویا ہوئی تھی:

”اس بستی کے باسیوں کے احسان مند تو ہم ہیں۔۔۔ جانتے ہیں میں نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال اسی بستی میں گزارے تھے۔۔۔ میں نے آنکھ ہی وہاں کھولی تھی۔۔۔ ایک عرصہ جازمہ نبیل نے میری بڑی بہن کے فرائض نبھائے ہیں۔۔۔ امی بتاتی ہیں کہ دایہ کے بعد مجھے سب سے پہلے اپنی گود میں لینے والی جازمہ ہی تھی۔۔۔ اس بستی میں مجھے بہت اپنائیت ملی۔۔۔ میں اپنے گھر منتقل ہو جانے کے بعد بھی جب وہاں جاتی تو منگو ماموں بہت پیار سے اپنا دست شفقت میرے سر پہ رکھ دیا کرتے تھے۔۔۔ بابا سے پہلے ایک وہی تھے جنھوں نے مجھے بیٹی کا سامان دیا۔۔۔ اور سچ کہوں تو انھوں نے امی سے کیا وعدہ نبھانے کی خاطر ہی اپنی جان گنوائی تھی۔“ وہ اب اسے حاویہ کے اسپتال سے جانے کے بعد کا احوال سنا رہی تھی۔۔۔ منگو نے عالی جاہ کی پیش کش کے متعلق حاویہ سے بھی ذکر کیا تھا اور تب ہی اس نے اسے قسم دی تھی کہ وہ کسی بھی قیمت پر اس قبیح فعل کے لیے راضی نہیں ہو گا۔۔۔

حمود نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کیا، یوں جیسے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تو پھر اس دن اسپتال میں تم لوگوں نے ایک دوسرے سے غیریت کیوں برتی؟'' حقیقت جاننے کے بعد اس کا یہ سوال غیر متوقع نہیں تھا۔

''ہمیں اس کی ملازمت کی نوعیت کا علم ہے سو ہم عوامی جگہوں پہ بات نہیں کرتے، جب تک جے زی خود نہ چاہے۔'' اس کی وضاحت سمجھ میں آتی تھی۔

''تو پھر تمھیں اس پہ غصہ کس بات کا ہے؟'' حمود گھوم پھر کر واپس اسی نکتے پہ آیا جہاں سے بات شروع ہوئی تھی۔

''وہ پچھلے ایک عرصے سے میری مامی بننے سے انکاری ہے تو بس اسی لیے مجھے لگا کہ کہیں وہ۔۔۔''

اس کی بات حمود نے بیچ سے ہی اچک لی تھی:

''تمھیں لگا کہ کہیں وہ مجھ میں دلچسپی تو نہیں رکھتی؟'' اس کے تپ کر پوچھنے پر رائقہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

''کیا کہہ سکتی ہوں؟'' اس نے شان بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے۔

''بہت خوب! تمھاری عقل کو سات توپوں کی سلامی!'' حمود کو اس کی یہ سوچ ہی ہضم نہ ہو رہی تھی۔

''ذرہ نوازی ہے جناب کی!'' وہ ہنستے ہوئے کورنش بجا لائی تھی۔

"وہ اس شعبے میں کیسے آئی؟" حمود کو ابھی اور بھی بہت کچھ جاننا تھا سو اس کی شوخی نظر انداز کرتے، وہ واپس مدعے پہ آیا تھا۔

"ایاس کی وجہ سے!" جازمہ کے دل میں بدلے کی آگ ہمیشہ سے جلتی آئی تھی اور اس چیز نے اسے بہت غصہ ور بنا دیا تھا۔۔۔ وہ آئے دن لوگوں سے جھگڑے مول لیتی تھی۔۔۔ کوئی اسے ذرا سا کچھ کہتا تو وہ مرنے مارنے پہ تل جاتی تھی۔۔۔ جن دنوں ایاس نے انھیں ڈھونڈ نکالا تب وہ انٹر کے امتحانات دے کر فارغ ہوئی تھی۔۔۔ پھر مسلسل ملاقاتوں کے بعد اس کی ذہنی کیفیت سمجھتے وہ حاویہ کو اسے اس شعبے میں بھیجنے کے لیے راضی کر چکا تھا۔۔۔ اس سے آگے کا سفر جازمہ نے پوری جان فشانی سے طے کیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" بات کرتے کرتے کچھ یاد آنے پر رائقہ نے اس سے اجازت طلب کی تھی۔

"دو پوچھ لو!" اس کا ہاتھ سہلاتے وہ بلا کی نرمی سے گویا ہوا تھا۔

"جازمہ بابا میں دلچسپی رکھتی ہے؟" اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا، یوں جیسے وہ اس کے الفاظ سے زیادہ ان میں ابھرتے تاثرات سے اس کی بات کی گہرائی جانچنا چاہتی ہو۔

رکھتی تھی۔۔۔ جب اسے علم ہوا کہ وہ کون ہیں تو اس نے خود کو اتنا کوسا کہ شاید اتنا کسی نے زندگی بھر کسی کو بھی برا بھلا نہیں کہا ہو گا۔۔۔ وہ کوئی کمزور اعصاب کی مالکہ ہوتی تو اس انکشاف پہ شاید خود کو ختم ہی کر ڈالتی۔'' حمود اس کی زیرک نگاہی کا قائل ہوا۔۔۔ وہ یقیناً اسپتال میں حسامہ کے ساتھ کی گئی مبہم گفتگو کے تناظر میں ہی اس نتیجہ پہ پہنچی تھی۔۔۔ حمود اس کی ندامت کا گواہ تھا سو اس نے رائقہ کو ساری تفصیل بتانا مناسب خیال کیا تھا۔

''اسی لیے وہ ہمارے بابا کے پاس آ جانے کے بعد سے امی کو ملنے نہیں آئی۔'' اس کی قیاس آرائی پہ حمود نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''تم جانتی ہو، وہ اس وقت کہاں ہے؟'' گفتگو کا رخ موڑتے اس بار تجسس حمود نے پھیلایا تھا۔

''کہاں؟'' اس نے سوال پوچھنے میں تاخیر سے کام نہیں لیا تھا۔

''ہوائی اڈے پر! اس کو اگلا ہدف مل چکا ہے۔۔۔ وہ ایک نئی پہچان کے ساتھ مصر کے احراموں کو سر کرنے جا رہی ہے۔'' اس کے جواب پر رائقہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

''ایاس کو بے مراد چھوڑ کر؟'' اس کے لہجے میں مایوسی گھلی تھی۔

''ہو سکتا ہے کہ اس نے اسے امید کا کوئی دیا تھما دیا ہو۔۔۔ اس بارے مجھے علم نہیں!'' حمود نے واپس اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی تشفی کروانا چاہی تھی۔

''اگر ایسا نہ ہوا تو مجھے ایاس کے لیے بہت برا لگے گا۔'' اس کی آواز میں گھلی نمی حمود کو بے چین کر گئی تھی۔

''یہ تو قسمت کے فیصلے ہیں۔۔۔ اگر وہ ایاس کا نصیب ہے تو وہ اسے ہی ملے گی۔'' حمود کی بات پہ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ لگی جانے کیا سوچ رہی تھی؟

''تم ایاس کو نام سے کیوں بلاتی ہو؟ بڑے ہیں تم سے، ماموں کہا کرو۔'' اس کا ذہن بٹانے کو حمود نے گفتگو کا رخ یکسر بدل دیا تھا۔

''بچپن میں کسی نے ٹوکا نہیں اور بڑے ہو کر جب وہ ملے تو اتنے وجیہہ انسان کو ماموں بنانا مجھے اچھا نہیں لگا سو امی کے کہنے کے باوجود بھی بس ایاس ہی بنا دیا۔'' اس کے استفسار پر وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''ایک مزے کی بات بتاؤں؟'' اپنی بات کے بیچ ہی اسے کچھ یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟'' وہ کافی دیر سے ایک ہی زاویے پہ بیٹھا تھا سو انداز نشست بدلتے اس نے اس کے بال بگاڑے تھے۔

''ایاس کے میرے لیے فکر مندانہ رویے کو لے کر ایک عرصہ تک جلیشہ سمجھتی رہی کہ ہمارے بیچ کچھ ہے۔۔۔ میں نے بھی اس کو ستانے کی غرض سے اس کی غلط فہمی دور نہیں کی۔۔۔ پھر جب امی کو

اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے بس جوتے ہی نہیں لگائے، لیکن ہماری بے عزتی کے سارے لوازمات ضرور پورے کیے تھے۔" اس کی بات کے آخر پہ وہ دونوں ہی کھل کر ہنس دیے تھے۔

"تمھاری ہنسی بہت پیاری ہے۔" ہنستے ہنستے حمود اچانک پٹڑی سے اترا تو رائقہ کی کھلکھلاہٹ ایک حیا آلود مسکان میں بدلی تھی۔

"کیا کرتی ہو یار! تمھارے چہرے کی یہ سرخی کسی دن میری جان لے لے گی۔" ایک دوسرے کو چڑانے سے شروع ہونے والی گفتگو، سرزنش، نمی، اداسی اور ہنسی سے گزر کر محبت پہ جارکی تھی۔۔۔ حمود کے لہجے میں بڑھتی گھمبیرتا رائقہ کی دھڑکنیں اتھل پتھل کر رہی تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں؟ اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔" اس کی شگفتگی سے کی گئی بات نے رائقہ کے دل پہ ہاتھ ڈالا تھا۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" اپنے ہونٹوں پہ دھرا اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتے حمود نے جذبات سے بوجھل لہجے میں پوچھا تو رائقہ نے اقرار میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"آپ کی سوچ سے بھی زیادہ!" پلکوں کی چلمن گرا کر دھیمے لہجے میں بولتی وہ حمود کو محجوب کر گئی تھی۔۔۔ اس نے بے ساختہ اس کی پیشانی پہ اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

''بھول گئی؟ ہماری پہلی ملاقات میں کتنے کوسنے دیے تھے تم نے مجھے؟'' کچھ پل اسے اپنے ساتھ لگا کر رکھنے کے بعد حمود نے پر مزاح لہجے میں اسے یاد دہانی کروائی تو اس کے لب بھی مسکرا دیے تھے۔

"تب آپ ان جان تھے۔'' مسکرا کر وضاحت دیتے وہ ایک بار پھر اس کے جذبات چھیڑ گئی تھی۔

''اور اب جان ہوں۔۔۔ ہے نا؟'' اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھتے اس نے پر تیقن لہجے میں پوچھا تھا۔

''میں ڈیڈ کو دیکھ کر آتی ہوں۔'' رائقہ اظہار کے معاملے میں اتنی ہی بہادر تھی کہ بس ایک بار ہی اپنے دل کی بات کر پاتی سو اس بار اسے کچھ اور نہ سوجھا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''پہلے ڈیڈ کے بیٹے کو تو دیکھ لو۔'' اس کا ہاتھ پکڑتے، وہ اسے جانے سے روک گیا تھا۔

''ڈیڈ کے بیٹے کو پتا ہونا چاہیے کہ وہ زخمی ہیں۔'' اس کے مضروب بازو کی جانب اشارہ کرتے، وہ اس کی کسی بھی گستاخی پہ روک لگا گئی تھی۔

"تو کیا زخمیوں کے جذبات نہیں ہوتے؟'' اس نے مصنوعی خفگی سے شکایت کی تو رائقہ پھر سے کھلکھلا اٹھی تھی۔

''حمود! آپ بھی نا!'' اس کے لہجے میں بھی نرماہٹ گھلی تھی۔

''کیا؟''اس کی بات کا جواب رائقہ کے فون کی بجتی گھنٹی نے دیا تھا۔

''جلیشہ کا فون ہے۔'' حمود کو وہ اس وقت اپنی رومانوی داستان میں ایک رقیب لگی جس سے اب اس کی بیوی چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔

مقروض کہ بگڑے ہوئے حالات کی مانند

مجبور کہ ہونٹوں پہ سوالات کی مانند

دل کا تیری چاہت میں عجب حال ہوا ہے

سیلاب سے برباد مکانات کی مانند

میں ان میں بھٹکے ہوئے جگنو کی طرح ہوں

اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

دل روز سجاتا ہوں میں دلہن کی طرح سے

غم روز چلے آتے ہیں بارات کی مانند

اب یہ بھی نہیں یاد کہ کیا نام تھا اس کا

جس شخص کو مانگا تھا مناجات کی مانند

کس درجہ مقدس ہے تیرے قرب کی خواہش

معصوم سے بچے کے خیالات کی مانند

اس شخص سے ملنا میرا ممکن نہیں محسن

میں پیاس کا صحرا ہوں وہ برسات کی مانند

محسن نقوی

ہوائی اڈے پر معمول کا رش تھا۔۔۔اندرون و بیرون ملک آنے جانے والے مسافر مخالف سمتوں میں چلے جا رہے تھے۔۔۔انھی مسافروں میں ایک جازمہ نبیل بھی تھی۔۔۔اس کی آنکھوں، اس کے بالوں، یہاں تک کہ اس کے چہرے کی رنگت بھی یکسر تبدیل کر دی گئی تھی لیکن وہاں کوئی تھا جو اسے اس کی ظاہری شخصیت کی بجائے اس کی خوش بو سے پہچانتا تھا۔۔۔وہ اس کی روح میں اترنے کا داعی تھا سو اس کے لیے ظاہر سے زیادہ باطن اہمیت کا حامل تھا۔

''جاتے وقت پیچھے رہ جانے والوں کے سوالوں کے جواب دے جانے سے سفر پر سکون کٹتا ہے۔'' وہ سامان سے بھری ٹرالی آگے دھکیلتی اپنی ہی دھن میں چل رہی تھی جب اچانک اپنے ساتھ کسی کی موجودگی اور یہ آواز اس کو ایک پل کے لیے ساکت کر گئے تھے۔

''میں آپ کو جانتی ہوں کیا؟'' وہ اس وقت ایک سفید فارم کے روپ میں تھی اور اس کا انگریزی لب و لہجہ اس کے کردار سے مکمل طور پر میل کھاتا تھا۔۔۔سونے پہ سہاگہ اس کے چہرے پہ چھایا اعتماد مقابل کو شک میں ڈال دیتا مگر ایاس کو شاید اپنی محبت پہ کچھ زیادہ ہی اعتبار تھا۔

"ایک آپ ہی تو مجھے جانتی ہیں مادام!" سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو تھوڑا سا خم دے کر کہتے وہ کئی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ تم نے مجھے پٹانے کے لیے غلط وقت چنا۔۔۔اب تو میں اپنے ملک واپس جا رہی ہوں ورنہ تمھارے ساتھ ایک کپ چائے تو ضرور پیتی۔" وہ ہنوز اسے پہچاننے سے انکاری تھی۔

"محبت زمان و مکان کی حدوں سے مبرا ہوتی ہے۔۔۔یہ تو ایک ماورائی قوت ہے جو الہام کی طرح آپ کے دل پہ اترتی ہے اور کسی خودرو پودے کی مانندیوں آپ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔" ایاس کے لہجے میں ایسی نرمی تھی کہ سامنے کوئی بھی ہوتا تو پگھل جاتا لیکن جازمہ نبیل کے لیے اس کا فرض زیادہ اہم تھا۔

"تمھاری باتیں بہت گہری ہیں اور مجھے گہرائی میں اترنے سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے ایک جھرجھری لیتے ہوئے جواب دیا۔۔۔یوں جیسے ان الفاظ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اور اگر کوئی ہاتھ پکڑ کر تمھارے ساتھ یہ سفر طے کرے؟" ایاس نے اب بھی کوشش ترک نہیں کی تھی۔۔۔لوگ رک رک کر اس دیوانے کو دیکھ رہے تھے جو ایک سفید فام کا رستہ روکے کھڑا تھا۔

"تم نجانے کیا باتیں کر رہے ہو؟ میں اجنبیوں سے بات نہیں کرتی۔۔۔ میری پرواز کا وقت ہو گیا ہے۔۔۔ مجھے جانا ہو گا۔" اس نے جھلا کر کہتے، ہاتھ سے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا۔

"شناسائی میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟" ایاس ایک بار پھر اس کی راہ میں حائل ہوا تھا۔

"تمھیں سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے جانے دو۔" اس بار اس نے جان بوجھ کر بلند آواز میں کہا تھا۔

"مادام! کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس کے یوں بولنے پر ایک باوردی اہلکاران کی جانب آیا تھا۔

"یہ شخص بلاوجہ مجھے تنگ کر رہا ہے۔" سفید فام خواتین اکثر اپنی اکھڑ مزاجی کی وجہ سے جانی جاتی ہیں۔ جازمہ نے بھی حلیہ بدلتے ہی اپنی خصلتیں بھی بدل دی تھیں۔

"آپ جائیں، ہم دیکھ لیتے ہیں۔" اس کے آگے بڑھتے ہی وہ اہلکار ایاس کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر گیا تھا۔

"بہت خوب جے زی! تم اس امتحان میں کامیاب ٹھہری۔" تو یہ سب ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کی آڑ میں ایاس نے ایک بار پھر جازمہ سے اپنے دل کی بات بھی کہہ دی تھی۔۔۔ وہ خوش تھا کہ جازمہ کو ٹٹولنے کے لیے اسے چنا گیا تھا۔

"کیا تم سچ میں اس سے محبت کرتے ہو؟" وہ خود کو لے جانے والے اہلکار کی فرضی بازپرس نپٹا کر وہاں سے نکلا تو کان میں لگے آلے سے ابھرتی آواز نے اس کی مسکراہٹ سمیٹی تھی۔

"میں تو بس اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔" ایاس نے نہ تردید کی تھی اور نہ ہی تصدیق!

"لیکن وہ پھر بھی تمھارے لیے پیغام چھوڑ گئی ہے۔" یہ اطلاع اس کے لیے انوکھی نہیں تھی۔

"جانتا ہوں۔۔۔ اس نے کہا کہ وہ اجنبیوں سے بات نہیں کرتی لیکن اس نے مجھ سے بات کی۔۔۔ یعنی وہ مجھے انتظار کا کہہ گئی ہے۔۔۔ میں مرتے دم تک اس بھرم کو قائم رکھوں گا۔" آخری دو جملے اس نے اپنے دل میں ادا کیے اور اپنے افسر کی بات پوری دل جمعی سے سننے لگا تھا۔

محبت کے ایوانوں میں نکاح کی حیثیت کسی سربراہ کی مانند ہوتی ہے۔۔۔ یہ اس قدر طاقت ور ہوتا ہے کہ دو یکسر مختلف دنیاؤں کے لوگوں کو یوں پاس لے آتا ہے کہ دیکھنے والے انھیں یک جان دو قالب ہی گردانتے ہیں۔۔۔ رائقہ اور حمود کے بھی بیچ بنے اس پاک بندھن نے انھیں ایسے ایک دوسرے سے باندھ دیا تھا کہ تھوڑی دیر کی دوری بھی ان کے لیے سوہان روح بن جاتی تھی۔۔۔ حمود صحت مند ہوتے ہی واپس اپنے فرض کی ادائیگی پہ لگ گیا تھا اور آج ایک ہفتے سے بھی زائد عرصہ کے بعد وہ رائقہ کے لیے وقت نکال پایا تھا۔۔۔ سارا دن گھومنے پھرنے کے بعد وہ دونوں اس وقت شہر کے پوش علاقے میں واقع ایک ریستوران میں بیٹھے رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔

"کھانا کیسا لگا؟" چاولوں کا ایک نوالہ اپنے منھ میں ڈالتے حمود نے پوری رغبت سے کھانا کھاتی رائقہ کو مخاطب کیا تھا۔

"بہترین!" اس کا جواب حمود کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"یہ میرا پسندیدہ ریسٹوران ہے۔۔۔ میں اکثر ڈیڈ کے ساتھ یہاں آتا تھا۔" ایک اور نوالہ نگلتے اس نے ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا جو ارسلان کا ذکر کرتے وقت ہمیشہ اس کے چہرے پر ہوتی تھی۔

"ہمم! آج بھی ڈیڈ یہاں ہوتے تو ہم انھیں ساتھ ہی لے کر آتے۔" ارسلان کاروباری سلسلہ میں ملک سے باہر تھا سو رائقہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"وہ کبھی بھی کباب میں ہڈی بننا پسند نہ کرتے۔" حمود نے مسکراہٹ دبا کر اسے چڑانے کی غرض سے کہا تھا۔

"وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے۔" اس کے لہجے میں ایک مان تھا جس پہ حمود کی نگاہوں میں ستائش ابھری لیکن اس وقت وہ اسے تنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اگلی بار آزما کر دیکھ لینا۔" اس کے شعبے اور زندگی کے جھمیلوں نے اس کو خاصا خشک مزاج انسان بنا دیا تھا لیکن جب سے رائقہ اس کی زندگی میں آئی تھی تو ایک نرم سی مسکان ہمہ وقت اس کے چہرے

پر سجی رہتی اور وہ اسے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔۔۔الغرض وہ محبت کے ہر رنگ سے آشنائی پا رہا تھا جس میں صرف رومانویت ہی نہیں بلکہ مزاح، شگفتگی اور لطافت بھی شامل تھی۔۔۔وہ محبت کرنے پہ آتا تو اسے حیا سے سرخ پڑنے پہ مجبور کر دیتا اور کبھی وہ یوں بچوں کی طرح لڑتے تھے، گویا ان کے بیچ اپنے کھلونوں کے بٹوارے کو لے کر مسئلہ چل رہا ہو۔

"اگر میں نے انھیں منا لیا تو؟" حسب عادت رائقہ خود کو منوانے کے لیے پر جوش سی ہوئی تھی۔

"تو کیا؟ یہ بندۂ ناچیز تو پہلے ہی اپنا آپ تمھارے نام لکھ چکا ہے۔۔۔اب مزید مادام کو کیا چاہیے؟" حمود کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ کسی کو بہت بھلی لگی تھی۔

"یہ تو وقت آنے پر بتاؤں گی۔" رائقہ نے ہمیشہ کی طرح تجسس پھیلایا تھا۔

"بندہ حکم ہے۔ں تتظر رہے گا۔" ایک ہاتھ سینے پہ رکھ کر حمود نے عاجزانہ لہجے میں ہامی بھری تھی۔

"یاد رہے، وقت پڑا تو میں آپ کو مکرنے نہیں دوں گی۔" جانے ایسا کیا تھا اس کے ذہن میں کہ وہ بار بار یقین دہانی چاہ رہی تھی۔

"حمود!" وہ دونوں یوں ہی ہلکی پھلکی نوک جھونک کے درمیان اپنا کھانا ختم کرنے کو تھے جب اپنے دائیں جانب سے ابھرنے والی آواز پہ حمود کے لب بھنچے تھے۔

''کیوں آئی ہیں آپ یہاں ؟'' ایک طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں دوڑاتے اس نے دبے دبے لیکن قدرے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔۔۔ وہ کہیں سے بھی کچھ پل پہلے والا خوش مزاج حمود نہیں لگ رہا تھا۔

''تم سے ملنے !'' روزی نے کہتے ساتھ ہی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔

''میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔'' اپنا کندھا جھٹک کر اسے ایسا کرنے سے روکتے، وہ اس کی جانب دیکھے بنا تندہی سے گویا ہوا تھا۔

''چلو رائقہ !'' اپنے بٹوے سے درمیانی مالیت کے کچھ نوٹ نکال کر ایک گلاس کے نیچے رکھتے، اس نے رائقہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''بیٹا! ایک بار اپنی ماں کو معافی مانگنے کا موقع تو دو۔'' روزی نے نم لہجے میں التجا کی تھی۔

''کچھ گناہ ناقابلِ معافی ہوتے ہیں۔'' حمود نے درشتی سے کہہ کر اٹھ جانا چاہا لیکن اگلے ہی پل رائقہ کی بات پہ وہ ساکت ہوا تھا۔

''حمود! ایک بار ان کی بات سن لینے میں کوئی حرج نہیں!'' اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے سے روکتی، رائقہ نے اسے مصلحت سے کام لینے کی ترغیب دی تھی۔۔۔ اس کی بات پر حمود نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی سو تم بیچ میں مت بولو۔" اس کا لہجہ دوٹوک تھا لیکن اس نے اپنے ہاتھ پہ دھرا رائقہ کا ہاتھ بھی پیچھے نہیں دھکیلا تھا۔

"میں سب جانتی ہوں اور اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ انھیں اپنی صفائی کا ایک موقع تو ملنا چاہیے۔" رائقہ نے درخواست کی تو وہ کچھ بولا تو نہیں لیکن اس نے دوبارہ وہاں سے جانے کی بات بھی نہیں کی تھی۔۔۔اس کے اس رویے سے روزی کی کچھ ڈھارس بندھی تو وہ رائقہ کے اپنے لیے کرسی گھسیٹنے پر حمود کو دیکھتے اس پہ براجمان ہو گئی تھی۔

"بیٹا! مجھے معاف کر دو۔۔۔میں جانتی ہوں میں نے حسامہ بھائی اور رائقہ کا بہت نقصان کیا لیکن میں کیا کرتی؟ مجھ سے عنبرین کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔۔۔یہی وجہ ہے کہ میں بہن کی محبت میں صحیح اور غلط کی تمیز ہی بھول گئی۔۔۔میں نے صرف ان دونوں کو ہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ تمھارا اور ارسلان کا بھروسہ توڑنے کی مرتکب بھی ہوئی۔۔۔میں جانتی ہوں کہ میرا گناہ بہت بڑا ہے اور میں کسی سے معافی مانگنے کے بھی قابل نہیں لیکن میں پھر بھی تم سے معافی مانگتی ہوں۔۔۔میں پچھلے کئی سالوں سے پچھتاوے کی تکلیف سہہ رہی ہوں۔۔۔ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔۔۔شاید ایسے ہی میری بقیہ زندگی کچھ سہل ہو جائے۔" اس کی کہانی بھلے سے عام تھی لیکن اس کی ندامت خاص تھی کیوں کہ وہ سچ میں شرمندہ دکھائی دیتی تھی۔

"حمود!"اس نے رائقہ کی خاطر روزی کی بات سن تو لی لیکن پھر اس کو کوئی جواب دیے بنا ہی وہاں سے اٹھ آیا تھا۔۔۔آج پھر حالات کچھ عرصہ پہلے جیسے تھے لیکن ان کے جذبات بدل چکے تھے سو اس بار رائقہ نے اسے پکارا تو حمود کا روم روم سماعتوں میں ڈھلا تھا۔

"کوئی سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ پاک بھی اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔۔۔ایسے میں ہم انسانوں کی کیا اوقات کہ کسی کی ندامت دیکھنے کے بعد بھی اپنے اندر اسے معاف کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کر سکیں۔۔۔در گزر کرنا تو آسمانی صفات میں سے ہے تو پھر اسے اپنانے میں جھجھک کیسی؟"حمود نے فقط ہمم کہنے پہ اکتفا کیا تو ایک پل کے وقفے سے گاڑی میں رائقہ کی دل آویز آواز گونجی تھی۔۔۔حمود اس کے کہے ہر لفظ پہ ایمان رکھتا تھا کہ یہی تو وہ تعلیمات تھیں جو اسے بچپن سے سکھائی گئی تھیں۔

"آنٹی صرف آپ کی ہی نہیں بلکہ میری اور میرے والدین کی بھی مجرم ہیں لیکن ہم لوگ انھیں سچے دل سے معاف کر چکے ہیں۔۔۔وہ آپ کی ماں ہیں اور ان سے زیادہ آپ پر کسی اور کا حق نہیں! میں آپ کو ان سے تعلق رکھنے پر مجبور نہیں کر رہی لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی انھیں معاف کر دیں تاکہ ان کے ساتھ ساتھ آپ بھی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر سکیں۔۔۔مجھے خوشی ہو گی اگر

آپ میری بات پہ سوچیں گے۔"اس کے الفاظ کا سحر حمود کے دل پہ اثر انداز ہو رہا تھا۔۔اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا لیکن اس کا دل اس کے حق میں فیصلہ سنا چکا تھا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا لیکن آپ پہ اعتبار کرنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔۔۔امید کرتا ہوں کہ آپ دوبارہ مجھے کسی گستاخی پہ مجبور نہیں کریں گی۔"ایک دو دن کے سوچ بچار کے بعد حمود اسے اپنے ساتھ لے جا کر روزی سے مل آیا تھا۔۔وہ ابھی اس سے مستقل تعلق رکھنے پر آمادہ نہیں تھا تو رائقہ یا روزی نے بھی اس بات پہ زور نہیں دیا تھا۔۔وہ اسے خود یہ فیصلہ لینے دینا چاہتی تھیں۔۔۔ان کے لیے یہی کافی تھا کہ پتھر کو جونک تو لگی!

"مجھے تم پہ فخر ہے۔"ساری صورت حال جاننے کے بعد ارسلان نے بھی اس کے فیصلے کو سراہا تو حمود کے سینے سے ایک بھاری سل سرک گئی تھی۔

زندگی تو نام ہی دکھ اور سکھ کے سنگم کا ہے لیکن جو لوگ ہر طرح کے حالات میں مسکرانا سیکھ لیتے ہیں، وہی کامیاب ہوتے ہیں۔۔۔حسامہ تو جراحی کے بعد کافی حد تک صحت یاب ہو چکا تھا لیکن

حاویہ کا علاج ابھی چل رہا تھا۔۔۔ معالجین پر امید تھے کہ وہ جلد ہی روبۂ صحت ہو گی۔۔۔اسی دوران حسامہ نے اس کے ساتھ حج پہ جانے کا ارادہ کیا تو ازمیر اور اس کی بیوی نے بھی ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا اور آج وہ لوگ ارسلان کے گھر دعوت پہ مدعو تھے۔۔۔شام کا ملگجا سا اندھیرا ہر سو پھیلتے ہی ربانی منزل کے باغیچے میں برقی روشنیاں جلادی گئی تھیں۔۔۔اسی جانب کھلتی بیٹھک کی کھڑکی سے گونجتی کھلکھلاہٹیں سبک خرامی سے چلتی ہوا کو بھی اٹھلانے پر اکسا رہی تھیں۔۔۔اندر جائیں تو وہ سب لوگ ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

''آپ کا انتظار کب ختم ہو گا؟'' چائے پینے کے دوران بڑے سارے سفر کے انتظامات کے بابت بات کرنے لگے تو رائقہ کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر براجمان ایاس کے ساتھ آکر بیٹھی تھی۔

''بس کچھ ماہ اور!'' اس ذکر پہ ایاس کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ رائقہ کو بہت بھلی لگی تھی۔

''امید ہے کہ امی بابا کے واپس آنے تک ہم آپ کے ہاتھ پیلے کرنے کی تیاریاں کر چکے ہوں گے۔'' وہ جھٹ پرجوش ہوئی کہ اس نے بہت شدت سے اس وقت کا انتظار کیا تھا۔

''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ'' ایاس نے حسبِ معمول شاعری جھاڑی تھی۔

''آپ اور آپ کی شاعری!'' رائقہ ہاتھ جھلا کر بولتے، بدمزہ سی ہوئی تھی۔

''تم اور تمھارا شوہر!'' ایاس نے بھی اسی کے انداز میں کہتے، آخر میں بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر بہترین کا اشارہ کیا تو رائقہ کا چہرہ خوشی سے پھولا تھا۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' حمود بھی ایک فون سننے کے بعد ان کی طرف چلا آیا تھا۔

''ان کو حلال کرنے کی سازش رچ رہی ہوں۔'' رائقہ نے حسبِ عادت ذو معنوی لہجہ اپنایا تھا۔

''تمھیں وہ خوش باش اچھا نہیں لگ رہا جو اس بے چارے کی گردن میں بھی شادی کا طوق لٹکانا چاہتی ہو؟'' حمود کو اب باآسانی اس کی مبہم باتوں کی سمجھ آجاتی تھی سو وہ بھی عادت سے مجبور ہو کر اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔

''نہیں! میں اکیلی کیوں بھگتوں۔۔۔ ذرا یہ بھی تو اس لڈو کا مزہ چکھیں۔۔۔ آخر آپ کو میرے پلے باندھنے میں یہ برابر کے حصے دار رہے ہیں۔'' اس کے جل کر کہنے پر ان دونوں نے ہی حظ اٹھایا تھا۔

''تمھیں تو اس کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس کے توسط سے اتنا فرماں بردار شوہر ملا ہے تمھیں!'' ایاس کو دیکھ کر آنکھ دباتے حمود نے اسے کچھ مزید بھڑکایا تھا۔

''اس میں آپ دونوں کا کیا کمال؟ یہ تو بابا کی عقل مندی تھی ورنہ تو آپ ابھی تک کنوارے ہی گھوم رہے ہوتے۔'' کچھ دیر پہلے ایاس کے کھاتے میں لکھا جانے والا جرم اب حسامہ کی خوبی بن گیا تھا۔

''اففف! کیا جاتا اگر تمھارے بابا تھوڑے سے بے وقوف ہوتے۔'' حمود نے مصنوعی بے بسی ظاہر کی تو ایاس کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

''پچھتا رہے ہیں؟'' اس کا سنجیدہ لہجہ بتاتا تھا کہ ایاس کی ہنسی جلتی پہ تیل کا کام کر گئی تھی۔

''میری اتنی مجال! تم نہ ہوتی تو یہ دل کیسے دھڑکنا سیکھتا۔'' اس کی خفگی کے خیال سے وہ فوراً اپنے جامے میں واپس پلٹا تھا۔

''اس سے پہلے کیا مشین فٹ کروا رکھی تھی؟'' رائقہ نے منھ پھلائے رکھا تو خاموشی سے ان کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہوتے ایاس نے گفتگو میں حصہ ڈال لیا تھا۔۔۔ اس کے سوال پر رائقہ کے چہرے پر بھی واپس مسکراہٹ ابھری تھی۔

''نہیں! تب تو بس وہ جسم میں خون کی ترسیل کرتا تھا۔'' حمود کی منطق پہ وہ دونوں عش عش کر اٹھے تھے۔

''اور اب؟'' ایاس نے فلسفیانہ انداز میں پیشانی پہ دو انگلیاں ٹکا کر مدبرانہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''اب تو میری نس نس میں عشق سمایا ہے۔'' اس کے جواب پہ رائقہ کے منھ سے ہنسی کا ایک فوارہ چھوٹا تھا۔

"اسی لیے تمھارا رنگ جھلستا جارہا ہے۔"حمود کو لگتا تھا کہ وہ صرف رائقہ کے ساتھ ہی بے سر پیر کی گفتگو کر سکتا ہے لیکن یہاں تو اس کا ماموں نوٹنکی میں اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

"یہ عشق کا زہر ہے پیارے! یہ نہ جینے دیتا ہے اور نہ مرنے!"اس کے ٹھنڈی آہ بھر کر افسردہ لہجے میں دیے گئے جواب پر رائقہ کی ہنسی مزید زور پکڑ گئی تھی۔۔۔وہ ان دونوں کی لایعنی گفتگو پہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔۔۔بیٹی کو یوں بے فکری سے کھلکھلاتے دیکھ، حسامہ اور حاویہ میں مسکراتی نظروں کا تبادلہ ہوا تو ان دونوں نے ہی اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی۔۔۔ وہ دونوں تو اپنے حصے کی زندگی گزار چکے تھے سو اب انھیں بس بیٹی کو مطمئن دیکھنے کی ہی آس تھی۔۔۔باہر ڈوبتے سورج نے صدقِ دل سے ان کی دعا پہ آمین کہا تو کائنات کی ہر شے ثم آمین کا ورد کرنے لگی تھی۔

رات کے اس پہر ماحول پہ ایک سکوت چھایا تھا۔۔۔سرسبز پہاڑوں کے بیچ واقع اس جھیل کے صاف شفاف و پرسکون پانی میں نظر آتا پورے چاند کا عکس اس منظر نامے میں ایک جان ڈال رہا تھا۔۔۔اس جھیل کے کنارے پڑے چھوٹے بڑے پتھر، جگہ جگہ اُگے رنگ برنگی پھول اور گہرے

نیلے آسمان پہ چاند کے گرد چمکتے ان گنت تاروں کی لو اس وادی کے حسن کو کچھ مزید تابنا کی بخش رہی تھی۔۔۔پانی کے اس قطعے سے چند گز دور واقع لکڑی کے اس دیدہ زیب جھونپڑے کی سیڑھیوں پہ بیٹھے دو نفوس قدرت کی اس صناعی مسحور دکھائی دیتے تھے۔۔۔ان دونوں نے اپنے گرد ایک ہی گرم چادر لپیٹ رکھی تھی جو ہلکی چلتی خنک ہوا کے لیے کافی تھی۔

''یہ خوب صورت ہے نا؟''رات کی خاموشی میں نسوانی آواز میں کی گئی یہ سرگوشی اطراف میں اپنی ایک بازگشت چھوڑ آئی تھی۔

''یہ ان کامل راتوں میں سے ایک ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔''اس مرد نے چاند پہ نظریں جمائے، مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے بھی!''اس لڑکی نے اس کے کندھے پہ سر ٹکا تو اس مرد نے اسے اپنے مزید قریب کیا تھا۔

''جب ہم اس طرح اکٹھے ہوتے ہیں تو مجھے بہت سکون ملتا ہے۔''اس لڑکی کی آواز میں ایک اطمینان بھرا تھا۔۔۔وہ اب آسمان سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرا دیا تو اس لڑکی نے اپنی ناک اس کے گال سے رگڑی تھی۔

''یوں لگتا ہے کہ یہ ساری دنیا اس چاندی کے تھال میں پگھل گئی ہو اور جو باقی بچا، وہ صرف میں اور تم ہو۔''پانی کے چلنے کی ہلکی ہلکی آواز، دور کہیں کسی الو کے بولنے کی گونج، ان کے سینے میں دھڑکتے

دلوں کا شور، یہ سب انھیں ایک الگ ہی دنیا میں لے جا رہا تھا جہاں ان کے بیچ پنپتی محبت کے سوا کوئی بھی اور چیز اہمیت نہ رکھتی تھی۔

"تمھیں یاد ہے جب ہم پہلی بار ملے تھے؟ تب تم نے مجھ پہ اپنے ہاتھ میں پکڑا مشروب انڈیل دیا تھا۔" اس کی یاد دہانی پر اس مرد نے قہقہہ لگایا تھا۔

"اس رات کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔۔۔ تب مجھے کتنی شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔" وہ یہ سب یاد کرتے ہوئے کراہا تھا۔

"وہ عجیب ہو کر بھی دل کش تھا۔" اس لڑکی کا انداز سراسر اسے چھیڑنے والا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ میرا پہلا تاثر یادگار ہے۔" اس کے کندھے کے گرد چادر برابر کرتے وہ خوش دلی سے مسکرا دیا تو وہ لڑکی چند پل مبہوت سی اسے دیکھتی رہی تھی۔

"اور کیا تمھیں وہ پل یاد ہے؟ جب تم مجھے انتظار کا کہہ گئی تھی۔" اس کی آنکھوں میں کسی درد بھری یاد کی کرچیاں چبھی تھیں۔۔۔ وہ ایاس تھا جسے بالآخر ایک طویل انتظار کے بعد اس کی محبت مل گئی تھی۔

"نہیں! میں بس وہ پل یاد رکھنا چاہتی ہوں جن میں ہم ساتھ ہوں۔" جازمہ کے الفاظ ان زخموں پہ مرہم کی طرح لگے تھے۔

"میں بھی!" اس کی ہاں میں ہاں ملاتے وہ اب اسے اپنے دل کی داستاں سنا رہا تھا جو جازمہ ایاس کو ہر بار پہلے سے زیادہ مسحور کن اور سحر انگیز لگتی تھی۔۔۔ وہ اپنی امنگوں، خوف، خوابوں اور محبت پہ بات کر رہے تھے اور ان کی آوازیں جھیل کے گرد کھڑے درختوں کی ایک دوسرے سے جڑی شاخوں کی طرح آپس میں مدغم ہو رہی تھیں۔۔۔ جیسے جیسے رات بیتتی گئی، ان کی باتیں ختم ہو کر ان کے بیچ کی خاموشی بولنے لگی تھی۔۔۔ کچھ ہی دیر میں وداع کو تیار چاند نے مسکرا کر جھیل کے نیلگوں پانی تک چاندنی کی ایک لکیر کھینچ دی جو ان دونوں کو ایک روشن مستقبل کی جانب لے جا رہی تھی۔۔۔ ایک ایسا مستقبل جس میں صبر، وفا، ایثار اور محبت کے ساتھ ساتھ ذہنی ہم آہنگی اور باہمی اعتماد بھی تھا کہ یہی تو وہ زادِ راہ ہے جو کسی بھی رشتے کو بخیر و عافیت اس کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

ختم شد